شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے قلم سے

سفرنامہ شیخ الہندؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کا سفرنامہ حجاز و مصر، اسارتِ مالٹا
کی ولولہ انگیز روداد، حکومتِ برطانیہ کے خلاف جہادِ آزادی کی ایمان افروز سرگزشت،
اسیرانِ مالٹا کے صبر و ثبات اور عزم و استقلال کی زندہ جاوید داستان، شیخ الہندؒ کی
انقلاب آفریں شخصیت اور حریتِ دین و وطن کا مستند تذکرہ، تاریخِ آزادیٔ برصغیر
کا درخشاں باب، اسلامی سیاست و فراست اور عزیمت و استقامت کا عظیم مثالی مرقع۔

مکتبہ محمودیہ
جامعہ مدنیہ
کریم پارک،
لاہور

Marfat.com

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کے قلم سے

سفرنامہ شیخ الہند رح

یعنی

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کا سفرنامہ حجاز و مصر نیز اسارت مالٹا
کی ولولہ انگیز روداد، حکومتِ برطانیہ کے خلاف جہادِ آزادی کی ایمان افروز سرگزشت،
اسیرِ مالٹا کے صبر و ثبات اور عزم و استقلال کی زندۂ جاوید داستان، شیخ الہند رح کی
انقلاب آفریں شخصیت اور حریتِ دین و وطن کا مستند تذکرہ، تاریخ آزادی برِ صغیر
کا درخشاں باب، اسلامی سیاست و فراست اور عزیمت و استقامت کا عظیم المثال مرقع!

مکتبہ محمودیہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

Marfat.com

٢٩٧،٩٩٢٣
66134

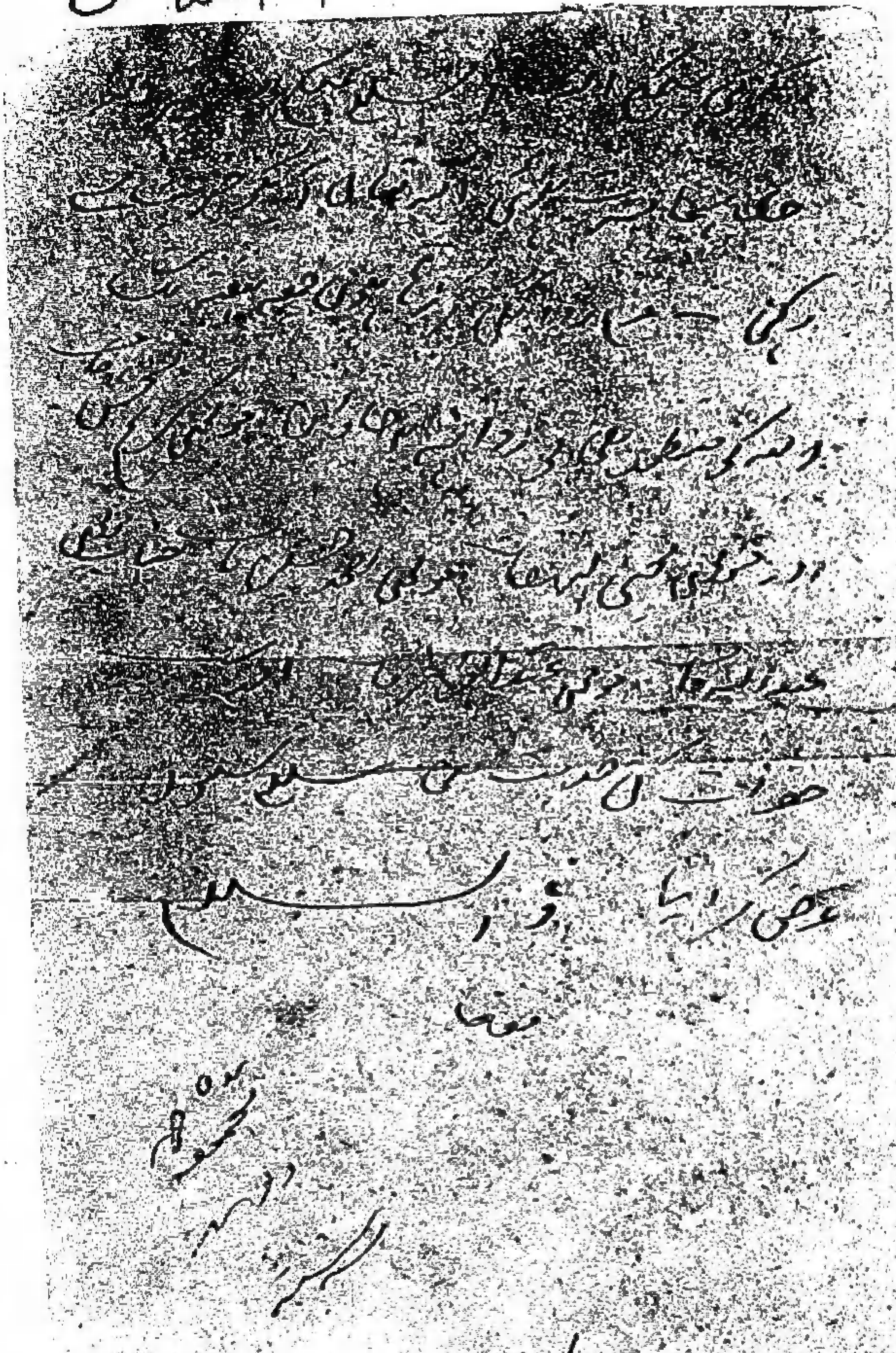

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کا یہ گرامی نامہ چند روز ہوئے، ایک محترم دوست نے مجھے ہدیۃً عنایت فرمایا۔ انھیں مکتوب الیہ کے پوتے سے یہ ملا تھا حسنِ اتفاق سے اس گرامی نامہ کی پیشِ نظر کتاب سے عظیم مناسبت نکلی کہ یہ اسی سفرِ اسارت سے چند روز پیشتر حضرت نے اپنے ایک عزیز شاگرد کو تحریر فرمایا تھا، اور گرامی نامہ میں جس سفر کا تذکرہ ہے، وہ یہی سفر تھا۔

حامد میاں غفرلہٗ

Marfat.com

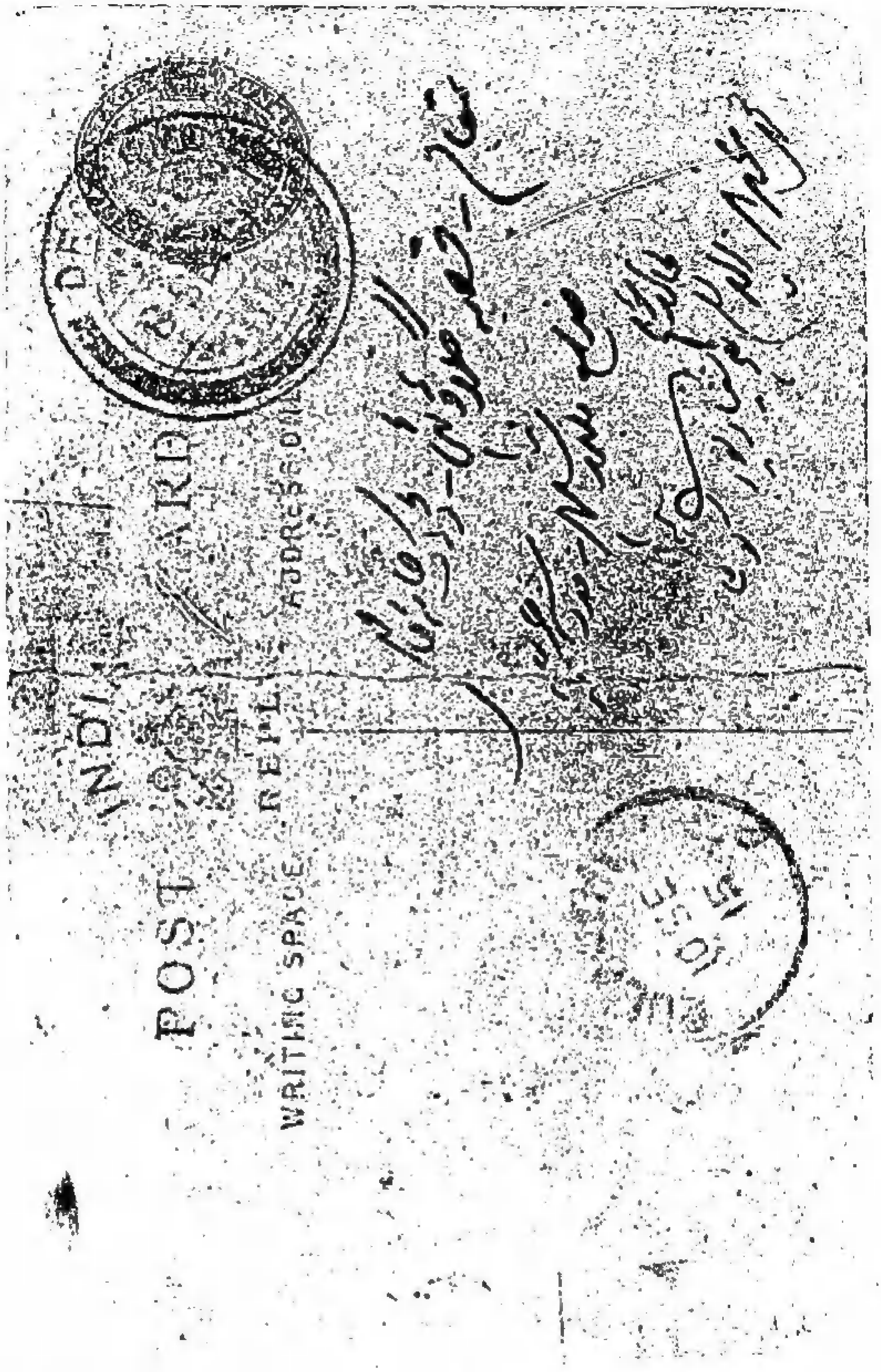

مکتوب والا پر دیوبند پوسٹ آفس کی مہر مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۱۵ء اور گلاؤٹھی پوسٹ آفس کی مہر مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۱۵ء ثبت ہے۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے ماہ شوال ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں قصد سفر فرمایا ——

حامد میاں غفرلہٗ   ستمبر ۱۹۷۴ء

Marfat.com

فہرست

دیباچہ از مصنف : ۷- مولانا مرحوم کے مجمل اور
مختصر احوال : ۱۱- مولانا مرحوم کی حالت ابتداء
جنگ میں اور گورنمنٹ کو بدظنی کی وجہ : ۱۷
مولانا مرحوم کا حجاز کو روانہ ہونا : ۱۹-
مولانا کے رفقاء سفر : ۱۹- مولانا کے سفر کی افواہ
۲۰- بمبئی سے مولانا کی روانگی : ۲۰-
خفیہ پولیس کی افواہ : ۲۱- دوسری افواہ : ۲۲-
مولانا مرحوم کی جدہ سے روانگی اور مکہ معظمہ میں
داخلہ : ۲۲- مولانا مرحوم کے مطوف : ۲۳-
جناب مولانا خلیل احمد صاحب کا سفر : ۲۳-
مکہ معظمہ سے روانگی مدینہ منورہ : ۲۴- راستہ
کا انتظام : ۲۴- مولانا پر ایک اتہام اور اس
کی غیر معقولیت : ۲۵- مولانا کا مدینہ منورہ میں
داخلہ : ۲۸- مولانا کے رفقاء سفر : ۲۹- ترکی پولس
کے توہمات : ۳۰- انور پاشا اور جمال پاشا وغیرہ
کا مدینہ منورہ میں آنا : ۳۳- انور پاشا کا روضۂ اطہر
کے اعزاز میں پیدل چلنا : ۳۴- انور پاشا کا حرم
نبوی میں داخل ہوتے رونا اور آنسو بہانا : ۳۵-
شیخ الحرم : ۳۵- روضۂ مسجد : ۳۷- ہر دو حضرات
(مولانا خلیل احمد اور حضرت شیخ الہندؒ) کی انور پاشا
سے ملاقات : ۳۸- ترکی گورنمنٹ کی دریا دلی : ۳۹-
مولانا کی نسبت افواہ : ۴۰- مولانا کی مدینہ منورہ سے
روانگی : ۴۱- طائف : ۴۳- فتنۂ حجاز : ۴۴-
مولانا کا رمضان طائف میں : ۴۷- طائف سے
روانگی : ۴۹- حضرت مولانا کی شریف کے بیٹے
(عبداللہ بیگ کمانڈر) سے ملاقات : ۵۰- عبداللہ
بیگ ابن شریف مکہ کا مولانا سے اعزاز واکرام
سے پیش آنا اور ان کے اعزاز میں خیمہ لگوانا و دنبہ
ذبح کرانا : ۵۰- مولوی مسعود صاحب پر شبہ : ۵۲
خان بہادر مبارک علی : ۵۳- مولانا کا خان بہادر کے
فتوے پر دستخط نہ کرنا : ۵۴- حکیم نصرت حسین
صاحب کا ذکر : ۵۶- واقعہ اسارت مکہ معظمہ :
۵۸- شیخ الاسلام سے گفتگو : ۵۹- مصالحت
کی کوشش : ۶۱- مکہ معظمہ کے قید خانے : ۶۲-
دہلی کے تاجروں کی ہمدردی : ۶۳- مولانا کی حاضری
کے لیے شریف کا الٹی میٹم : ۶۴- مولانا رحمۃ اللہ
علیہ کا خواب : ۶۶- جدہ سے روانگی ۶۷-
مولانا کے دو خواب اور اس کی تعبیر : ۶۸- قاہرہ
اور جیزہ : ۶۹- قاہرہ میں مولانا سے سوال وجواب
۷۲- مصر کے سیاسی قیدخانہ کی چارپائی : ۷۶-

Marfat.com

جیزہ کی قید تنہائی کے قواعد : ۷۷۔ ٹہلنے کی جگہ
(نقشہ جیل) ۷۸۔ مولانا کا فکر : ۸۰۔ مولانا کا اپنے
غلاموں کے ساتھ برتاؤ : ۸۲۔ مولانا کی توجہ اور
فکر کا اثر : ۸۳۔ ہم لوگوں کے زیادہ فکر کی ایک
خاص وجہ : ۸۷۔ مصر کی حالت (مصر کا تعارف)
نہر سویز کے بارے میں حضرت عمرؓ کی نصیحت
۹۲۔ مصری مسلمانوں پر عیسائیوں کو مسلط کرنا
۹۴۔ روانگی مالٹا : ۹۷۔ ترکی افسروں اور سپاہیوں
کی آمد : ۹۸۔ جہاز میں کھانے کا انتظام : ۹۹۔
جہاز میں موت کی ہر وقت تیاری : ۱۰۰۔
ترکی افسر : ۱۰۲۔ وصول مالٹا (مالٹا پہنچنا) : ۱۰۴
مالٹا کی اسارت اور اس کی تفصیل : ۱۰۵۔ کیمپوں
میں دوکانیں : ۱۰۷۔ آفس : ۱۰۸۔ شفاخانہ : ۱۰۹
مریضوں سے ملنے کا قاعدہ : ۱۰۹۔ کیمپوں کا انتظام
۱۱۱۔ رسد کی اشیاء : ۱۱۲۔ اسراء (قیدیوں کا) آپس
میں ملنے کا طریقہ : ۱۱۳۔ ڈاک کا انتظام : ۱۱۴۔
اسراء (قیدیوں) کی تعداد اور نمبر : ۱۱۶۔ اسراء کی
تفریح : ۱۱۷۔ اسراء کے لیے اخبار اور تار :
۱۱۸۔ ہلال احمر اور صلیب احمر کی ہمدردی : ۱۱۹
کیمپوں میں اپنے اپنے لکڑی کے مکانات : ۱۲۰۔
اسراء کے علمی مشاغل : ۱۲۱۔ اسراء کی باہم ہمدردی
۱۲۱۔ مولانا مرحوم سے ہر قوم کے ذی علم اور مقتدر
لوگوں کو ہمدردی اور عقیدت : ۱۲۲۔
قیصر جرمن کے بھتیجے کی مولانا مرحوم سے عقیدت
اور ان سے عظمت سے پیش آنا : ۱۲۳۔
بڑے بڑے فوجی افسروں کا مولانا کو سلامی دینا
۱۲۳۔ عام اسراء کی تجارت : ۱۲۳۔ اسراء کی
صناعت : ۱۲۴۔ اسراء کے مقدمات : ۱۲۴
قیدخانہ یا اسارت گاہ : ۱۲۵۔ مولانا کا کیمپ
اسارت میں داخلہ : ۱۲۵۔ مسٹر بیدار برہمن
ڈاکٹر غلام محمد پنجابی آدم پوری : ۱۲۶۔ گوشت
کے حلال حرام ہونے کی بحث : ۱۲۷۔ کیمپ
میں حلال گوشت کے طریقے : ۱۳۱۔ دال کے
اقسام : ۱۳۲۔ ترکاریاں : ۱۳۲۔ اسارت میں
کھانے کا ہمارا طریقہ : ۱۳۳۔ روگیٹ کیمپ کا
قیام : ۱۳۵۔ مولانا کی جفاکشی اور استقامت
۱۳۶۔ روگیٹ کیمپ سے عرب کیمپ کو منتقلی
۱۳۷۔ کیمپ کا نقشہ : ۱۳۸۔ انتظام پارچہ شوئی
و دیگر خدمات خارجیہ : ۱۴۲۔ صیدادی عربوں
کے حالات اور شہر صیدا کا تعارف : ۱۴۲۔
مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اوقات : ۱۴۷۔
مولانا مرحوم کے روحانی کمالات اور باطنی
اشغال میں مصروفیت : ۱۴۸۔ مالٹا میں پہنچنے
پر نقد میں تنگی : ۱۴۹۔ میجر حسن عزت بیگ
۱۵۰۔ افسروں کی تنخواہ : ۱۵۲۔ علی بیگ کا
واقعہ : ۱۵۵۔ اسلامی قبرستان : ۱۵۷۔

Marfat.com

اسلامی قبرستان کا نقشہ : ۱۵۹- مولانا کی مراعات کا حکم : ۱۵۹- عرب کیمپ کو پسند کرنے کی وجہ : ۱۵۹- مسٹر برن کی آمد : ۱۶۵-
ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں ؟ : ۱۶۶- ٹرکی میں اسرا کی حالت : ۱۶۸- یورپ کا کا قانون کمزور کے لیے : ۱۶۹- یورپ کا حقیقی قانون "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" : ۱۷۰
برطانیہ کے ٹرکی افسروں پر مظالم : ۱۷۱- احسان فراموشی : ۱۷۱- مصری سپاہیوں پر مظالم : ۱۷۱- حکیم نصرت حسین صاحب کی استقامت : ۱۷۳- نقد کے بجائے رسد مقرر ہونا : ۱۷۳- مسٹر برن کے لاتے ہوئے خطوط : ۱۷۶- مولوی عزیز گل صاحب کا انتقال : ۱۷۷- (وحید صاحب مرحوم) کا انتقال ۱۷۸- کاتب الحروف کا انتقال ۱۷۸- میری تین آرزوئیں : ۱۷۹- مولوی حکیم نصرت حسین صاحب کا انتقال : ۱۷۹- اسراء کو چھوڑا جانا ۱۸۵- مالٹا سے روانگی : ۱۸۷- سیدی بشر سے سویز کو روانگی : ۱۹۰-

عرض حال : ۱۹۳-
تتمہ کرنیل اشرف بیگ کے مفصل حالات : ۱۹۴- اشرف بیگ کی اخلاقی حالت ۱۹۵- ٹرکی کی دو پارٹیوں کی مختصر کیفیت : ۱۹۸- اشرف بیگ کی گرفتاری : ۲۰۷- اشرف بیگ کا حسن انتظام : ۲۱۰- ترکوں کا تدین : ۲۱۱- میجر احمد حیدر بیگ کا مولانا سے بیعت کرنا : ۲۱۴-

سالِ اشاعت ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

ناشر : مکتبہ محمودیہ، لاہور

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : مجلد ۱۵ روپے،

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رشیدیہ، جامع مسجد ریلوے سٹی سٹیشن، کراچی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفرنامہ شیخ الہندؒ

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد انّ سیّدنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہٗ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ و صحبہٖ و سلّم ؁

امابعد: حسب ارشاد احباب واکابر مدت دراز سے قصد تھا کہ حضرت مولانا ومقتدانا وسیلتنا وذریعتنا فی الدارین حضرت خاتم المحدثین امام المفسرین مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے احوال سفر حجاز ومصر ومالٹا وغیرہ قلمبند کروں لیکن بدقسمتی سے اس قدر گوناگوں موانع خلافِ امید پیش آتے رہے جن کی وجہ سے اب تک یہ آرزو میدانِ ظہور پہ جلوہ نمانہ ہوسکی چونکہ جن بزرگوں نے مجھ کو اس کے تحریر کا حکم فرمایا تھا۔ ان میں زیادہ برگزیدہ اور میرے لیے واجب الاطاعت اور جن کی تابعداری میرے لیے سعادت دارین ہے۔ میرے وسیلۂ دُنیا و آخرت میرے ہادی و رہنما میرے ماوا و ملجا مجھ کو اللہ و رسُول سے ملانے والے قطب العالم شمس العالمین امامُ الفقہا و المحدثین مرکز دائرۃ الحقیقت منطقۂ سمٰوٰت الطریقت فخر الاکابر ملاذ الاصاغر، مرشدی ومولائی مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہ العلّیہ وامدنا بفیوضاتہ البہیتہ الانصاری الگنگوہی کی صاحبزادی اور محترمی و معظّمی جناب حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی

Marfat.com

دام مجدہم کی والدہ ماجدہ دام مجدہا ہیں۔ اس لیئے امتثالاً للامر میں اس کو تحریر کرتا ہوں اور ان کی خدمت اقدس میں نذر کرکے ان کی دعوات صالحہ کا امیدوار ہوتا ہوں۔

مولانا مرحوم کے جملہ احوال و سوانح کا قلمبند کرنا ان اوراق میں نہ منظور ہے اور نہ ہی مجھ میں اتنی قابلیت اور واقفیت ہے۔ مجھ کو بے شک ایک عرصہ دراز اپنی عمر کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرنے کا موقعہ ملا اور اس میں حضرت کے گھر بار فیض سے اپنی استعداد کے تنگ اور اپنی قسمت لنگ کے موافق کچھ نہ کچھ استفادہ ضرور ہوا مگر نہ تو وہ مدت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے احوال زندگی کو احاطہ کر سکتی تھی اور نہ اپنی معلومات اس مدت کی قابلِ وقعت شمار ہو سکتی ہیں۔

میں سنہ ۱۳۰۹ھ ہجری کے ابتداء میں جبکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بیالیس برس کی تھی دیوبند حاضر ہوا۔ چونکہ میرا وہ زمانہ طفولیت اور صغر سنی کا تھا یعنی بارہواں یا تیرھواں سال تھا۔ کتابیں بھی بالکل ابتدائی پڑھتا تھا، عقل و فراست تو نہ جب تھی نہ اب ہے۔ اس لیے مجامع اکابر میں حاضر ہونا اور ہر قسم کے احوالِ روحیہ و علمیہ سے فیض یاب ہونا کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت (جس کا انکار کرنا سراسر کفرانِ نعمت ہے) مجھ نالائق کے حال پر اس زمانہ میں بھی نہایت زیادہ متوجہ رہی اور اسی وجہ سے ابتدائی کتابیں صرف منطق ادب وغیرہ کی حضرتؒ سے پڑھنے کی نوبت آتی رہی حالانکہ بڑی کتابوں کے پڑھنے کے شائق وقت تک نہیں پاتے تھے مگر مولانا مرحوم کے لطف و کرم نے اپنے ناچیز نام لیوا کو خارج از وقت مدرسہ کے بے بہا گوہر سے محروم نہ کرنے دیا۔ رفتہ رفتہ جب عقل و شعور کچھ آیا اور ۱۳۱۶ھ میں کتابوں کے ختم کرنیکی نوبت آئی تو سفر حجاز پیش آیا اور بمعیت حضرۃ والد صاحب مرحوم وہاں مقیم ہونا پڑا جسکی وجہ سے مولانا مرحوم کی حضوری ایک گونہ محرومی رہی۔ ۱۹۰۲ھ میں جبکہ

پہلے سفر ہند میں احقر حاضر ہوا تو اکثر مدت اقامت گنگوہ شریف اور مختلف سفروں میں گزری۔ حالانکہ اس سفر میں تقریباً سات ماہ ہندوستان میں قیام ہوا تھا اس لیے حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں فیضِ صحبت سے اس مرتبہ بھی تقریباً محرومی ہی رہی۔

۱۳۲۶ھ میں جب دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو بے شک تقریباً تین برس خدمت اقدس میں حاضر رہا۔ اگرچہ حسب قول مشہور ؎

تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

محرومی اور ناکامی نے اپنے کرشموں کے دکھلانے میں کوئی کمی نہ کی، مادی افکار و دنیاوی خیالات، سفلی ہمتوں اخلاقی کمزوریوں نے کبھی بام ترقی اور استفادۂ کمالات کی پرواز پر قدرت اور توجہ نہ کرنے دی۔

تیسرا سفر ۱۳۳۰ھ میں واقع ہوا جس میں فقط چند ماہ قیام ہوا مگر وہ بھی مختلف افکار و اسفار ہی کے نذر ہونے کی وجہ سے باعث محرومی رہا۔

الحاصل میں ہرگز اتنی علمیت اور واقفیت نہیں رکھتا کہ مولانا قدس اللہ سرہ العزیز کے جملہ احوال قلمبند کرسکوں ہاں اپنی کوتاہ نظر اور سرسری واقفیت کی حیثیت سے اس سفرِ حجاز اور اس کے بعض احوال کے متعلق کچھ ضرور عرض کروں گا۔

لیکن قبل از عرض اتنا ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں کہ حسب مسلّمہ اکابر "قدرِ جوہر شاہ داند یا کہ داند جوہری" مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمالاتِ باطنیہ اور فواضل علمیہ کی اطلاع حقیقتاً یا تو خود جناب باری عزّ اسمہ کو ہو سکتی ہے یا ان اہل اللہ اور علماء فحول کو جن کو خداوند کریم نے چشمِ تحقیق اور بصیرتِ کاملہ عطا فرمائی ہے۔ ہم جیسے مادر زاد اندھے کیا پہچان سکتے ہیں۔

Marfat.com

نیز یہ بھی جتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو سلیقہ عبارت آرائی اور مضامین کو نئی قالب اور عام پسند طرز میں لانے کا نہیں، اگر بتکلف اس کو لانا بھی چاہوں تو چونکہ وہ نہ تو طبعی ہے نہ اس قدر مشق ہے کہ طبیعت ثانیہ کا حکم لے چکا ہو اس لیے عاجز رہ جاتا ہوں۔ میرے معزز ناظرین مجھ کو ایسی ہفوات اور عبارت کی غلطیوں پر معاف فرمائیں۔

حسین احمد مہاجر مدنی

Marfat.com

مولانا مرحوم کے مجمل اور مختصر احوال :- جن حضرات نے مولانا مرحوم کو دیکھا ہوگا اور ان کی اخلاقی لاتف پر نظر ڈالی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا کو قدرت کی فیاضیوں نے ایک ایسا دل دیا تھا جس کی وسعت سات سمندروں سے کہیں زیادہ تھی، اقالیم سبعہ اس کے ایک زاویہ میں بھی اپنا پتہ بتلا نہ سکتی تھیں۔

اس نے بحر امدادی سے فیوضات حاصل کیے مگر ڈکار نہ لی، اس نے قاسمی نہریں پی ڈالیں مگر ہضم کر گیا، اس نے رشیدی گھٹاؤں اور دھواں دھار بادلوں کو چوس لیا مگر کبھی بے اختیار نہ ہوا، دعویٰ نہ کیا، شطحیات نہ سنائیں، استقامت سے نہ ہٹا، شریعت کو نہ چھوڑا، عشق میں گھل کر لکڑی ہو گیا مگر دم نہ مارا ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

روحانیت کی بھینی بھینی بادِ صبا اس کے سویدا اور دماغ میں گونجتی ہوئی مخمور کرتی رہتی تھی مگر وہ دائرہ تمکین سے باہر نہ ہوتا تھا۔ نسبت چشتیہ صابریہ کی روشن اور اغیار سوز بجلی اس کے اطراف و جوانب اور اعضاء رئیسہ کو سوخت کرتی رہتی تھی مگر مثل شمع سوزاں کبھی اُف نہ کرتا تھا، طریقت کے خوش آئند احوال اس پر متجلی ہوتے رہتے تھے، مگر کبھی آواز ادنیٰ لوگوں کو سننے نہ دیتا تھا۔

اس نے فقط باطنی فیوضات کے لیے ہر قسم کے ضبط سے کام نہیں لیا بلکہ علوم ظاہریہ میں بھی باوجود مجدد حدیث و فقہ و امام تفسیر و کلام وغیرہ ہونے کے کبھی اپنے آپ کو دفتر علماء میں شمار نہ ہونے دیا آپ کی کسی حالت اور کسی عملی کارروائی سے کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ اپنے آپ کو عالم اور ہادیٔ خلق یکتائے زمانہ شمار کرتا ہے۔ اس نے جس فروتنی اور کسر نفسی سے اپنی زندگانی گزاری ہے وہ اہل اللہ میں

Marfat.com

بھی خاص خاص لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ ہم نے مولانا کے معاصرین اور اساتذہ کو دیکھا ہے بلکہ خود ان کے ان معاصرین کو جنہوں نے مولانا کے اکثر بلکہ جملہ اساتذہ اور مشائخ کو دیکھا تھا کہتے ہوئے سنا کہ فروتنی اور کسر نفسی میں تو مولانا اپنے زمانہ کے جملہ علماء تو درکنار اپنے جملہ اساتذہ سے بھی سبقت لے گئے پھر جبکہ کوئی فرد بشر اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ مولانا مرحوم کی جملہ حرکات و سکنات للّٰہیت اور اخلاص پر مبنی تھیں، اغراض و نفسانیت کا ان میں نام و نشان بھی نہ تھا تو حسب قاعدہ نبویہ:۔

من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ جس نے اللہ کے لیے فروتنی اختیار کی اس کو اللہ تعالےٰ بلند کرے گا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کیسی اور کتنی علوشان کا بارگاہ رب العزّت میں پتہ چلتا ہے اس میں شک نہیں کہ جو کچھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا سب کچھ حضرت مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی قدس اللہ اسرار ہما ہی کا فیض تھا گر حسنِ قابلیت اور مبدأ فیاض کے کرم نے نہایت ہی عجیب عدیم النظیر شگوفہ بنا دیا تھا۔ اللھم ارض عنہ وارضہ وامدنا بامدادہ۔ امین

اس قلب کو جس طرح خداوند کریم نے وسعت عطا فرمائی تھی اسی طرح تحمل اور حوصلہ اس قدر عطا فرمایا تھا کہ واقفِ احوال دنگ رہ جاتا تھا لوگوں کے وہ عیوب و اخلاق جن کو بڑا حلیم الطبع دیکھ کر آپے سے باہر ہو جائے، مولانا کی جبیں پر تغیر بھی پیدا نہیں ہونے دیتے تھے۔ معصیت خداوندی میں تو دوسری حالت تھی مگر غیر معصیت اور اصلاح خلق میں اور علی ہذا القیاس تکالیف و آزار کے برداشت کرنے میں تو وہ ایک نہایت بلند پہاڑ تھے کہ جن کو نہ زلزلہ ہلا سکتا ہے نہ بجلی گرا سکتی ہے۔

اسی تحمّل اور قصدِ اصلاح کی بنا پر بسا اوقات کوتاہ نظروں اور ضعیف الحوصلہ

Marfat.com

لوگوں کو مولانا مرحوم کی نسبت لفظ مداہنت وغیرہ کے کہہ دینے کی بھی نوبت آئی مگر جبکہ انجام اور مولانا کے دیگر احوال پہ ان کی نظر پڑی تو دم بخود رہ گئے اور اپنی خطا پر مقر ہوئے

فطرت نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ کو ذکاوت اور حفظ کا بھی وہ اعلیٰ درجہ عنایت فرمایا تھا جس کی نظیر وہ اپنے آپ ہی تھے۔ جن لوگوں نے مولانا کے حلقۂ درس میں کچھ زمانہ گزارا ہوگا پھر دوسرے علمائے زمانہ کی تحقیقاتیں اور علمی قابلیتوں کی سیر کی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں پر بے شبہہ یہ شعر صادق آتا ہے۔

ماشبہ علماء البریۃ منکمو الاکشبہ الھوی من اسد الشری

خداوند کریم کے کمالات کی جس طرح کوئی حد و نہایت نہیں اسی طرح اس کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جب کبھی کسی نے شعر و سخن میں مولانا سے مذاکرہ کیا ہے تو اس قدر اردو فارسی عربی کے اشعار اس کو سننے پڑے ہیں کہ اس کو سوائے حیرانی اور کوئی چیز ہاتھ نہیں آئی، پھر اس پر طرہ یہ کہ قدرت نے موزونیت طبع وہ عطا فرمائی تھی کہ کھرے اور کھوٹے کو خوب پہچانتے اور اس میں تمیز کامل فرماتے تھے کہ طبقۂ علماء تو درکنار حذاق شعراء بھی عش عش کر جاتے تھے۔

قدرت کی فیاضیوں میں سے ایک یہ بھی بڑی فیاضی تھی کہ مولانا کے قلب و دماغ میں اسلامی ہمدردی اور انسانی غیرت، مذہبی حمیّت، قومی جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے وہ فقط مدرسہ نشین یا خانقاہی بزرگ حضرات کی سی ہمت پر اکتفا نہ کر سکتے تھے ان کی ہمت مردانہ ان کو چین نہ لینے دیتی تھی ان کو قومی جذبات ہر وقت بیقرار رکھتے تھے۔ ان کی مذہبی حمیّت ان کے لیے تمام مصائب سہل کر دیتی تھی ان کی انسانی غیرت

Marfat.com

اغیار سے جوڑتی اور نا اہل اپنوں سے توڑتی رہتی تھی، ان کی اسلامی اور وطنی ہمدردی ان کو کبھی اپنے سن وسال ضعیف العمری اور امراض مزمنہ کا خیال بھی نہ لانے دیتی تھی ان کو اس راہ میں نہ عزت کا خیال تھا نہ راحت کا نہ عزیز و اقارب کی فکر تھی نہ مال و دولت کی۔

ابتدائی تحریک :۔ بلقان کے خونخوار اور طرابلس کے سنگین واقعہ نے مولانا کے دل و دماغ پر نہایت عجیب مگر بے چین کنندہ اثر ڈالا چنانچہ اس وقت جب طریقۂ استاد اکبر مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (در جنگ روس) مولانا نے پوری جان توڑ کوشش امداد اسلام میں فرمائی، فتوے چھپوائے، مدرسہ کو بند کرایا، طلبہ کے وفود بھجوائے، خود بھی ایک وفد ساتھ لے نکلے، چندے کیے اور ہر طرح سے مدد کی ترغیب دے کر ایک اچھی مقدار بھجوائی، مگر اس پر بھی چین نہ پڑا کیونکہ جنگ بلقان کے نتیجہ نے دور بینوں کو بالکل غیر مطمئن کر دیا تھا کہ یورپ کے سفید عفاریت اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کرنے کی فکر میں ہیں پھر ذمہ داران برطانیہ مسٹر اسکوئتھ وغیرہ کی روباہ بازیاں خرس روس کی جفا کاریاں تو یقین دلاتی تھیں کہ تقسیم ٹرکی اور اجرائے وصایائے گلیڈسٹون کا زمانہ سر پر ہی آگیا ہے، جو مقاصد مسیحی دنیا کے زمانہ دراز سے چلے آتے تھے اور جن چالوں سے اسلامی دنیا اور خلافت مقدسہ کے بوٹی تکے کیے جا رہے تھے اب ان کے انتہا کا زمانہ آگیا ہے اب کوئی دن میں اسلامی وجود دنیا سے اسی طرح مٹا دیا جائے گا جس طرح یہودیت تمام عالم اور اسلامیت اسپین اور پرتگال سے مولانا مرحوم کو اس فکر نے سخت بے چین کر دیا، زندگی بھاری ہو گئی نیند اوچٹ گئی مگر زمانہ کی تاریکیاں، موسم کی کالی کالی گھٹائیں، احوال کی نزاکتیں، مسلمانوں اور اہل ہند کی ناگفتہ بہ کمزوریاں ہر طرح اس میدان میں قدم رکھنے سے مانع ہوتی رہیں، چونکہ اس مقدس ہستی کو فقط اپنے خدائے قدوس پر بھروسا تھا اس لیے اس نے تمام خیالات اور اوہام پر لاحول پڑھا اور مردانہ وار گامزن

Marfat.com

ہوا اس کو مشکلوں کا سامنا ہوا، اس کو سخت اور تند آندھیوں کا مقابلہ کرنا پڑا اس پر بادِ سموم کے جھلسانے والے تھپیڑوں نے طمانچے مارے اپنی کے لیے احباب و اقارب مارِ آستین بن گئے ہر شخص ناصح بن کر سدِّ راہ ہوا مگر اس کے استقلال کے مضبوط قدموں نے ذرا بھی جنبش نہ کی سب کو چھوڑ دیا مگر خدا پر بھروسا کر کے دن و رات کام میں لگا رہا، چونکہ کوشش کا نتیجہ کامیابی ضروری ہے اس کو کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہو گیا کہ ابھی دنیا میں کام کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں مگر کام لینے والے بہت کم ہیں، مسلمانوں میں قابلیت ہے مگر ان کو جمع کرنے والا نہیں۔

چونکہ میں اس زمانہ میں مدینہ منوّرہ میں تھا اس لیے تفصیلی احوال پبلک کے سامنے پیش کرنے سے عاجز ہوں مگر اتنا ضرور کہ سکتا ہوں کہ اس نے ایسے تیرہ و تاریک زمانہ میں بہت سا کام کر ڈالا، میرے معزز ناظرین کہیں بے سوچے سمجھے یہ نہ کہ بیٹھنے کہ کونسا ملک فتح کر لیا یا کونسی حکومت قائم کر لی یا کونسا کارنمایاں دکھلا دیا۔ میرے پیارے ناظرین یہ وہ زمانہ نہ تھا کہ سیاست کی طرف آنکھ اٹھا سکے ۵۷ء کا سماں باندھتی تھی آزادی کا خواب بھی اگر کسی کو دکھائی دیتا تھا تو اس کا پتّہ پانی ہو جاتا تھا، خود مختار حکومت کی خواہش زبان پر لانا برقِ جہاں سوز سے زیادہ تباہ کن شمار ہوتی تھی، برطانی ہوّے نے عالم کے دل و دماغ پر اپنا کا نسخہ جما رکھا تھا، اگر میں یہ کہوں کہ لوگوں کے دلوں پر جس قدر موجودہ حکومت کا خوف تھا اس قدر بلکہ اس کا عشرِ عشیر بھی خدائے قہار کا اثر نہ تھا جیسا کہ اب بھی بہت سی ہستیاں اسی خیال میں ہیں تو غالباً میں دروغ گو شمار نہ کیا جاؤں گا، ایسے نازک وقت میں ایک شخص کا بھی ہم خیال بنا لینا بڑی کامیابی ہے۔

حضرات: بنیاد کا پڑ جانا ہی سخت مشکل کام ہے پھر تو مکان کا تعمیر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ الغرض مولانا نے اسی تھوڑی سی مدت میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی اور

کام کرنے والوں کے لیے جن کو مدت سے تحیّر اور مدہوشی تھی مگر طریق کار ہاتھ نہ آتا تھا۔ شاہراہِ عمل قائم کر دی، اصحابِ دل اور اربابِ درد خوشی خوشی مولانا کے ہمراز ہو گئے اور علاوہ اس کے اور بھی بہت سے کام ہو گئے جن کو ان مختصر اوراق میں لانا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ اسی اثنا میں فلک نے نیا گل کھلایا اور جنگ عمومی کی تیرہ و تاریک بنیاد پڑ گئی سارے عالم میں خون کے فوارے پھوٹ پڑے، بستیاں کی بستیاں برباد ہونے لگیں، بر و بحر میں فتنہ و فساد پھیل گیا مظلوم و بیمار ٹرکی پر بھی جور و جفا کی آندھیوں نے اندھیرا پھیلایا، ابھی تک اس نے بلقان کے تباہ کرنے والے صدموں سے سنبھالا نہ لیا تھا کہ ایک خونخوار بلا ناگاہ اس کے سر پر آ دھمکی دشمن جو کہ مدتوں سے تقسیم ٹرکی کی فکر میں تھے موقع مناسب دیکھ کر وقت کو غنیمت سمجھنے لگے، عراق میں مدتوں کی سازشیں، سوریہ میں سالہا سال کی ریشہ دوانیاں حجاز میں برسوں کی خفیہ کوششیں، آرمینیہ میں قرنوں کی ظاہر اور پوشیدہ کارروائیاں، پٹیر اعظم کی قدیم وصیتیں، فرانس اور گلیڈ سٹون کی قلبی خواہشیں پھول اور پھل لانے کے لیے تیار ہو گئیں، اس ایک زبان اسلام پر تمیں مسیحی دانتوں نے خوب زور آزمائی کی ہر ایک نے طرح طرح کی دھمکیوں اور قسم قسم کی قوتوں سے اس کو دبانا شروع کیا اس کے بنے بنائے ملّی وہ دو ڈریڈ ناٹ جن کو اس نے اپنے خون سے بنوایا تھا اپنی قوم پر فاقے گوارا کر کے جیبوں سے کروڑ ہا پونڈ نکلوا کر تیار کرائے تھے برطانیہ نے عمداً چھین لیے ہر ہر محاذ پر قوت جنگی جمع کر دی گئی۔ الحاصل ایسے گوناگوں معاملات کیے گئے جن کی وجہ سے مجبوراً خلافت کو بھی ایک ایسے فریق کا ساتھ دینا پڑا جسکا ضرر گزشتہ زمانہ میں عالم اسلام پر بہ نسبت فریق ثانی نہایت ہی کم تھا اور جس سے بہت زیادہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ استقبال میں عالم اسلام کے لیے مفید اور ان کی آزادی کا ہمدرد ہو گا۔

مولانا مرحوم کی حالت ابتداء جنگ میں اور گورنمنٹ کو بدظنی کی وجہ

اس حالت نے مولانا مرحوم کے قلب حزین پر نہایت زہریلا اثر ڈالا ان کو ناانصافیوں نے بیحد بے چین کر دیا۔ ہر وقت اس جنگ کی فکر لگی رہتی تھی چونکہ عالم اسلامی کی حامی فقط ایک خلافت ٹرکی باقی رہ گئی تھی اس لیے جملہ اہل ایمان کو اسی سے لگاؤ اور تعلق تھا اسی لیے قلباً اور قالباً اسی کی طرف آنکھیں لگی ہوئی تھیں اگر اس جنگ کے زمانہ میں بھی مثل بلقان ہلال احمر وغیرہ کے چندوں کی اجازت ہو جاتی تو غالباً مسلمانوں کے جوش دینی کی کسی قدر صورت ظاہر ہو جاتی مگر اس زمانہ میں تو یہ امداد بھی جو کہ محض انسانی امداد تھی جنگ سے اس کو کوئی علاقہ نہ تھا جرم خیال کیا جانے لگا۔ خلافت کی ہمدردی گناہ شمار ہونے لگی، یہاں تک کہ بعض مقامات میں خلافت کے لیے دعا کرنا بھی جرم شمار کیا گیا۔ ہر ہر ضلع میں معزز لوگ جمع کیے گئے اور خلافت اسلامیہ کے تعلقات کو پوچھا گیا عموماً ایمان فروشوں نے ٹرکی سے اپنی بے تعلقی اور برطانیہ سے ہر طرح ہمدردی کا اظہار کیا، بہت سے علماء سوء نے خلافت ٹرکی کے متعلق فتاویٰ میں زہر اگلنا شروع کر دیا بہتوں نے خوف زدہ ہو کر سکوت یا ذو وجہین بیان کو ترجیح دیا، عام پبلک نے ہر طرح خلاف اسلام داد دی پھر جبکہ گورنمنٹ نے عام اعلان شائع کر دیا کہ یہ جنگ ٹرکی سے سیاسی ہے مذہبی نہیں تب تو کھلے ہاتھوں منافقین کو میدان میں کھیلنے کا موقع ہاتھ آگیا، ان واقعات نے اہل دل کے جوش اور غیرت کو بے حد بھڑکا دیا چونکہ مولانا کی غیرت دینی بے حد تھی ان احوال کو دیکھ کر اپنے آپے میں نہیں رہ سکتے تھے اس لیے بسا اوقات بعض کلمات مخالف مصلحت اور مغایر سیاست جوش مذہبی میں نکل جاتے تھے جن کی وجہ سے گورنمنٹ کے ہوا خواہوں، دشمنان اسلام، خواہشات نفسانی کے بندوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا وہ دشمنان مولانا مرحوم جن کو مدتوں

Marfat.com

سے آرزو تھی کہ وقت ہاتھ آنے کہ مولانا کی تذلیل و توہین کا سامان ہو ان کی آرزو پوری ہو گئی (دنیا میں کوئی کتنا ہی صلح جو کیوں نہ ہو دشمن اور دوست سے خالی نہیں رہ سکتا خصوصاً وہ ہستی جو کہ مرجع انام ہو جاتی ہے اس کے دشمن بھی ضرور ہوتے ہیں) ادھر وہ فتاویٰ جو دربارہ عدم استحقاقِ خلافت ٹرکی تھے دو مرتبہ پیش کیے گئے، دونوں مرتبہ مولانا نے رد کر دیے اور جن لوگوں نے اس پر لکھا تھا سخت کلمات استعمال کیے مجمع عام میں ان کو پھینک دیا چونکہ یہ فتوے باشارہ یا بامر گورنمنٹ تھے اس لیے ان کی وجہ سے گورنمنٹ کو اور بھی بدظنی کا موقع ہاتھ لگا (چنانچہ مولانا سے ان فتووں کی نسبت مصر میں سوال کیا گیا) مولوی عبدالحق حقانی وغیرہ ان فتووں کے محرر اور موجد تھے. سرحد افغانستان میں بھی ان ایام میں واقعات پیش آتے اور گورنمنٹ کا جانی و مالی نقصان ہوا، چونکہ عام طور پر قبائل میں اس قسم کی تحریکات وہاں کے مولویوں کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہیں اور اکثر مولوی یاغستان، یا افغانستان وغیرہ کے مولانا مرحوم کے شاگرد یا ان کے معتقد ہیں اس لیے دشمنوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینے کا اور بھی زیادہ موقع ہاتھ آیا اور یہ سمجھایا گیا کہ جو تحریکات جہادِ قبائل یاغستان میں ہو رہی ہیں وہ سب مولانا کے اشارے سے ہیں، اس موقع پر بدخواہوں نے مولانا مرحوم کے جوش زمانہ جنگ بلقان و طرابلس سے بھی گورنمنٹ کو بدظن کرنے میں نفع اٹھایا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ادھر تو جنگ کے واقعات مولانا مرحوم پر اثر ڈال رہے تھے ادھر گورنمنٹ کو بدظنی بڑھتی جاتی تھی، دشمنوں کو بھی برابر موقع ہاتھ آرہا تھا، آخر کار نوبت بانیجا رسید کہ گورنمنٹ کو بہت زیادہ بدگمانی مولانا سے ہو گئی۔ بعض باخبر احباب نے مولانا سے عرض کیا کہ ان دنوں زیر قانونِ تحفظ ہند گورنمنٹ لوگوں کو اسیر کر رہی ہے، چنانچہ مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار، مولانا محمد علی صاحب ایڈیٹر کامریڈ اور ان کے بھائی مولوی شوکت علی

Marfat.com

صاحب وغیرہ نظر بند ہو چکے ہیں آپ کی نسبت بھی یہی فکر ہے، اس لیے مناسب ہے کہ اس زمانۂ فتنہ میں جبکہ کوئی تحقیق واقعی طور پر نہیں ہوتی آپ اپنی حفاظت کا کوئی سامان کریں مولانا مرحوم کا قصد عرصہ سے حجاز کا تھا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ ان دنوں حجاز کا سفر کیا جاوے اور کم از کم مدّت جنگ عمومی میں وہیں امن وامان کے ساتھ یادِ الٰہی میں مشغولیت رہے یہ آخری زمانہ عمر کا ایسے مسعود و مبارک سرزمین میں صرف ہونا نہایت افضل اور انسب ہوگا اس لیے وہاں کی تیاری شروع کردی جو کہ یکبارگی وقوع میں آئی۔

مولانا مرحوم کا حجاز کو روانہ ہونا۔ ماہ شوال ۱۳۳۳ھ میں قصد فرمایا چونکہ مولوی عزیر گل صاحب خادمِ خاص کو اپنے وطن کی طرف جانا اور اپنے اکابر سے ملنا اور اجازت چاہنا ضروری تھا اس لیے ان کی واپسی کا انتظار فرمایا اس مدت میں سامان سفر تھوڑے مہیّا ہوگیا۔ عالیجناب حکیم عبدالرزاق صاحب غازی پوری برادرِ بزرگ جناب ڈاکٹر انصاری نے اس سفر میں نہایت زیادہ مدد دی جس کے حضرت مولانا مرحوم ہمیشہ ممنون منت رہا کیے، حکیم صاحب موصوف مولانا سے پہلے بمبئی پہنچ گئے اور ہر قسم کا ضروری سامانِ سفر نہایت فراخ دلی کے ساتھ مہیّا کردیا بلکہ جائے قیام اور ٹکٹ وغیرہ کا بھی انتظام کافی طور پر کردیا۔

مولانا کے رفقاء سفر۔ مولانا کی روانگی ایک معمولی شخص کی روانگی نہ تھی بہت سے اربابِ عقیدت استفاضہ یا خدمت کے لیے ساتھ ہولیے جن میں سے خاص خاص حضرات حسب ذیل ہیں۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوری، مولوی محمد میاں صاحب انبیٹھوی، مولوی عزیر گل صاحب ساکن زیارت کاکا صاحب، حاجی خان محمد صاحب مرحوم مولوی مطلوب الرحمان صاحب دیوبندی

Marfat.com

حاجی محبوب خاں صاحب سہارن پوری حاجی عبدالکریم صاحب سرونجی، وحید احمد وغیرہ۔

مولانا کے سفر کی نسبت افواہ: عام لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ مولانا دیوبند سے ہجرت کر کے جا رہے ہیں اور اب ہمیشہ حرمین شریفین میں عمر بسر فرمائیں گے اور چونکہ مولانا مرحوم نے بخوفِ وفات اپنی جائداد شرعی طریقہ پر ورثہ میں تقسیم کر دی تھی اس لیے اور بھی لوگوں کو اس خیال میں تقویت ہوئی۔ مولانا نے ایک عرصہ تک کے لیے اپنے گھر کے مصارف کا بھی انتظام کر دیا تھا اس خاص افواہ کی وجہ سے ہر اسٹیشن پر لوگوں کا بہت بڑا مجمع زیارت کے لیے موجود رہتا تھا۔ طلباء مدرسہ نے اپنے اپنے اعزہ کو تاریخ روانگی سے تار کے ذریعہ سے مطلع کر دیا تھا، غرضکہ ہر اسٹیشن پر ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا جس کی وجہ سے مصافحہ کرنا بھی سخت دشوار تھا، تشییع کرنے والے بھی بہت سے ساتھ ہو گئے تھے۔ دہلی میں مولانا مرحوم نے گاڑی میں قدرے تاخیر ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب انصاری کی کوٹھی پر جا کر چائے نوش فرمائی اور بہت تھوڑی دیر قیام فرما کر گاڑی کے وقت اسٹیشن پر آ گئے۔ ناگدہ ریلوے سے روانہ ہوئے راستہ میں رتلام راندیر میں بھی قدرے قیام فرمایا کیونکہ ان مقامات پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خاص لوگ تھے جنہوں نے سخت اصرار فرمایا تھا۔ راندیر سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچے اور انجمن محافظ حجاج کے آفس میں جس کو حکیم عبدالرزاق صاحب نے پہلے سے آراستہ کر رکھا تھا قیام فرمایا وہاں پر بھی مولانا کے زائرین کا ایک بڑا مجمع رہتا تھا اگر انجمن کے کارکن انتظام کافی نہ کرتے تو غالباً مولانا کو آرام کی صورت ممکن ہی نہ ہوتی۔

بمبئی سے مولانا کی روانگی: وہ تاریخیں اکبر جہاز کی روانگی کی تھیں اسی کے ٹکٹ مولانا مرحوم اور ان کے ساتھیوں کے لیے گئے تھے، مولانا اور ان کے خاص بعض خدام کے ٹکٹ سیکنڈ کلاس کرہ کے تھے باقی ماندہ کے چھتری یا تنق کے تھے، چنانچہ

بروز شنبہ ۱۷ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ کو جہاز پر سوار ہو کر جدہ کو روانہ ہو گئے، چونکہ اکثر ہمراہیوں کی طبیعت دریائی سفر سے مانوس نہ تھی اس لیے عموماً ان کو بدمزگی اور چکر وغیرہ کی شکایت پیش آئی جس کی وجہ سے میوہ جات اور عمدہ غذائیں اپنے موقع پر صرف نہ ہوئیں جن کی بڑی مقدار حکیم صاحب نے مولانا اور ان کے رفقاء کے لیے مہیا کی تھی بلکہ بہت سی چیزیں ضائع ہوئیں بوجہ ظہور جنگ ان دنوں قرنطینہ جزیرہ کامران سے اٹھا لیا گیا تھا اور قریب جدہ کے مقام سعدیہ میں ہوتا تھا چنانچہ جہاز نے وہاں لنگر ڈالا اور بخیر و خوبی مولانا مع رفقاء کے اترے اور ایام قرنطینہ نہایت عافیت سے انجام دے کر جدہ پہنچے۔

خفیہ پولیس کی افواہ ۔ بمبئی میں سوار ہوتے وقت بعض لوگوں نے مولانا کے رفقاء سے یہ کہا کہ تقریباً آٹھ دس آدمی تمہارے ساتھ خفیہ پولیس کے ہیں ان سے احتیاط رکھنا (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ بیان صحیح تھا یا غلط) چونکہ یہ بات اہل جہاز کو معلوم ہو چکی تھی کسی شخص نے جو کہ غالباً جدہ یا مکہ معظمہ کا رہنے والا تھا اس کو ٹرکی پولیس تک پہنچا دیا اور جو لوگ مشتبہ تھے ان کے نام و نشان بتا دیے اور کہہ دیا کہ یہ لوگ مولانا پر مسلّط ہو کر آئے ہیں حالانکہ اس قسم کا خیال نہ مولانا کو تھا اور نہ ان کے رفقاء کو۔ ٹرکی پولیس نے فوراً ان لوگوں کو گرفتار کر لیا اور مولانا مرحوم کی خدمت میں پولس کا افسر تصدیق کرانے کے لیے حاضر ہوا مولانا خود تو آفس میں نہ گئے مگر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب وغیرہ کو بھیج دیا، چونکہ واقعی طور پر کوئی یقینی بات تھی ہی نہیں اس لیے مولوی صاحب موصوف نے یہی بیان دیا کہ ہم کو کوئی یقین ان لوگوں کے سی آئی ڈی ہونے یا مولانا پر مسلّط کیے جانے کا نہیں ہے، ہم کوئی شہادت ایسی نہیں دے سکتے جس کا ہم کو علم نہیں مگر پولس ٹرکی نے اس جواب کو اس پر حمل کیا کہ چونکہ ان لوگوں کو پھر ہندوستان جانا ہے اس لیے صریح طور پر اپنی معلومات کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ الحاصل ٹرکی پولیس نے ان بزرگوں کو زیر حراست رکھا اور اسی طرح

Marfat.com

ان کو حج کرا کر یہ کہا گیا کہ اگر تم اپنے محافظ سپاہیوں کا خرچ دو تو تم کو مدینہ منورہ کی زیارت کی اجازت مل سکتی ہے ورنہ تم کو ہندوستان واپس ہونا پڑے گا چونکہ ان لوگوں کے کے پاس اس قدر خرچ نہ تھا اس لیے وہ بمبئی واپس کر دیے گئے۔

دوسری افواہ: بعض خفیہ کے افسروں کا بیان ہے کہ جب مولانا مرحوم بمبئی پہنچے تو وہاں کے افسر پولس کے پاس تار آیا کہ مولانا کو بمبئی میں گرفتار کر لیا جائے اور اور آگے جانے نہ دیا جائے مگر چونکہ مولانا کے پاس بہت بڑا مجمع رہتا تھا اس لیے بمبئی کے مقامی حکام کو بلوہ کا خوف ہوا اور اس وجہ سے انھوں نے عملدرآمد سے پہلو تہی کی۔ پھر دوسرا حکم روانگی کے بعد جہاز کے کپتان کے پاس پہنچا کہ مولانا کو جدہ میں اترنے نہ دیا جائے بلکہ جہاز ہی پر گرفتار کر لیا جائے مگر یہ حکم اس کے پاس اس وقت پہنچا جبکہ مولانا جزیرہ سعد میں برائے قرنطینہ اُتر چکے تھے اس لیے اس میں معذوری رہی (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ دونوں بیان کہاں تک صحیح ہیں) مگر ہم کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوئے۔

مولانا مرحوم کی جدہ سے روانگی اور مکہ معظمہ میں داخلہ

۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اونٹوں کی سواری پر مکہ معظمہ کو روانہ ہوتے اور اٹھائیسویں کو مکہ معظمہ میں شب بحرہ گزار کر شام کو داخل ہوئے، وہ زمانہ طبعی طور پر حجاج کے ہجوم کا ہوتا ہے، اگرچہ چونکہ جنگ کی وجہ سے بہت ملکوں سے حجاج کی آمد و رفت بند یا کمی پر تھی اس وجہ سے حسب دستور ہجوم میں کمی ضرور تھی مگر تاہم مکہ معظمہ کی گلیاں اور مکانات مسافرین سے لبریز تھے۔ حرم محترم میں بھی لوگوں کی کثرت تھی۔ مولانا مرحوم طواف قدوم و سعی وغیرہ ادا کرنے کے بعد احباب سے ملنے اور ادائے عبادت میں بدل و جان مشغول ہوئے۔

~~۱۵۹۹۷~~
66134

مولانا مرحوم کے مطوّف : مولانا مرحوم نے حسب مشورہ مولانا مرتضی حسن صاحب دیگر حضرات سیّد ابن عاصم کو صاحب کو مطوف بنایا تھا سیّد صاحب موصوف حقیقت میں ایک نہایت شریف الطبع خوش خلق آدمی ہیں ہر شخص کے ساتھ معاملہ اس کی حیثیت اور قابلیت کے مطابق کرتے ہیں حجاج کو عموماً ان کی ذات سے راحت پہنچتی رہی اور چونکہ خود بھی صاحب علم ہیں ادا، مناسک میں حتی الوسع احکامِ شرعیہ کا لحاظ رکھتے ہیں. عام مطوفوں کی طرح ان کے معاملات پیچیدہ نہیں. سیّد صاحب موصوف میں مروّت بہت زیادہ ہے. شریف سابق یعنی شریف علی کے زمانہ میں ان کو نہایت وسعت اور دولت حاصل تھی زمانہ کے انقلاب نے ان پر اس زمانہ میں بہت زیادہ گرانباری کر دی ہے جس کی وجہ سے مقروض رہتے ہیں اور اسی وجہ سے سال گزشتہ میں مجبور ہو کر ہندوستان آئے تھے اس میں شک نہیں کہ سید صاحب ممدوح نے مولانا اور ان کے رفقائے کے ساتھ نہایت آدمیت اور شرافت کا معاملہ رکھا. ہم جملہ متوسلین مولانا مرحوم کے ان کے خاص طور سے شکر گزار ہیں.

سید صاحب موصوف نے سفر حج کا حسب عادت انتظام کیا اور آٹھویں کو قافلہ روانہ ہو کر شب کو منیٰ میں اور صبح کو عرفات میں پہنچا اور پھر تمام مناسک بفضلہ تعالےٰ نہایت کمال کے ساتھ ادا کیے گئے.

جناب مولانا خلیل احمد صاحب کا سفر : اسی سال جناب مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی سفر حجاز کا قصد فرمایا تھا اور مولانا موصوف کا ضرور یہ خیال تھا کہ اگر ممکن ہوا تو ایک مدت دراز تک سرزمین حجاز خصوصاً طیبہ مبارکہ سے استفادہ حاصل کریں اور اشغالِ باطنیہ اور فیوضات ظاہریہ سے خلق اللہ کی ہدایت میں حسب استطاعت دلچسپی لیں لیکن چونکہ یہ خیال مولانا صاحب کا مدّت سے پختہ ہو کر تعین تاریخ وغیرہ تک

Marfat.com

کرا چکا تھا اور اس وقت تک مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا قصد مصمّم نہ کیا تھا اس لیے سفر میں رفاقت نہ ہو سکی بلکہ مولانا خلیل احمد صاحب کچھ عرصہ پہلے ہندوستان سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے ان کے ساتھ کوئی مجمع کثیر بھی نہ تھا فقط ان کی اہلیہ صاحبہ اور حاجی مقبول احمد صاحب اور بعض حضرات دیگر ہمراہ تھے، چونکہ مطوف مولانا موصوف کا سید مرتضیٰ تھا اس لیے حج میں بھی دونوں حضرات کی رفاقت نہ ہو سکی کیونکہ ہر اک کے شتربان مغائر تھے اور وہ سب علیحدہ علیحدہ رہتے تھے، مدینہ منورہ کے سفر میں بھی اگرچہ قافلہ ایک ہی تھا مگر اتحادِ کلّی نہ ہو سکا شتربان دور دور رہتے تھے۔

مکہ معظمہ سے روانگی مدینہ منوّرہ: تیرھویں تاریخ کی شام کو حسب عادت منیٰ سے واپس ہوئے، اب مدینہ منوّرہ کی روانگی کی فکریں شروع ہوئیں انھی ایام میں حاجی خاں محمد مرحوم نے ملک عدم کا قصد فرما دیا، اونٹوں کے کرایہ، شغادف کی درستگی، سامان سفر کی فراہمی، تبرید وغیرہ میں سات آٹھ دن لگ گئے۔ الحاصل ۲۱ر ذی الحجہ بروز دوشنبہ ۱۳۳۳ھ کو قافلہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا، سیّد امین عاصم صاحب نے اپنے شتربانوں کے سردار کو مولانا مرحوم اور ان کے رفقاء کے لیے منتخب کیا اور اس کو مولانا کی راحت رسانی کی بہت زیادہ تاکید فرمائی۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے تمام راستہ میں بہت ہی زیادہ آدمیت اور شرافت سے کام لیا، نماز ہمیشہ مولانا مرحوم اور ان کی جماعت اُتر کر باجماعت ادا فرماتے تھے۔ یہ شتربان یا تو اس وقت تک اونٹوں کو روکے رکھتا تھا یا قافلہ چلنے دیتا اور خود مع دو ایک آدمی کے بندوق لیے ہوئے حفاظت کرتا تھا یہاں تک کہ نماز سے فراغت ہو جاتی اور پھر سب اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو جاتے۔

راستہ کا انتظام: موجودہ رفقاء میں سے مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب تو مکہ معظمہ ہی سے ہندوستان واپس ہو گئے تھے۔ کیونکہ ان کی ملازمت سرکاری تھی اور رخصت

Marfat.com

اس قدر نہ تھی کہ وہ مدینہ منورہ سے لوٹ کر موقع ملازمت پر وقت سے پہلے پہنچ سکیں اور شاید خرچ میں بھی کچھ کمی تھی باقی ماندہ حضرات سب ساتھ تھے۔ مولانا مرحوم نے حسن انتظام کے لیے ابتدا ہی سے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو امیر قافلہ بنا دیا تھا کیونکہ مولوی صاحب موصوف کو انتظام سے خاص دلچسپی ہے اور منجملہ دیگر کمالات کے اس میں بھی ان کو خاص کمال ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے ہر قسم کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تھا اور جملہ خدمات نوبت بنوبت انجام پاتی تھیں چونکہ تمام رفقاء اہلِ علم اور ایک مذاق کے تھے اس لیے نہایت خوش اسلوبی سے یہ سفر فرحت و سرور کے ساتھ طے ہوا

مولانا پر ایک اتہام اور اس کی غیر معقولیت اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر کی قلعی بھی کھول دی جائے جس کو دشمنوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچایا تھا اور جس سے سوال ہم سبھوں سے بارہا کیا گیا، گورنمنٹ کے کانوں تک یہ خبر پہنچائی گئی کہ مولانا مرحوم نے مدتِ قیام مکہ معظمہ میں غالب پاشا گورنر حجاز سے ملاقات کی اور ایک تحریر اہل ہند کے ورغلانے اور ترکوں کے ہر طرح ممد و معاون ہونے وغیرہ کے لیے حاصل کی جس کو مولوی محمد میاں صاحب مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ لائے تھے اور ہندوستان میں اس کو لوگوں نے دیکھا میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی غیر واقعی افواہوں پر گورنمنٹ کیونکر کان دھرتی ہے اور ہر کس و ناکس کے غیر معقول بیان پر اعتبار کر لیتی ہے

مولانا کا ملنا غالب پاشا سے یا تو قبل از حج ممکن تھا یا بعد از حج مگر چونکہ تمام عالم کو معلوم ہے کہ غالب پاشا طائف میں رہتا تھا خصوصاً ایام گرما میں اس لیے اس سے ملاقات قبل از حج مکہ میں ممکن ہی نہ تھی۔ غالب پاشا اس سال بھی طائف سے سیدھے روانہ ہو کر عرفات میں آکر شریک حج ہوا تھا مولانا مرحوم بھی حج سے پہلے مکہ معظمہ

Marfat.com

سے باہر کہیں تشریف نہیں لے گئے، البتہ حج کے بعد وہ مکہ معظمہ آیا مگر چونکہ محمل شامی آیا ہوا تھا اور اس کے مہتمم وزیر جنگ انور پاشا کے والد ماجد تھے اس لیے گورنر موصوف کو اپنے رسمی کاروبار سے اتنی بھی مہلت نہ تھی کہ کسی سے بات تک کر سکتے، تمام محمل کے انتظامات، خزانہ کی افکار، انور پاشا کے والد ماجد کی تکریمات، حج کے انتظامات، شہر کی کارروائیاں، دور دراز سے آنے والے ترکی افسروں سے ملاقات وغیرہ وغیرہ اس قدر کاروبار تھے جن کی بنا پہ اس کو اتنی مہلت کہاں تھی کہ مولانا سے ابتدائی ملاقات اور ربط وضبط کی نوبت آئے اور پھر وہ روابط اس درجہ کے قابل اعتماد ہو جائیں کہ شاہی عہدنامے اور وثائق کے تنظیم وتسطیر کی نوبت آئے۔ ایسے معاملات میں تو مہینے گزر جاتے ہیں، ادھر مولانا کو افکار سفر مدینہ منورہ اور اس کے انتظامات مختلف طبقات کے ہندوستانی حجاج کی ہر وقت آمد و رفت جن کا ہجوم ہمیشہ مولانا کے پاس لگا رہتا تھا۔ شوقِ ادائے عبادات در حرم محترم جو کہ مدتہائے دراز کے بعد نصیب ہوا تھا کہاں ایسی باتوں کی مہلت لینے دیتے تھے پھر اس پر طرّہ یہ کہ غالب پاشا محمل کے روانہ ہوتے ہی طائف کو لوٹ گیا نہ وہ ترکی زبان کے سوا اردو وغیرہ جانتا تھا (عربی میں دو چار ضروری الفاظ کے علاوہ گفت وشنید سے بھی واقف نہ تھا) نہ مولانا کو ترکی زبان سے واقفیت مولانا کے وہاں کوئی وسیلہ بھی ایسا نہ تھا جس کی وجہ سے ایسے بڑے حکام کے یہاں تک کی رسائی ہوتی اور نہ ہی مولانا کو مدت العمر حکام اور اہلِ دنیا سے قلبی میلان تھا پھر باوجود ان امور کے نہ معلوم گورنمنٹ نے کہاں سے اس غالب پاشا کے وثیقہ کے خواب پریشان دیکھے اور ان پر یقین کر لیا، اسی طرح گورنمنٹ کو لوگوں نے جو کہ حقیقۃً گورنمنٹ کے دوست نما دشمن ہیں بہت سے غلط سلط دھوکے دیے ہیں جن کی غلطی واقعات

نے آفتاب کی طرح روشن کر دی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا کو اسلام کی ہمدردی اور دینی حمیّت بہت زیادہ تھی اور بایں ہمہ اپنے ملک اور قوم کی آزادی کا نہایت زیادہ خیال تھا اس میں وہ ہمیشہ پیچاں رہا کرتے تھے طرح طرح کی تدبیریں اور کارروائیاں بھی عمل میں لاتے رہتے تھے مگر گفتگو اس میں ہے کہ مولانا ان مقاصد کے لیے کسی خارجی حکومت سے مدد لینا اور اس سے گورنمنٹ کو ضرر پہنچانا چاہتے ہوئے کوئی ایسی عملی کارروائی کر رہے تھے یا نہیں۔ دشمنوں نے تو گورنمنٹ کو اسی کا ہوا دکھا کر مولانا سے بدظن بنا دیا تھا، گورنمنٹ اندرون ملک آزادی کی کوشش اور قانونی حدود میں ہمدردیٔ اسلام کے اعمال کو جبکہ وہ امن و سکون سے ہوں نہیں روکتی اور نہ بُرا سمجھتی ہے وہ آزادی کے پروپیگنڈے کو ہندوستانی قابلیت کا معیار خیال کرتی ہوئی مدتوں سے اسی کی خواہش مند ہے اس کے ذمہ دار وزراء اور پادشاہوں کے صاف الفاظ میں وعدے اور عہود ہیں اور جملہ عقلاء انگلستان اس کے گویا ہیں کہ ہم ہندوستان کو بوقت قابلیت و استعداد پوری آزادی دیں گے چونکہ فطرت نے قابلیت کا معیار طلب صادق رکھ دیا ہے اس لیے جب ہندوستان میں قابلیت پیدا ہو گی تو طلب صادق ضرور بالضرور ہو گی اور جب طلب صادق ظہور پذیر ہو گی۔ جب ہی قابلیت کا علم ہو گا۔ معدہ میں جب ہضم غذا کی استعداد پیدا ہوتی ہے جب ہی بھوک معلوم ہوتی ہے اسی وجہ سے ظہور بھوک سے حکیم حاذق معدہ کی قابلیت کو پہچانتا ہے۔ نوجوان مرد اور عورت میں جبکہ قابلیت تولید ہوتی ہے اس وقت ایک کو دوسرے کی طلب ہوتی ہے۔ فطرت کے قوانین پر اگر جا بجا دیکھا جائے تو اس کی سینکڑوں نظیریں مل سکیں گی۔

Marfat.com

غرضیکہ جو اسباب و وجوہ طلب صادق کی عوام و خواص میں ہونی چاہئیں ان کے لیے کوشش کرنا گورنمنٹ کے مقصد میں مدد دینا ہے اسی لیے گورنمنٹ کے نزدیک یہ امر نہایت محبوب اور پسندیدہ ہے وہاں دول خارجیہ کے تعلقات کو البتہ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا جس کی بہت سی افترا پردازیاں دشمنوں نے کیں مگر الحمد للہ کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکی اور نہ ان میں واقعیت کی جھلک تھی۔

لوگوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ بھی پہنچایا کہ مولانا نے انور پاشا اور جمال پاشا سے تحریری وثائق اور عہود حاصل کر کے مولوی ہادی حسن صاحب کے ذریعہ سے فلاں صندوق میں جس میں فلاں فلاں کپڑے رکھے ہوئے ہیں بھیجے ہیں اس خبر پر فوراً دوڑ اور گارد مولوی ہادی حسن صاحب کے مکان پر ان کی غلیبت میں پہنچی اور مکان کی تلاشی لے کر صندوق کو دیکھا اور پھر ہر ہر تختہ کو توڑا مگر کچھ بھی نہ نکلا اور نکلتا کیسے جبکہ کوئی شے ہو ہی نہیں تو کہاں سے نکلے مگر دشمنوں نے گورنمنٹ کو دھوکا دینے میں کوئی فروگذاشت نہ کی ایسے اعمال سے غالباً اتنا تو نفع ضرور ہو گیا کہ گورنمنٹ کو بھی کچھ پتہ چل گیا کہ اکثر باتیں لوگوں کی مولانا کے حق میں خلاف واقع ہیں بلکہ شخصی اغراض پر ان کا دارومدار ہے۔

مولانا کا مدینہ منورہ میں داخلہ

اہل مدینہ منورہ جو کہ بذریعہ سانڈنیوں کے حج کو ہمیشہ جایا کرتے ہیں اور سب سے پہلے واپس آجاتے ہیں وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ میں مل چکے تھے ادھر خطوط سے مولانا کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا اس لیے ماہ محرم الحرام کی ابتدائی ان تاریخوں میں جن میں قافلہ کی آمد آمد تھی ایک بڑی جماعت اہل علم و فضل کی مدینہ منورہ سے باہر مولانا کے استقبال کو بیرعروہ تک جو کہ شہر پناہ کے دروازہ باب الجزیہ سے تقریباً دو ڈھائی میل ہے نکلا

کرتی تھی اور دن بھر وہاں قیام کرتی کھانا اور چاء وغیرہ کا انتظام کرکے وہاں انتظار کرتی اور بالآخر جب مولانا کو نہ پاتی شام کو لوٹ آتی. چار اور پانچ محرم کو ایسا ہی واقعہ ہوا، چونکہ قاعدہ ہے کہ قافلہ مکہ معظمہ سے نکلتا تو ایک ہی دن ہے مگر راستہ میں چند منزلوں کے بعد متفرق ہو جاتا ہے جس کے اسباب مختلف ہیں. اول تو یہ کہ اگر پورا قافلہ ایک جگہ ٹھیرے تو بسا اوقات کنویں کا پانی سب کو کافی نہیں ہوتا. دوسرے یہ کہ اکثر شتربان مدینہ منورہ کے اطراف و جوانب کے قبائل میں سے ہوتے ہیں وہ اپنے مکانوں پر جانے کی غرض سے اپنے گاؤں کی طرف سے گذرتے اور قریب کے راستہ کو اختیار کرتے ہوئے ایک دو دن وہاں ٹھیرتے ہیں. تیسرے یہ کہ بعض مختصر راستے ہیں وہ ان کو مرغوب ہوتے ہیں۔

الحاصل مکہ معظمہ کا قافلہ مولانا کی تشریف آوری سے دو تین دن پہلے سے داخل ہو رہا تھا بالآخر ۶ محرم بروز دوشنبہ صبح کو ۹ یا ۱۰ بجے مولانا بیر عروہ پر پہنچے، استقبالیہ جماعت موجود تھی لوگوں کو خبر ہوئی جوق جوق جماعتِ اہلِ علم اور فضل کی نکلی اور مولانا مرحوم و مولانا خلیل احمد صاحب کی قدم بوسی سے مستفیض ہوئی ہر دو حضرات مع جملہ رفقاء راقم الحروف کے مکان پر فروکش ہوئے اہل شہر، ائمہ وخطباء رؤساء وغیرہ وغیرہ میں دھوم مچ گئی کہ ہندوستان کے آفتاب نے بارگاہ نبوت کی خاک روبی کا قصد کرکے عتبہ عالیہ پر جبّہ سائی کی ہے چنانچہ تمام دن لوگ قدم بوسی کے لیے آتے رہے اور شہ نشیں میں جو کہ اسی واسطے مزّین کی گئی تھی مشرف ہوتے رہے. تقریباً تین چار دن تک ہجوم زوّار و مسافرین سے نہایت ہی زیادہ چہل پہل رہی۔

مولانا کے رفقاء کا سفر

بالآخر مولانا کے رفقاء کے سفر کا وقت آگیا، مولانا ہر ایک کی وطنی ضرورتوں اور ملازمت اور قرابت کے علائق سے بخوبی واقف تھے سبھوں کو حکم دیا کہ اب تم لوگ حج و زیارت سے

Marfat.com

فارغ ہو چکے ہو، وطن کو واپس چلے جاؤ میں یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں چنانچہ جملہ رفقاء بجز مولانا عزیز گل صاحب، مولوی ہادی حسن صاحب و وحید احمد سب روانہ ہو گئے جن میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب و مولوی محمد میاں صاحب حاجی عبدالکریم صاحب، حاجی محبوب خاں صاحب مولوی محمد سہول صاحب وغیرہ حضرات تھے، ادھر مولانا خلیل احمد صاحب کے رفقاء بھی روانہ ہو گئے، فقط مولانا صاحب مع اہلیہ و حاجی مقبول احمد صاحب باقی رہ گئے اس زمانہ میں طلبہ و مدرسین مدینہ منورہ نے ہر دو حضرات سے اصرار کیا کہ ہمارے استفادہ کے لیے بعض کتابیں شروع کرا دیجئے۔ علاوہ اس کے بہت سے علماء اور طلبائ نے حسب قاعدہ اسلاف اوائل کتب حدیث سنا کر اجازت بھی لی خلاصہ یہ کہ مولانا نے بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث لوگوں کے اصرار پر شروع کرا دی۔ تقریر عربی میں فرماتے تھے۔ طلبہ اور مستفیدین کا جو کہ اکثر وہاں کے مدرس اور معتبر عالم تھے اس قدر مجمع ہوتا تھا کہ مکان میں جگہ بمشکل ملتی تھی۔ مولانا نے حلقۂ درس حرم محترم میں اپنی کسر نفسی کی وجہ سے مناسب نہ سمجھا بلکہ مکان ہی پر پڑھاتے تھے۔ دوسری بعض کتابوں کا درس مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی اسی مزید اصرار کی بنا پر شروع کرا دیا۔

ٹرکی پولس کے توہمات

چونکہ زمانہ جنگ کا تھا اس لیے گورنمنٹ اپنے یہاں جواسیس کی فکریں زیادہ رکھتی تھیں ترکی پولس کو بھی اس کا خیال تھا جو لوگ زائرین کی واپسی کے بعد مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے ان کی خفیہ طور پر اس نے نگرانی شروع کر دی اور جن لوگوں پر کسی قسم کا شبہہ ظاہر ہوا ان سے معمولی طور پر اظہار و تفتیش کی نوبت آئی اور پھر مشتبہ لوگ نظر بند ہو کر سوریا (شام) کو روانہ کر دیے گئے اور وہاں سے بعد از تفتیش الیشیاء کوچک وغیرہ میں تا اختتام جنگ نظر بند ہو گئے۔ رضائیہ فرقہ کے لوگ جن کو سوائے فساد اور نفسانی خواہشات کے دنیا

میں کوئی مقصد نہیں نہ ان کو اسلامی ہمدردی ہے نہ حقانیت کی تلاش نہ ان کو خوفِ آخرت ہے نہ پاس ملامت اہل بصیرت پر ان کے نمایاں کارنامے اس وقت بھی ظاہر و باہر ہیں انہوں نے اپنے پرانے حقد اور عداوت کا موقع پایا اور پولس کمشنر فخری آفندی جلبی تک رسائی پیدا کر کے اس کے کانوں کو بھرا کہ یہ دونوں حضرات انگریزوں کے خفیہ اور سی آئی ڈی ہیں اور اسی وجہ سے یہاں مقیم ہوئے ہیں، ورنہ ایسے پُرآشوب زمانہ میں ان کے یہاں آنے اور قیام کرنے کے کیا معنی؟ غرضکہ اس قسم کی بہت سی باتیں خلاف واقع اس کو پہنچا کر بدظن کر دیا اور پھر موقع پا کر عقائد کے متعلق (جو پرانا رویہ اس طائفہ کا ہے) بھی نیش زنی کر کے اس کو اور بھی برانگیختہ کیا اس لیے خوش اسلوبی سے اس کے تصفیہ خیالات کی کوشش کی گئی اور اس میں ابتداء میں کامیابی بھی ایک درجہ تک ہو گئی تھی مگر شدنی بات ہو کر رہتی ہے اور جدہ سے مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے اردو کے طویل طویل خطوط خلاف قانون[1] بلاواسطہ پوسٹ آفس آئے اور وہ بالا بالا پولس کے ہاتھ لگ گئے ادھر محض حسن ظن پر دو غیر معلوم شخصوں کے لیے بعض اکابر کا سعی فرمانا اور ان کی برأت کی کوشش کرنی جن کی نسبت پولس نے اپنے خیالات جما لیے تھے پھر بعض بدعنوانیوں کے ظہور نے پولس کمشنر اور اس کے ہواخواہوں کے خیالات میں سخت تغیرات پیدا کر دیے جن کے بناء پر اس نے گورنر مدینہ منورہ بصری پاشا کو بھی دونوں حضرات سے بدظن کر دیا خود پولیس کمشنر بھی ایک بدطینیت شخص تھا اس کو بھی رضائیوں کے سمجھانے بجھانے کی وجہ سے کچھ ہٹ ہو گئی اس نے دونوں حضرات سے کچہری میں بلا کر کچھ کچھ اظہارات لیے اور کاغذات مرتب کر کے شام (دمشق) جہاں پر کمیٹی تحقیقات تھی بھیجے اس زمانہ میں شام میں قوانین مارشل لاء

---

[1] کیونکہ اس وقت میں سوائے عربی اور ترکی زبان کے دوسری زبانوں میں خط بھیجنا قانوناً منع کر دیا گیا تھا اور اسی طرح بغیر واسطہ ڈاک خانہ دوسری زبانوں میں منع تھا ۱۲

جاری تھے جس کی بنا پر ہمیشہ یہ خیال تھا کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ مدینہ منورہ کے عموماً عہدہ دار اور بڑے بڑے روسا اور علما اور خطبا و ائمہ وغیرہ اگر حضرت کے جاں نثار اور معتقد نہ ہوتے تو وہ کمبخت ضرور درازی کر بیٹھتا مگر اس خوف نے اس کو مجبور کیا کہ اوپر سے حکم منگائے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس درمیان میں شام کی طرف سفر کرنا چاہا اور اجازت چاہی جس کی وجہ بیت المقدس جیسے مبارک مقام اور انبیاء و صلحاء شام کے مزاروں کی زیارت کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی مگر اس نے اس کو بھی وجہ اشتباہ قرار دیا۔ اکابر مدینہ منورہ مثل مفتی احناف وغیرہ اس کی اس سبک حرکتی اور شرارت سے سخت بیزار تھے مگر بوجہ زمانۂ جنگ و اجراء قوانین مارشل لاء دم نہیں مار سکتے تھے اور یہی خاص وجہ رضائیوں کے سر اٹھانے کی واقع ہوئی ورنہ ان کے تو پہلے مچلکے عرصہ دراز سے ہو چکے تھے انہی احوال میں یکبار گی خبر آئی کہ وزیر جنگ جناب دولتلو انور پاشا حضرتاری اور جناب دولتلو جمال پاشا حضرتلی وزیر بحریہ و قوماندان فیلق رابع مع دیگر جرنیلوں وغیرہ کے مدینہ منورہ تشریف لا رہے ہیں۔ حکومت کے جملہ ارکان انتظام اور استقبال کی طرف متوجہ ہو گئے یہ موقع نہایت مناسب معلوم ہوا کہ اس وقت میں پولیس کی شرارتیں کھولی جائیں جس سے فقط اپنا تحفظ مقصود تھا، کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا مطلوب نہ تھا، جو جماعت انور پاشا کے ساتھ آئی تھی اس میں دمشق کے نقیب الاشراف بھی تھے جو کہ وہاں کے سادات کے رئیس اور ٹرکی حکومت کے بہت بڑے معتمد تھے اور چونکہ پہلے بھی یہ ماہِ ربیع الاول میں بمعیت علماء شام و سوریہ مدینہ منورہ میں آ چکے تھے اور بواسطہ آفندی اسعد صاحب خالدی ان سے ملاقات دونوں حضرات کی ہو چکی تھی اور ان کو دونوں حضرات سے بہت زیادہ خوش عقیدگی اور محبت پیدا ہو گئی تھی ان کو اس وقت میں پولیس کی بعض شرارتوں کی بھی اطلاع مل چکی تھی۔ اس لیے انہوں نے اس سفر میں جناب جرنیل جمال پاشا

Marfat.com

سے مولانا کے تعارف کی کوشش کی ادھر مفتی احناف جناب مامون آفندی بری شیخ علماء مدینہ منورہ نے بھی اس طرف خاص توجہ دی

انور پاشا اور جمال پاشا وغیرہ کا مدینہ منورہ میں آنا

چونکہ امور جنگ کا انتظام سب انور پاشا کے ہاتھ میں تھا اور نیز محاذ جنوبی اور غربی یعنی میدانِ سویز، سینا، حجاز، یہ جمال پاشا کے متعلق اور ان کی کمانداری میں تھا اس لیے جمال پاشا تو فقط اپنے محاذ پر مقیم تھے اور بضرورت دوسری جانب کو بھی کبھی جاتے تھے مگر پھر وہیں لوٹ آتے اور فوجی کمانداری کرتے مگر انور پاشا مرکز کی محافظت کرتے ہوئے ہر میدان میں جو کہ تقریباً گیارہ یا بارہ تھے جب وہ سوریہ میں آئے اور سویز وغیرہ کے میدانوں کے دیکھنے سے فارغ ہوئے تو قصد کیا کہ بادشاہ دوجہاں وسیلۂ دنیا و آخرت حضرت رسول اعظم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے مشرف ہو جائیں اس لیے بمعیت جماعت عظیم روانہ ہوئے ایک خاص اسپیشل میں روانگی کی خبر آئی اور اگلے دن بروز جمعہ تقریباً دس بجے دن کے اسپیشل مدینہ منورہ پہنچی چونکہ یہ ایک پہلا موقع تھا کہ ایسے دو بڑے بڑے وزیر معہ بہت سے جرنیلوں اور افسروں کے آتے ہوں اس لیے بہت بڑا ہجوم اسٹیشن پر تھا اور ہر طائفہ نہایت انتظام سے استقبال اور سلامی کے لیے ہاں موجود تھا، حکومت کا جو کچھ انتظام تھا وہ تو تھا ہی مگر اہل شہر نے جو جو انتظامات اپنی عقیدت و اخلاص و محبت کے لیے کیے تھے وہ بھی نہایت دلچسپ تھے جس وقت گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو حدود اسٹیشن اندر اور باہر لوگوں سے بھرا ہوا تھا ہر ایک کی آنکھیں انور پاشا کے دیکھنے کو اُٹھیں مگر ایسے ہجوم میں دیکھنا کوئی آسان بات نہ تھی، انور پاشا نے مدینہ منورہ کا سفر کرتے وقت اپنے افسری کے کپڑے اور نشانات وغیرہ فقط اس خیال سے کہ بادشاہ دوجہاں کی بارگاہ میں حاضری ہے غلام بن کر جانا چاہیے اتار دیے

تھے نہایت سادہ اور اس لباس میں تھے جس میں ایک معمولی سپاہی رہتا ہے البتہ جمال پاشا کے لباس پر بعض نشانات و علامات افسری نمایاں تھے ٹرین سے جس وقت دونوں وزیر معہ ہمراہیوں کے اُترے تو اسٹیشن کی بڑی ہال میں میونسپلٹی (بلدیہ) کی طرف سے چاہ کی دعوت پیش کی گئی اور ایڈریس بھی اہل شہر کی طرف سے پیش کیا گیا جس پر اظہار شکریہ و مسرت طرف ثانی سے عمل میں آیا، چونکہ جمعہ کا دن تھا اس لیے مسجد نبوی میں پہنچنے کی کی تعجیل کی گئی، اسٹیشن کے دروازہ پر فٹن وغیرہ سواریاں موجود تھیں، گورنر مدینہ منورہ اور دیگر حکام نے سواری کرنے کے لیے آرزو ظاہر کی مگر انور پاشا نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم پیدل بارگاہ نبوت تک غلامانہ طریق سے چلیں گے اہل شہر نے عجب طرح جلوس نکالا جو کہ قابلِ دید تھا، جتنے اہل تصوّف کے مختلف حلقے مدینہ منورہ میں تھے سب کے سب علیحدہ علیحدہ مع اپنے مریدوں کے زرین جھنڈوں کے آگے آگے ذکر کرتے ہوئے اشعار مدحیہ اور دعائیہ پڑھتے ہوئے جاتے تھے جن کی بڑی بڑی جماعتیں تقریباً آٹھ دس ہوں گی اس کے بعد حرم محترم نبوی کے مختلف خدام کی جماعتیں تھیں، مؤذنوں کی جماعت جو کہ تقریباً ڈیڑھ سو یا زیادہ آدمی تھے علیحدہ تھی۔ حرم کے جاروب کشوں کی علیحدہ، اماموں کی علیحدہ، خطیبوں کی علیحدہ، حجرہ مطہرہ نبویہ کے خاص خدام خواجہ سراؤں کی علیحدہ یہ سب کے سب درجہ بدرجہ یکے بعد دیگرے حمد و صلوٰۃ دعا و ثناء پڑھتے ہوئے اپنے اپنے رسمی لباس پہنے ہوتے چل رہے تھے ان کے بعد دونوں وزیر برابر چل رہے تھے ان کے پیچھے ان کے رفقاء اور دیگر حکام تھے ان کے بعد اہل شہر، دائیں اور بائیں ترکی فوجیوں کی زنجیریں (قطاریں) تھیں جو کہ تمام ہتھیار اور سامان سے مکمل تھے اور دونوں طرف قطار باندھے ہوئے خراماں خراماں چل رہے تھے اور ان دونوں قطاروں کے باہر دائیں اور بائیں اور پیچھے اور

Marfat.com

مکانوں پر خلقت کا ہجوم تھا۔ جمال پاشا اور دیگر جرنیلوں وغیرہ کی نظریں کبھی کبھی دائیں اور بائیں بھی پڑ جاتی تھیں مگر انور پاشا کی آنکھ زمین سے لگی ہوئی تھی نہایت ادب اور احترام سے جا رہے تھے جیسے کہ ایک شہنشاہ والا تبار کے سامنے کھڑے ہوں اسی طرح یہ مجمع باب السلام تک پہنچا باب السلام سے جب دست بستہ حرم نبوی میں داخل ہوئے ہیں اور مزوّر نے دعاء دخول پڑھانی شروع کی ہے تو انور پاشا کی آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں بہا رہی تھیں اسی طرح گریہ کناں بادشاہ دوجہاں کے سامنے دونوں وزیر ایستادہ ہوئے اور حسب اوامر شریعت بہ تلقین جناب شیخ الحرم حضرت سعید پاشا صلواۃ و سلام کی رسم کو پورا کیا۔

شیخ الحرم

بادشاہان روم اور خلفاء ترک نے جب سے کہ حرمین کا انتظام ہاتھ میں لیا ہے ہمیشہ دونوں حرم محترم کا اپنے آپ کو خادم سمجھتے رہے ہیں اسی لفظ کو اپنے لیے باعث نجات تصوّر کرتے ہوئے خطبہ میں بھی داخل کیا گیا یہی نہیں کہ فقط زبانی جمع خرچ تھا دو روز کے بعد جاتا رہا یا عمل میں نہ لایا گیا بلکہ آخر دم تک یہ عمل جاری رہا اسی بنا پر ہزاروں پونڈ اہوار خالص خزینہ اور اوقاف سے دونوں مقدس مقاموں میں صرف ہوتا تھا، یہاں کے باشندے گورنمنٹ ترکی کو کسی قسم کا خراج یا عشر یا مالگذاری نہیں دیتے تھے البتہ کچھ فی اونٹ شتربانوں سے لیا جاتا تھا اور کچھ بندروں میں کسٹم تاجروں سے لیا جاتا تھا جو کہ فیصدی دس تک تھا اخیر میں کچھ زیادتی بھی ہو گئی تھی، مکانوں یا باغوں یا مزارع وغیرہ پر دونوں مقدس مقامات میں کچھ نہ تھا بلکہ لاکھ ہزاروں باشندے مختلف عنوانوں سے تنخواہ اور وظائف پاتے تھے جن سے مقصد اصلی اہل حرمین شریفین کی پرورش تھی، مجھ کو صحیح طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ قبل از جنگ حرمین شریفین کا خرچ

Marfat.com

گورنمنٹ ترکی پر تیس ہزار پونڈ ماہوار پڑتا تھا، فقط حرم محترم مدینہ کے ائمہ دو سو سے زائد تھے، موذنوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی، جھاڑو دینے والے ساٹھ سے زیادہ تھے خطبہ پڑھنے والے چھپن سے زیادہ تھے، خواجہ سرا یعنی آغادات خادمین روضۂ مطہرہ ساٹھ ستر آدمی تھے جن کی کم سے کم تنخواہ دو پونڈ ماہوار اور زیادہ سے زیادہ تیس پونڈ ماہوار تھی، یہ مقدار خاص طور سے مقرر تھی اس کے علاوہ اور بھی طریقے ان کو عطا کرنے کے بہت سے تھے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اکثر اہل مدینہ خصوصاً اور بعض اہل مکہ عموماً (دولت علیہ) گورنمنٹ کی پرورش سے جیتے تھے۔

شاہان روم نے روزانہ خدمتِ روضۂ اقدس کے لیے اور علی ہذا القیاس خدمت بیت اللہ کے لیے ایک ایک خاص شخص مقرر کر رکھا تھا جس کے ہاتھ میں ہر دو حرم کے کاروبار کا انتظام تو تھا ہی مگر اصلی وظیفہ یہ تھا کہ ہر روز خدمتِ جاروب کشی اور روشنی قندیل خادمانہ لباس پہن کر سلطان کی طرف سے اولاً یہ ادا کریں یہ شیخ الحرم استنبول کے بڑے خاندان کا اور بڑے رتبہ کا آدمی ہوتا تھا اس کی تنخواہ بھی بہت زیادہ ہوتی تھی، صبح کی نماز کے بعد اس پر لازم تھا کہ حجرہ شریف یعنی روضۂ مطہرہ کی جاروب کشی کے لیے ان کا معینہ لباس زیب بدن کرتا اور حجرہ شریفہ میں داخل ہو کر سلطان اور اپنی طرف سے صلوٰۃ و سلام عرض کر کے دعا کرتا اور پھر جاروب کشی کرتا اور اسی طرح شام کے وقت مغرب سے کچھ پہلے داخل ہوتا اور چند قندیلیں خدام کے ساتھ روشن کرتا اور یہ سب فعل اس کا سلطان کی قائمقامی میں شمار ہوتا تھا، اس زمانہ میں شیخ الحرم سعید آفندی تھے جو کہ با علم نہایت سمجھ دار اور پرہیز گار شخص تھے، مولانا سے بھی ان کو خاص تعلق تھا تصوف کی طرف ان کی طبیعت بہت مائل تھی۔

Marfat.com

روضۂ مسجد

انور پاشا زیارت کرنے کے بعد روضۂ شریف میں جا بیٹھے۔ مسجد شریف کا وہ حصّہ جو کہ منبر اور حجرہ مطہرہ کے درمیان میں واقع ہے اس کو روضہ یا ریاض الجنّہ کہتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنّۃ (میرے حجرے اور منبر کے درمیان میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) یہ مقام تمام مسجد شریف میں بہت زیادہ مقدس شمار کیا جاتا ہے اور احادیث اس کے فضائل میں بہت زیادہ ہیں کچھ عرصہ کے بعد جمعہ کی اذان ہوئی، خطبہ اور نماز کو حسبِ معمول ادا کیا گیا۔ پھر دونوں وزیر مع ہمراہیوں کے جاء استراحت پر تشریف لے گئے، بیرونِ باب المجیدی سید مدنی (دارالسرور) ان کے قیام کے لیے تیار کیا گیا تھا، میونسپلٹی کی طرف سے ہر قسم کا انتظام خورد و نوش وغیرہ کا تھا الغرض وہاں جاکر بعد از جمعہ کھانا کھایا اور استراحت فرمائی، عصر کے وقت نماز کے لیے حاضر ہوئے اور با جماعت نماز ادا کی شام کے وقت حجرۂ مطہرہ میں خادمانہ لباس پہن کر قندیل روشن کرنے کے لیے بھی داخل ہوئے پھر نماز مغرب کی با جماعت ادا کر کے قیام گاہ پر تشریف لے گئے چونکہ پولیس کو ہمارے دونوں حضرات کی طرف سے بدظنی تھی جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اس لیے جناب نقیب الاشراف صاحب موصوف نے چاہا کہ اگر ایسے میں حضرت مولانا سے جمال پاشا سے ملاقات ہو جاتی تو ہیں ایک اچھا موقعہ پولیس کے خطرہ کے دفع کرنے کا پاتا چنانچہ انہوں نے کہا کہ قیام گاہ پر بعد از مغرب دونوں حضرات تشریف لائیں میں ملاقات کراؤں گا، مگر بدقسمتی سے جب ہم سب پہنچے تو وہ ہوٹل میں داخل ہو چکے تھے اور چونکہ ہوٹل کے دروازہ پر نہایت سخت پہرہ تھا اس لیے ہم کو داخل ہونا ممکن نہ ہوا اور نہ کسی سے ملاقات ہو سکی۔

حکام مدینہ منورہ نے سخت پہرہ اس لیے بٹھا رکھا تھا کہ لوگ مخالف اخبار اُن دونوں وزرا تک نہ پہنچائیں جس کی وجہ سے ان کی پوزیشن میں نقصان واقع ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس اہل حاجت کے ہجوم کا بھی زیادہ خیال تھا۔

ہر دو حضرات کی انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات

مفتی مدینہ منورہ شیخ العلما یعنی مفتی ماموں بری حضرت شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی مرحوم ومغفور کے شاگرد تھے ان کو ہمارے اکابر سے خاص تعلق تھا وہ بھی اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان حضرات کی عزت پر کوئی دھبہ نہ آئے اور کسی قسم کی تکلیف ان بزرگوں کو پیش نہ آوے اگر زمانہ جنگ کا نہ ہوتا تو اس قدر فکر نہ تھا مگر زمانۂ جنگ کی وجہ سے حکم فوجی تھا اہل سیاست کا زور نہایت کمزوری پر تھا اس لیے زیادہ فکر تھی۔

شب کو انور پاشا نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ صبح کو اشراق کے بعد علماء شہر کا مسجد شریف میں اجتماع ہو اور سب اپنی اپنی تقریریں سنائیں چونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہر ایک کے حلقۂ درس میں جاکر تقریریں سنوں اس لیے اس ایک مجلس میں مشرف ہونا چاہتا ہوں علی الصباح مفتی صاحب نے کاتب الحروف سے کہا کہ بہت زیادہ مناسب ہے کہ دونوں حضرات اس مجلس میں تشریف لاویں تاکہ مجھ کو تعارف کرانے کا موقع ہاتھ آوے اور پھر میں مناسبت پاکر صفائی کرا دوں گا چنانچہ ہر دو حضرات تشریف لائے۔ صفِ اوّل میں مفتی صاحب موصوف بیچ میں بیٹھے اُن کے بائیں طرف حضرت مولانا مرحوم تھے ان کے بائیں مولانا خلیل احمد صاحب ان کے بائیں کاتب الحروف تھا اور اسی طرح دوسرے علما تھے۔ مفتی صاحب نے دائیں بھی بہت سے علما تھے۔ شیخ الحرم صاحب خاص طور سے منتظم تھے۔ انھوں نے ہر دو

Marfat.com

حضرات سے خواہش کی کہ اگر دونوں وزراء میں سے کوئی صاحب آپ سے تقریر کی خواہش کریں تو آپ انکار نہ فرمائیں جبکہ مجمع پورا ہو گیا اور دونوں وزراء تشریف لے آئے تو اوّلاً انہوں نے مفتی صاحب سے تقریر کی خواہش کی انہوں نے تھوڑی دیر تقریر فرمائی اس کے بعد انور پاشا نے مولانا مرحوم سے خواہش کی مگر مولانا مرحوم نے انکار فرمایا۔ پھر انہوں نے مولانا خلیل احمد صاحب سے درخواست کی مگر دونوں حضرات نے یہ عذر پیش کیا کہ ہماری آواز نہایت کمزور ہے ہم تقریر نہیں کر سکتے اس کے بعد کاتب الحروف کی طرف اشارہ ہوا میں نے حسب لیاقت ایک عرصہ تک عربی میں تقریر کی اس کے بعد دوسرے علمائے نے تقریریں کیں اختتام جلسہ پر مفتی صاحب اور شیخ الحرم نے اسی جلسہ میں مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب کا تعارف کرایا آپس میں مصافحہ ہوا اور مزاج پرسی کی نوبت آئی اس سے زیادہ نہ وہاں موقع تھا اور نہ وقت تھا مجمع بہت ہی زیادہ تھا ہر دو وزراء اسی وقت اٹھے اور اپنی قیام گاہ پر چلے گئے اور کھانا کھا کر ظہر کی نماز ادا کرنے ہوئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے، مگر اس تعارف کی وجہ سے مفتی صاحب اور دوسرے احباب کو موقع مل گیا کہ انہوں نے کھانا کھاتے وقت یا اور کسی وقت یہ عرض کر دیا کہ پولیس ایسے مقدس اشخاص کی نسبت ایذا رسانی کا قصد رکھتی ہے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چونکہ مسلمانوں کا مرکز ہے یہاں پر ہر ملک کے لوگ مذہبی حیثیت سے آتے رہتے ہیں ان پر یہ شبہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں، چنانچہ شام پہنچ کر جمال پاشا نے ایک خاص حکم بھیجا کہ حرمین شریفین میں دول متحاربہ کی رعایا کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو ہماری رعایا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس حکم کے آنے کے بعد پولیس کی تمام کارروائیاں بیکار ہو گئیں، اور اس کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے۔

ترکی گورنمنٹ کی دریا دلی

Marfat.com

انور پاشا نے اہل مدینہ اور خادمین حرم نبوی اور علماء وغیرہ کے لیے پانچ ہزار پونڈ دیے جو کہ تقسیم کیے گئے بڑے علماء کو پانچ پانچ پونڈ اور دوسروں کو حسب مرتبہ کم یا زیادہ جس کی تقسیم ایک جماعت کے ذریعہ سے تھی جس کے رئیس شیخ الحرم صاحب تھے۔ چنانچہ انھوں نے پانچ پانچ پونڈ ان دونوں بزرگوں کو اور پانچ پونڈ کاتب الحروف کو بھیجے۔ حضرت مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب نے ان کے لینے سے انکار کیا اور ظاہر کیا کہ ہم مستغنی ہیں ہم کو ضرورت نہیں مگر ادھر سے کہا گیا کہ یہ شاہی ہدیہ ہے صدقہ نہیں اس لیے دونوں حضرات نے قبول فرما کر پھر کاتب الحروف کو دے دیے جمال پاشا نے اہل حجاز کی حاجت دیکھ کر بارہ ریلوے گاڑیاں گیہوں سے بھری ہوئی مدینہ منورہ کے اہالی پر تقسیم کرنے کے لیے بھجوائیں مگر بد قسمتی سے اس کی تقسیم کا کام شریف حسین کے بیٹے کے سپرد کیا گیا جو کہ ان دنوں بڑے وفادار اور خیر خواہ بنے ہوتے تھے اس لیے اس میں اہل مدینہ کو بہت کم فائدہ ہوا۔ خود ان کے لوگوں اور فوج کو زیادہ فائدہ ہوا۔

انور پاشا نے پانچ ہزار گنی مکہ معظمہ بھی وہاں کے لوگوں کے لیے بھیجیں جن کو شریف صاحب کی تھیلیوں کی نذر ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا اسی طرح انور پاشا جہاں جاتے تھے وہاں کے ضعفاء فقراء مساکین پر تقسیم فرماتے تھے حالانکہ جنگ کا زمانہ تھا رعایا کو دینا تو درکنار ان سے لوٹ کھسوٹ کر چندہ کے نام سے قرض کے نام سے سینکڑوں طریقہ سے ہر جگہ ہندوستان میں وصول کیا جاتا تھا مگر ٹرکی گورنمنٹ فقرا کا پیٹ بھر رہی تھی۔

مولانا کی نسبت افواہ

یہی وہ ملاقات ہے جس کی نسبت اصحاب اغراض نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ خبر پہنچائی کہ مولانا تو جمال پاشا اور انور پاشا سے ملے اور دیر تک تخلیہ میں گفتگو کرتے رہے اور ان سے عہد نامے اور وثائق حاصل کیے مگر افسوس ہے کہ ایسی دروغ گوئی

Marfat.com

اور افترا پردازی پر کیونکر جرائت کی گئی، دونوں وزیروں کی مدینہ منورہ میں مدت اقامت کل ۲۴ گھنٹے کے قریب تھی جس میں ان کو ہزاروں کام درپیش تھے ان کے پاس ہزاروں آدمیوں کا اجتماع ہر وقت تھا ان کو بات کرنے کی فرصت نہ تھی شہر کے بڑے بڑے عمائد تو ان کے پاس پھٹک نہیں سکتے تھے، پردیسی اور وہ بھی مولانا مرحوم جیسے زاہد اہل دنیا سے نفرت کرنے والے کہاں وہاں تک پہنچ سکتے تھے اور پھر وثائق اور عہد ناموں کا لکھنا اور مقرر کرنا شروط کا لحاظ کرنا کیسے ہو سکتا تھا مگر جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ گورنمنٹ کو خود اس کا جھوٹ ہونا معلوم ہو گیا تھا کیونکہ گورنمنٹ کو لوگوں نے یہ بہکایا کہ مولانا مرحوم نے وہ کاغذات جو انور پاشا سے حاصل کیے ہیں ایک صندوق میں اس کے تختوں میں سوراخ کر کے رکھ دیے ہیں اور اسی صندوق میں اپنے خاص خاص کپڑے رکھ دیے ہیں جس کو مولوی ہادی حسن صاحب اپنے ہمراہ جدہ سے لاتے ہیں اور بمبئی سے اپنے اسباب کے ہمراہ مکان پر بھیج دیا ہے۔ بیچارے مولوی ہادی حسن صاحب اس وقت تک نینی تال ہی میں تھے کہ ان کے مکان پر دوڑ گئی اور اس صندوق کو توڑ کر تختہ تختہ پارچہ پارچہ کر دیا گیا مگر کچھ نہ نکلا اس لیے گورنمنٹ کو بھی غالباً یقین ہو گیا کہ مولانا کی نسبت اکثر خبریں غلط اور افواہ تھیں۔

مولانا کی مدینہ منورہ سے روانگی

اس واقعہ کے بعد یہی مناسب سمجھا گیا کہ اب مکہ معظمہ کو جو قافلہ جانے والا ہے اس کے ساتھ وہاں کا قصد کیا جائے ان دنوں مدینہ منورہ میں خبر پہنچی تھی کہ ایک آگ بوٹ ہندوستان سے مختلف سامان خصوصاً چاول لے کر نکلا ہے اور عنقریب جدہ پہنچنے والا ہے۔ چونکہ ان چند ماہ میں یعنی صفر سے جمادی الثانی تک کوئی آگ بوٹ غلہ کا ہندوستان سے جدہ نہ پہنچا تھا ادھر مصر کے آگ بوٹ بھی وہاں نہ آتے تھے۔

بحر احمر بالکل بند تھا۔ فقط اتحادیوں کے آگ بوٹ اس میں آتے جاتے تھے اس لیے عرب کے بندروں پر جملہ اشیاء تجارت کا آنا بند ہو گیا تھا، بادبانی کشتیاں پہلے پہل سفر کرتی اور افریقہ کے بندروں سے چیزیں خرید کر لاتی اور عرب کے بندروں پر پہنچاتی تھیں مگر انگریزی جہازوں نے ان کو بھی پکڑنا مال کا چھین لینا کشتیوں کا غرق کر دینا قید کر کے لے جانا وغیرہ مظالم اس قدر برسائے کہ ان کی بھی آمد و رفت بالکل بند ہو گئی اس لیے تمام حجاز میں سخت گرانی پھیل گئی لوگ بھوکوں مرنے لگے مدینہ منورہ میں چونکہ ریل کی وجہ سے شام سے قریب تھا اس لیے گیہوں آٹے وغیرہ کی تو یہاں گرانی نہ ہوئی مگر شکر چاء، چانول وغیرہ اشیاء یہاں بھی سخت گراں ہو گئی تھیں۔

اس قافلہ میں جانا اس لیے بھی ضروری معلوم ہوا کہ اب رمضان شریف کا زمانہ قریب ہے مکہ معظمہ میں رمضان کیا جائے تو بہتر ہوگا علاوہ ازیں مکہ معظمہ میں پولس کی اس قدر سختی بھی نہ تھی اور چونکہ مدینہ منورہ کا پولس کمشنر ایک قسم کی پرخاش رکھنے لگا تھا اس لیے اس سے دور ہی رہنا ضروری معلوم ہوا، پھر ہندوستان جانے کے لیے مکہ معظمہ سے قرب اور انتظام کا آسان ہونا بھی ظاہر تھا۔

خلاصہ یہ کہ ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ کی بارھویں یا تیرھویں کو قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولوی عزیر گل صاحب وحید احمد، کاتب الحروف حسین احمد اور منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی تھے نیز جناب مولانا خلیل احمد صاحب معہ اپنی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب بقصد مکہ معظمہ ساتھ ہی روانہ ہوئے تھے مولوی ہادی حسن صاحب اس سے تقریباً دو ماہ پہلے مع حاجی شاہ بخش صاحب ساکن حیدرآباد سندھ روانہ ہو کر جدہ آ چکے تھے، مگر اتفاق سے ان کو کوئی آگ بوٹ ہندوستان جانے والا ملا نہ تھا اس لیے دونوں صاحب

Marfat.com

مکہ معظمہ ہی میں آ گئے تھے بایں خیال کہ جب آگ لوٹ آجائے گا اس وقت روانہ ہوں گے۔ کیونکہ جدہ کی خبریں مکہ معظمہ میں برابر پہنچتی رہتی تھیں۔

قافلہ مذکورہ جدہ ہوتا ہوا مکہ معظمہ آیا اخیر جمادی الثانیہ میں پہنچا اور قریب باب العمرہ کے ایک مکان کرایہ پر لے کر قیام کیا گیا مولانا خلیل احمد صاحب مع متعلقین باب ابراہیم کے پاس قاری عبدالحق صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں گرمی بہت تھی۔ ادھر طائف کا موسم تو بوجہ سردی خوب مناسب تھا ہی وہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کے مزارات بھی ہیں جن کی زیارت کی غرض سے اکثر لوگ وہاں جایا کرتے ہیں اہل مکہ عموماً گرمیوں میں مکہ معظمہ میں نہیں رہ سکتے طائف ہی میں چلے جاتے ہیں۔ مولانا نے بھی قصد فرمایا کہ طائف چلے جائیں اور کچھ دنوں ٹھہر کر نصف شعبان سے پہلے مکہ معظمہ واپس چلے آئیں گے۔ چنانچہ بمعیت سید ابن عاصم صاحب آمد و رفت کا شتر کرایہ کر کے ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ کو روانہ ہو کر ۲۳ یا ۲۴ رجب کو طائف پہنچے شہر پناہ کے باہر ایک باغ میں فروکش ہوئے جس کا انتظام سید صاحب نے پہلے سے کر رکھا تھا۔ باغ کے بالائی حصہ مکان میں سید ابن عاصم صاحب مع اپنے متعلقین تھے اور نیچے کے ایک حصہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ تھے اس سفر میں مولانا کے ہمراہ فقط تین آدمی تھے۔ مولوی عزیز گل صاحب وحید احمد اور کاتب الحروف حسین احمد

طائف

طائف حقیقۃً ایک چھوٹا قصبہ ہے مگر اس کا اطلاق بہت بڑے حصہ پر کیا جاتا ہے جس میں بہت سے قصبات اور دیہات شامل ہیں یہ قطعۂ زمین کا بہت اونچائی پر واقع ہے اونٹوں کے راستہ میں تین دن میں یہاں پہنچتے ہیں کیونکہ

Marfat.com

چکر زیادہ ہے اور چڑھائی بآسانی طے ہوتی ہے اور جبل کرہ کے راستہ سے جس میں خچر گدھے گھوڑے چلتے ہیں ۲۴ گھنٹے بلکہ اس سے کم میں آدمی پہنچ جاتا ہے مگر راستہ دشوار گزار ضرور ہے آدھے راستہ ہی سے ہوا بالکل متغیر ہو جاتی ہے جبکہ مکہ معظمہ میں سخت گرمی کی وجہ سے شب کو بھی آرام نہ آتا تھا طائف میں پتلی رضائی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں کا موسم گرمیوں میں نہایت عمدہ رہتا ہے جا بجا باغات ہیں، ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے ہیں انگور، انجیر، برشومی (ناگ پھل) انار، آڑو، آلوچی وغیرہ وغیرہ جملہ سرد ملکوں کے میوے بکثرت اور عمدہ ہوتے ہیں زراعت اور سبزی ہر قسم کی پیدا ہوتی ہے جا بجا نہریں بھی ہیں کنویں میٹھے بکثرت ہیں، بارش بھی خوب ہوتی ہے۔ حجاز کے لیے طائف ہند کے لیے شملہ کے مانند ہے، ترکی گورنر اکثر گرمیوں کے زمانہ میں طائف میں رہا کرتا تھا اور بڑے درجہ کے حکام اور اہل عرب شریف وغیرہ بھی وہاں ہی چلے جاتے تھے

فتنۂ حجاز

جب ہم مکہ معظمہ میں پہنچے تو عجیب عجیب افواہیں مشہور تھیں عام بدوؤں اور اہل شہر کی زبانی سنا جاتا تھا کہ عنقریب بدعملی ہونے والی ہے۔ شریف حسین انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور بغاوت کرنے والا ہے مگر ترکی استقلال میں کوئی فرق نہ تھا۔ ترکی فوج تمام حجاز میں غالباً چار پانچ ہزار ہوگی کیونکہ اکثر فوج دوسرے مقامات جنگ پر چلی گئی تھی شریف نے باب عالی کو اطمینان دلا رکھا تھا کہ حجاز کا ذمہ دار میں ہوں یہاں زیادہ قوت رکھنے کی ضرورت نہیں جاؤ ضرورت جنگ پر اپنی قوت پہنچاؤ۔ یہ موجودہ فوج بھی جدہ، مکہ، طائف پر منقسم تھی ہم کو یہ بھی اس وقت کہا گیا کہ جلد طائف جانا اور لوٹ آنا چاہیے مبادا بدعملی ہو جائے مگر ہم کو یقین کامل نہ ہوا، اسی زمانہ میں یہ بھی

Marfat.com

خبر مشہور ہوتی تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے کوئی خط شریف کے نام آیا ہے کہ فلاں تاریخ تک یا تو تم ترکوں کو حجاز سے نکال دو ورنہ ہم شریف علی کو (جو کہ پہلے شریف حجاز تھا اور شریف حسین موجودہ کا بھنوتی ہے اور اس وقت مصر میں مقیم تھا) اس کو حجاز کا شریف بنا کر بھیجیں گے (نہ معلوم یہ خبر کہاں تک صحیح تھی) جدہ میں ہمیشہ جنگی آگ بوٹ آتے اور بندر میں تین تین چار چار اور کبھی کم زیادہ جمع ہو جاتے تھے اور ٹھہرتے رہ کر چلے جاتے تھے نہ وہ کچھ تعرض کرتے تھے نہ ترکی حکومت

ہم اس رسالہ میں ان واقعات کو دکھلانا نہیں چاہتے جو کہ اس فتنہ کے زمانہ میں ہوئے کیونکہ اس کے لیے ہمارا ارادہ ہے کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو مستقل رسالہ لکھیں گے اس مقام پر تو فقط حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا سفرنامہ لکھنا ہے۔ ہم کو طائف پہنچ کر کچھ طبیعت سیر ہونے کا موقعہ ملنے نہ پایا تھا کہ شتربان آیا اور کہا کہ اگر چلتے ہو تو شتر حاضر ہے ورنہ میں آٹھ دن کے بعد پھر آؤں گا، ملطوف صاحب اور ہم لوگوں کی رائے ہوتی کہ ایک ہفتہ یہاں اور قیام کر لیا جائے اس کے بعد مکہ معظمہ جانا چاہیے۔ اتفاق وقت سے اس وقت طائف میں میوے بہت کم تھے۔ شہتوت اور خوبانیوں وغیرہ کا ابتدائی موسم تھا البتہ شہد خوب آتا تھا۔ دو چار دن کے بعد مولانا مرحوم نے تقاضا فرمایا کہ مکہ معظمہ کو چلنا چاہیے مگر شتربان جا چکا تھا ایک دو دن کے بعد پھر زیادہ تقاضا فرمایا ہم نے جب دوسری سواریاں تلاش کیں تو معلوم ہوا کہ راستہ بند ہو گیا ہے ہم اس وقت اس راز کو نہ سمجھ سکے کہ کیوں اس قدر تقاضا کیا جا رہا ہے مگر دو ہی تین دن کے بعد معلوم ہو گیا کہ آئندہ آنے والے واقعات نے خلافِ عادت مولانا کو تقاضائے سفر پر مجبور کیا ہے جن کو نظر کشفی سے مولانا نے معلوم کر لیا تھا مگر چونکہ ضبط اور اخفاء کا مادہ بہت زیادہ تھا ادھر مقام رضا میں قدم راسخ تھا اس لیے چند مرتبہ ظاہری تقاضا کرنے کے بعد چپ

ہو رہے ہے اور پھر معلوم ہوا کہ طائف نہایت سخت خطرہ میں پڑ گیا ہے اس لیے جو لوگ
باہر باغوں میں مقیم ہیں ان کو شہر پناہ میں چلے جانا ضروری ہے چنانچہ ہمارے مطوّف سیّد
ابین عاصم صاحب بھی مع اپنے اہل و عیال شہر میں سیّد علی حبشی کے مکان پر چلے گئے
اور ہمارے لیے بھی وہاں ہی ایک کوٹھڑی لے دی، تمام شہر میں اس وقت عجیب ہلچل تھی
۹ شعبان بروز شنبہ ہم لوگ شہر میں چلے گئے تھے. ترکی افسروں کو بھی یہ بات محسوس ہو
گئی انھوں نے شہر کے ارد گرد حسب قواعد مورچے بنائے اور جن جن باغوں اور مکانوں
کو مورچہ کے لیے مناسب جانا ان کو خالی کرا لیا. گیارہویں شعبان ۱۳۳۴ھ کی شب کو صبح
صادق کے قریب چاروں طرف سے شریف کی فوجوں نے چڑھائی کی جو کہ زیر کمان داری
عبداللہ بیگ کام کر رہی تھیں صبح صادق کے وقت ہم سب بمعیّت حضرت مولانا مرحوم
صبح کی نماز کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مسجد میں جا رہے تھے کہ ناگاہ ایک
بندوق کی آواز سنائی دی پھر تو چاروں طرف سے بندوقیں چلنے لگیں. ترکی فوج جس نے
چاروں طرف حسب قواعد جنگ مورچے بنا رکھے تھے پورے طور سے جواب دیتی ہی
اگرچہ ترکی فوج کی مقدار تقریباً ایک ہزار مسلّح سپاہی کے تھے باقی ماندہ لوگ مسلّح نہ تھے مگر
چونکہ منظم جماعت تھی اس نے بدوی فوجوں کو بہت زیادہ اور قوی نقصان پہنچایا،
بدویوں کی مقدار بہت زیادہ بتائی جاتی ہے اس سے دو دن پہلے مکہ معظّمہ، جدہ، ینبع
مدینہ منورہ میں یہی واقعہ پیش آچکا تھا چونکہ شریف نے انتظام کیا تھا کہ ایک ہی
دن میں سب جگہ یہ کام ہو اس جنگ کی وجہ سے جو لوگ طائف میں غلہ اور ترکاری میوہ
وغیرہ لاتے تھے ان کا آنا بند ہو گیا اور یہاں سے باہر کا جانا بھی بند ہو گیا ادھر فوجی
حکام کو رسد کی فکر ہوئی. حسب قواعد جنگ انھوں نے تاجروں سے موجودہ غلہ
کی نصف مقدار لینی شروع کی جس نے خوشی سے دے دیا اس کی مقدار میں سے

Marfat.com

نصف لے لیا اور نصف چھوڑ دیا اور لیے ہوئے نصف کی قیمت اس وقت کے حساب سے لگا کر اس کو رسید دے دی کہ حکومت ترکی بعد از جنگ یہ مقدار تجھ کو ادا کرے گی۔ البتہ جن لوگوں نے چھپایا ان پر شدت کی گئی اور تمام مال تجارت ان کا خورد و نوش اور ضروریات فوجی کی قسم کا لے لیا گیا فقط بمقدار ان کے اہل و عیال کی ضرورت کے ان کو دے دیا گیا ادھر تو شہر میں غلہ کی کمی ادھر آمد بالکل بند غرضکہ اس وجہ سے شہر میں سخت گرانی ہو گئی پھر شریف کے لوگوں نے نہر کو بھی اوپر سے بند کر دیا اس وجہ سے پانی کی سخت تکلیف ہوئی۔ اگر قشلہ (فوجی قیامگاہ) کا کنواں نہ ہوتا تو نہایت زیادہ اشکال کا سامنا ہوتا۔ اگرچہ شریف کی فوج کثیر التعداد بھی تھی اور اس کے پاس نئی اور عمدہ انگریزی رائفلیں بھی تھیں اور سامان جنگ نہایت کثرت سے تھا مگر باوجود سعی بسیار ان کو کامیابی نہیں ہوئی جب انہوں نے ہجوم کیا مُنھ کی کھائی، دن رات برابر گولیاں چلتی رہتی تھیں۔ ترکی فوج ان کے مجمعوں پر توپوں سے گولے بھی برساتی تھی۔ نصف رمضان تک یہی حالت رہی اس کے بعد وہ مصری فوجیں جو جدہ میں اس کے لے لینے کے بعد اتاری گئی تھیں اور جنہوں نے مکہ معظمہ کے قلعے اور قشلہ کو توپوں کے ذریعہ فتح کیا تھا طائف میں مع توپوں کے پہنچیں اور طائف کے چاروں طرف سے توپیں سات یا آٹھ نصب کر کے قلعہ اور قشلہ پر گولہ باری کرنے لگیں صبح سے تقریباً بارہ بجے تک یہ عمل ہوتا رہا اس کے بعد توپیں ٹھیر جاتی تھیں ترک بھی ان کا جواب دیتے تھے یہی حال عید مبارک تک رہا افسوس کہ عید کے دن بھی شریف کے لوگوں نے جنگ کو موقوف نہ کیا۔

مولانا کا رمضان طائف میں

چونکہ رمضان کا مہینہ طائف میں نہایت بدامنی کی حالت میں واقع ہوا تھا

Marfat.com

اس لیے نہ تو دن کو حسب خواہش لوگوں کو خوراک کا انتظام کرنا ممکن ہوتا تھا نہ مساجد میں تراویح وغیرہ کا انتظام حسب ضرورت ہو رہا تھا۔ مسجد ابن عباسؓ وہاں کی بڑی مسجد ہے اس میں بھی تراویح الم ترکیف سے ہوتی تھیں اور اس میں بھی بہت کم آدمی آتے تھے باقی لوگ محلہ کی مسجدوں اور اپنے مکانوں میں پڑھتے تھے، کیونکہ گولیاں ہر وقت اوپر سے گزرتی رہتی تھیں۔ مولانا نے بھی اولاً مسجد ابن عباسؓ میں حسب عادت سابقہ تراویح پڑھنی شروع کی مگر چونکہ راستہ وہاں کا ایسا تھا جہاں پر گولیاں برابر آتی رہتی تھیں اس لیے اس مسجد میں جاتے وقت خطرہ ضرور رہتا تھا اور پھر ایک شب میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز مغرب پڑھ کر فارغ ہوئے ہی تھے ابھی تک نفل وغیرہ پڑھ رہے تھے اندھیرا ہو چکا تھا کہ بدوؤں نے ہجوم کیا۔ مسجد ابن عباس کی چھت اور مینار پر بھی ایک بڑا دستہ ترکی فوجیوں کا تھا اور مسجد کے قریب جو دروازہ تھا وہاں پر مورچہ بھی تھا۔ غرضکہ طرفین میں خوب تیز گولی اور گولوں کی بارش دیر تک ہوتی رہی۔ خود مسجد میں بھی برابر گولیاں برستی رہیں، جو لوگ مسجد میں باقی تھے وہ ایک کونہ میں جہاں گولیوں کے آنے کا گمان نہ تھا بیٹھ گئے اس روز تراویح بھی نہیں ہوئی فقط چند آدمی بوقت نماز عشاء فرض عشاء ایک طرف پڑھ کر جب کچھ سکون ہوا چلے گئے اس کے بعد احباب اور خصوصاً سید امین عاصم صاحب نے اصرار کیا کہ آپ مسجد ابن عباس میں نماز کے لیے نہ جایا کریں، دروازہ مکان کے قریب جو مسجد ہے اس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کریں چنانچہ تمام رمضان اوقاتِ خمسہ کی نماز وہاں پڑھتے تھے اس سال تراویح فقط الم ترکیف سے پڑھی گئی اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نوافل میں سحر کے وقت تک مشغول رہتے تھے، مولوی عزیر گل صاحب اور کاتب الحروف بھی اسی مسجد میں علیحدہ علیحدہ نفلوں وغیرہ میں وقت گزارتے، چونکہ

گرمیوں کی رات تھی جلد تر سحور کا وقت ہو جاتا تھا پھر آکر کچھ سحری پکاتے جو کہ میٹھے چاول ہوتے تھے مگر چونکہ شکر وہاں ملتی نہ تھی اس لیے شہد کو بجائے شکر چاول اور چاء میں استعمال کرتے تھے اور اکثر تو نمکین چاول بغیر گوشت پکایا جاتا تھا، اس وقت طائف میں چاول وغیرہ بھی دستیاب ہونا مشکل ہوتا تھا، ایک آنہ والی روٹی آٹھ آنے کو مشکل ملتی تھی مگر دہلی کے تاجروں میں سے حاجی ہارون مرحوم نے تھوڑے سے چاول مولانا مرحوم کے لیے ہدیۃً بلا طلب بھیج دیے تھے جو کہ عمدہ قسم کے تھے انہوں نے بہت کام دیا، اس مدت میں جو کہ تقریباً دو ماہ تھی ہم نے دس بارہ اشرفی طائف میں بوجہ گرانی کھا ڈالی۔

طائف سے روانگی

عید کے بعد تمام اہل شہر چونکہ بھوک سے مرنے لگے تھے حکام کے پاس جا کر شکایت کی کہ اب ہمارے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا ہے ہمارے پاس جتنے حیوانات دودھ یا سواری کے تھے کھا ڈالے غلّہ سب ختم ہو گیا اب ہمارے لیے کوئی صورت کیجیے ہم سب مرے جاتے ہیں انھوں نے کہا کہ اچھا صبح کے آٹھ بجے سے بارہ بجے تک باب ابن عباس سے روانگی کے لیے ہم تم کو اجازت دے دیں گے ہم اپنی حد میں تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے باقی شریف کے آدمی تم کو نقصان پہنچائیں تو اس کے ہم ذمہ دار نہیں۔

الحاصل اس طرح لوگوں کو ایک فارم مع ان کے اہل و عیال کے نام کے دیا جاتا تھا کہ وہ کہیں آکر ترکی حکومت سے جنگ نہ کریں گے پھر ان کو مع ان کے ضروری اسباب کے باہر نکلنے دیا جاتا تھا، جب اس طرح سے لوگ نکلنے لگے تو پھر ہم سبھوں کو بھی ضروری معلوم ہوا کہ نکل چلیں۔ چنانچہ ۶ شوال ۱۳۳۴ھ کو بوقت صبح ہم بھی باب عباسؓ سے

Marfat.com

نکلے اور وہاں سے چل کر پھرتے ہوئے (قیم) میں پہنچے یہ وہ مقام ہے جہاں پر شریف کا بیٹا عبداللہ بیگ جو کہ کمانڈار بدؤں کا تھا مقیم تھا اور تمام فوجی حرکات کا یہی مرکز تھا یہیں مصری فوج کے خیمے بھی تھے چونکہ ہمارے پاس نہ سواری تھی اور نہ نقد وغیرہ اور راستہ دور تھا ادھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نہایت ضعیف تھے تین دن تک پہاڑی راستہ کو قطع کرنا آسان نہ تھا علاوہ ازیں اسباب بھی تھا اس لیے وہاں جانا ضرور ہوا، عبداللہ بیگ سے ملاقات ہوئی، اعزاز واکرام سے پیش آیا ایک خیمہ کھڑے کرنے کا حکم کیا ایک دُنبہ ذبح کر کے دعوت پیش کی (عرب میں عادت ہے کہ معزز مہمان کی دعوت میں دُنبہ ذبح کرنا ضروری ہے) اگر ایسا نہ کیا جاوے تو وہ کامل اکرام مہمان کا شمار نہیں ہوتا اور پھر انجیر وغیرہ میوہ جات بھیجے اور ایک اشرفی نذر کی اور کہا کہ شب کو یہاں قیام کرو علی الصباح تم کو روانہ کر دیا جائے گا مگر علی الصباح لڑائی پر چلا گیا اس کے لوگوں نے خالی پشت شتر کا انتظام کر دیا کرایہ بھی خود دیا اور زادِ راہ بھی، اس طرح وہاں سے روانہ ہو کر ہم دسویں شوال کو مکہ معظمہ علی الصباح پہنچے، عمرہ کا احرام تھا، افعال عمرہ ادا کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ دو تین دن کا عرصہ گزرتا ہے کہ مولانا خلیل احمد صاحب متعلقین اور مولوی ہادی حسن صاحب اور حاجی شاہ بخش صاحب جدہ تشریف لے گئے ہیں، کیونکہ جدہ میں ہندوستان جانے والا جہاز آنے والا ہے اس لیے ہندوستان کا قصد ہے یہاں کے احوال دیکھ کر مولانا صاحب گھبرا گئے ہیں اور یہ معلوم نہ تھا کہ طائف سے مولانا مرحوم کب تک آ سکیں گے، چونکہ مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب میں ہمیشہ سے تعلقات نہایت قوی اور گہرے تھے اس لیے مناسب نہ معلوم ہوا کہ ہندوستان چلے جائیں اور ملاقات نہ ہو نیز جدہ میں اور دوسرے کاروبار بھی تھے ایک یا دو روز مکہ معظمہ میں قیام فرما کر جدہ سب کے سب پہنچے، وہاں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رامپوری کی رباط میں اوپر کے طبقہ میں فروکش تھے اسی کے وسطانی طبقہ میں

ہم سبھوں نے بھی قیام کیا چونکہ جہاز کے آنے میں کچھ دیر لگی اس لیے تقریباً پندرہ بیس دن وہاں قیام کرنا پڑا جب جہاز آ گیا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ و حاجی مقبول احمد صاحب و مولوی ہادی حسن صاحب و حاجی شاہ بخش صاحب سوار ہو گئے ان کو جہاز تک پہنچانے کے لیے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے۔

الحاصل اس کے بعد پھر جدہ کے قیام کی کوئی ضرورت نہ تھی بہت جلد مکہ معظمہ واپس چلے آئے، حج کا زمانہ قریب تھا، حجاج کی آمد ہو رہی تھی، کاتب الحروف پر بعض احباب نے زور دیا کہ علم حدیث وغیرہ کی بعض کتابیں درس کے طور پر حرم شریف میں شروع ہو جانی چاہئیں چنانچہ ان کو شروع کرا دیا اور اوائل ذی الحجہ میں مولوی مسعود احمد صاحب بھانجہ داماد خورد حضرت مولانا مرحوم اور مولوی ولی احمد صاحب مدرس مدرسہ حسن پور ضلع مراد آباد اور دیگر حجاج تشریف لائے ان کی زبانی معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کی نگاہیں حضرت مولانا پر نہایت سخت پڑ رہی ہیں، گورنمنٹ تک اس قدر افواہیں پہنچائی گئی ہیں کہ مولانا مرحوم کا بہت سخت بدظنی کے ساتھ انتظار کیا جا رہا ہے، ہر آگ بوٹ کی تفتیش بہت زیادہ کی جاتی ہے، آگ بوٹ کے پہنچتے ہی پولس کمشنر اور متعدد عہدہ دار آگ بوٹ پر آتے ہیں اور مولانا کی نسبت ہر شخص سے پوچھتے اور تحقیق کرتے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب مولانا خلیل احمد صاحب بھی بمجرد پہنچنے کے مع ہمراہیوں کے زیر حراست لے لیے گئے اور سیدھے نینی تال بھیج دیے گئے۔ حاجی شاہ بخش صاحب اگرچہ ہمراہیوں میں نہ تھے مگر حیدر آباد پہنچ کر وہ بھی زیر حراست لے لیے گئے اس لیے مولانا مرحوم نے یہ قصد ضرور فرمایا کہ جو کچھ ہوا ابھی ہندوستان چلنے کا قصد مناسب نہیں، حج کے ادا کرنے کا تو پہلے ہی سے قصد تھا اور یہ ضروری خیال تھا کہ جب ایام حج سر پر آ گئے ہیں ایسی مبارک نعمت چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں مگر ہاں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ گورنمنٹ

Marfat.com

کو مولانا مرحوم سے کوئی خاص پرخاش اور بدظنی نہیں ہے تو غالباً حج کرتے ہی مولانا مرحوم ہندوستان کو ضرور روانہ ہو جاتے۔

ایام حج آہستہ آہستہ آگئے اور تمام امور حج بحمد اللہ فراغت کا ملہ حاصل ہوئی اس زمانہ میں بات بھی خاص طور سے وقوع میں آئی کہ جناب حکیم عبدالرزاق صاحب نے بذریعہ مولوی مسعود احمد صاحب ایک ہزار روپیہ مولانا کے پاس اخراجات حجاز کے لیے روانہ فرمایا کیونکہ اس مدت میں جو روپیہ مولانا کے پاس تھا وہ تقریباً خرچ ہو چکا تھا اور باقی ماندہ کچھ زیادہ مقدار نہ تھی۔

مولوی مسعود احمد صاحب پر شبہہ

مگر چونکہ مولوی مسعود احمد کی روانگی یکبارگی بلاشہرت ہوئی علیٰ ہذا القیاس ان کا بمبئی پہنچنا بھی جہاز کی روانگی کے وقت ہوا جس کا اصلی سبب غالباً یہ تھا کہ حکیم صاحب موصوف کو یہ خیال غالباً اخیر میں ہوا، وہ ان روپوں کو تاجروں کے ذریعہ سے بھی بھیج سکتے تھے مگر ساتھ ہی شاید اس گمان پر کہ اگر مولوی مسعود احمد صاحب جائیں گے تو گھر کے سب لوگوں کے احوال بیان کر دیں گے اور مولانا کو اپنے جملہ اقارب کی طرف سے مطمئن کر دیں گے ان کے واسطے سے بھیجنا ضروری سمجھا اور ان سے اس وقت کہا جب کہ جہاز کی روانگی سر پر آ پہنچی تھی بمبئی تار دے کر ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کر دیا ؛ غرضکہ ان کی اور آگ بوٹ کی روانگی کے بعد گورنمنٹ کو خبر پہنچی اس لیے گورنمنٹ کو شبہہ دلایا گیا کہ اس طرح روانہ ہونا خالی از علت نہیں ہو سکتا ضرور کوئی چیز ان کے ہمراہ ہے چنانچہ جس وقت آگ بوٹ عدن پہنچا پولس ان کی تفتیش کے لیے سر پر آدھمکی مگر وہاں کیا تھا تمام اسباب تفتیش کیا، ہر چیز کو دیکھا کوئی مشتبہ چیز ہاتھ نہ آئی آخر کار اپنا سا منھ لے کر چھوڑ دیا مگر اس پر بھی گورنمنٹ کو باور نہ ہوا، ایک شخص سی آئی ڈی کا انسپکٹر مسمّٰی بہاء الدین جدہ بھیجا گیا جو کہ بعہدۂ ظاہر یہ محافظ حجاج کے

Marfat.com

عہدہ پر تعینات کیا گیا تھا اور غالباً وہ مرحوم کی نقل وحرکت کی تفتیش کی غرض سے ٹال مامور تھا اسی زمانہ میں اہل سورت وراندیر سے بعض احباب اور تلامذہ نے بھی مولانا کی خدمت میں ایک ہزار روپیہ ارسال کیا جو کہ بذریعہ تجار تھا۔ حج کرنے کے بعد مولوی مسعود احمد صاحب اور عموماً حجاج واپس ہو گئے کیونکہ مدینہ منورہ کا راستہ اس سال بند تھا۔ مولوی مسعود صاحب جب جہاز پر سوار ہو گئے تو بہاوالدین نے انکی تلاشی اگ لوٹ پر لی مگر کوئی مشتبہ چیز برآمد نہ ہوئی مگر پھر بھی بمبئی پہنچتے ہی زیر حراست کر لیے گئے اور پھر ان کو الہ آباد جیل میں پہنچایا گیا اور اس قدر سختی کی گئی کہ بیچارے نے چھوٹی چھوٹی باتیں بنا کر جان چھڑائی۔

خاں بہادر مبارک علی

ایام حج میں اورنگ آباد کے خان بہادر مبارک علی مکہ معظمہ تشریف لائے، سرکاری آدمی تھے لن ترانیاں خوب ہانکتے تھے، شریف صاحب کے یہاں پہنچے، ترکوں کو ہر مجلس میں برا کہتے تھے، حکومت موجودہ کی مدح سرائی میں زبان خشک ہو جاتی تھی انہوں نے ظاہر کیا کہ میں گورنمنٹ ہند کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں تاکہ حجاز کے احوال کو دریافت کر کے واقعی باتیں اہل ہند کو بتاؤں کیونکہ ہند میں اس وقت بے چینی بہت پھیلی ہوئی ہے اور عموماً اہل ہند برطانیہ پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے بادشاہ حجاز کو بُرا بھلا کہتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ایک اعلان علماء مکہ کی طرف سے مجھ کو دیا جائے جس میں ترکوں اور ان کی حکومت اور خلافت کی برائیاں ہوں ان کے استحقاق خلافت پر پرزور مضمون سے رد کیا گیا ہو، اس موجودہ انقلاب اور حکومت حاضرہ کی بھلائیاں ذکر کی گئی ہوں۔ چنانچہ ایسا ایک محضر تیار کیا گیا اور وہاں کے ان علما سے جن کو دربار شرافت میں دخل تھا اور صاحب عزت وشوکت شمار کیے جاتے تھے اس پر دستخط

Marfat.com

اور مہر کرایا گیا۔ بہتوں نے خوشی سے اور بہتوں نے خوف سے دستخط اور مہر کر دیا، خاں بہادر موصوف کے پاس جب یہ محضر پہنچا تو انھوں نے کہا کہ ان علما کو کوئی ہندوستان میں نہیں جانتا کون تصدیق کرے گا، مناسب ہو گا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب جو کہ علماء ہند میں ایک مشہور اور مسلّم شخص ہیں ان کے اور دیگر علماء ہند کے دستخط اور مہر ہوں (نہ معلوم یہ اسی واسطے وہاں بھیجے گئے تھے کہ اس ذریعہ سے مولانا مرحوم کو وہاں سے پکڑا جائے یا یہ قضیہ اتفاقیہ تھا) الحاصل اس مضمون کو وہاں کے شیخ الاسلام مفتی عبداللہ سراج جو کہ زمانہ حکومت ترکیہ میں مفتی احناف تھے اور اب انقلاب کے بعد عہدۂ شیخ الاسلامی اور وکالتِ شرافت پر مامور ہو گئے تھے بذریعہ نقیب العلماء مولانا کے پاس بھیجا، اواخر محرم الحرام ۱۳۳۵ھ میں عصر کے بعد وہ اس محضر کو لے کر مکان پر آیا، اس زمانہ میں اہالی مکہ معظمہ میں سے جو لوگ مہاجرین ہند اور علم دوست تھے انہوں نے ظہر کے بعد مولانا مرحوم سے بخاری شریف کو شروع کر رکھا تھا، مکانِ اقامت ہی پر درس دیا کرتے تھے جب وہ کاغذ آیا تو چونکہ اس کی سرخی تھی من علماء مکۃ المکرمۃ المدرسین بالحرم الشریف المکی یعنی یہ تحریر مکہ مکرمہ کے ان علماء کی طرف سے ہے جو کہ حرم شریف مکی میں پڑھاتے ہیں اس لیے ان سے کہا گیا کہ اولاً اسی سرخی کی وجہ سے کوئی استحقاق نہیں کہ حضرت مولانا اس پر کچھ لکھیں کیونکہ وہ علماء مکہ میں سے نہیں اور نہ حرم مکی یعنی مسجد الحرام میں مولانا نے کبھی تدریس کی۔ ثانیاً اس میں قوم ترک کی مطلقاً تکفیر کی گئی ہے اور دربارہ اس کے جو کچھ احتیاط اور سخت احکام ہیں آپ کو معلوم ہے، ثالثاً اس میں وجہ تکفیر سلطان عبدالحمید خاں کا تخت سے اتار دینا لکھا گیا ہے حالانکہ کسی فقیہ نے اس کو موجباتِ کفر میں سے قرار نہیں دیا۔ رابعاً اس میں خلافتِ سلاطین آلِ عثمان کا انکار کیا گیا ہے حالانکہ یہ امر مخالف نصوص شرعیہ ہے۔ خامساً اس میں اس انقلاب اور حرکت کو

مستحسن دکھایا گیا ہے اور یہ بھی شرعاً نہایت قبیح واقع ہوا ہے۔

چونکہ کاتب الحروف کی نقیب العلماء سے کچھ پہلے سے معرفت تھی اس لیے ان سے تمام کیفیتیں ظاہر کر دینے کے بعد یہ کہا گیا کہ تم شیخ الاسلام سے یہ کہ دینا کہ مولانا نے اس پر دستخط اور مہر سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ اس کا عنوان اہل مکہ اور مدرسین حرم کے ساتھ مخصوص ہے، میں آفاقی شخص ہوں پردیسی ہونے کی وجہ سے مجھ کو کوئی استحقاق اس پر دستخط کرنے کا نہیں اور یہ کہا گیا کہ ابھی دوسری وجہوں کو ان پر ظاہر نہ کرنا، اگر پھر انہوں نے اصرار کیا تب ان وجہوں کو پیش کیا جائے گا وہ اسی وقت واپس ہو گئے اور پھر کوئی جواب نہ لائے، اس محضر کا شہر میں پہلے سے چرچا تھا جو لوگ حقانی تھے ان کو خوف لگا ہوا تھا کہ اگر ہمارے پاس آیا تو ہم کیا جواب دیں گے اور کس طرح جان چھڑائیں گے، مولانا مرحوم کے رد کرتے ہی تمام شہر میں مشہور ہو گیا کہ مولانا نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا، اب تو دوسروں کو بھی ہمت ہو گئی۔

ادھر شیخ الاسلام صاحب کو تنبہ ہوا، انھوں نے عبارت سابقہ بالکل بدل ڈالی اور اس طرح اس کو لکھا کہ اس میں سے مبحث تکفیر بالکل خارج ہو گیا مگر دستخط کرنے کو پھر نہیں بھیجا جو عبارت دوسری مرتبہ بنائی گئی تھی اس پر پہلے علماء سے فقط دستخط لے کر اخبار "القبلہ" میں بھی چھاپ دیا گیا، اور اسی کو خان بہادر مبارک علی خاں لے کر روانہ ہو گئے، خیر خواہوں نے مولانا مرحوم سے کہا کہ کہیں شریف آپ کو کوئی اذیت نہ پہنچائے، مولانا مرحوم نے فرمایا کہ پھر کیا کیا جائے، مذہبی حیثیت سے اس پر مہر و دستخط کسی طرح درست نہ تھا، آئندہ جو کچھ تقدیر الٰہی میں ہو گا جھیلیں گے۔

مولانا کو پہلے سے بھی بارہا یہ خیال آیا تھا کہ مکہ معظمہ میں ہمارا قیام کرنا کسی طرح مناسب نہیں بلکہ شریف کے احاطۂ حکومت میں رہنا خالی از خطرہ نہیں کیونکہ گورنمنٹ انگریزی

کو لوگوں نے اس طرح بدظن کر رکھا ہے اور شریف سے اور گورنمنٹ سے از حد اتحاد ہے پھر کیونکر بہتری کی امید کی جائے اس لیے بار ہا تقاضا فرمایا کہ کوئی صورت جلد یہاں سے نکلنے کی ہونی چاہیے مگر اگر فقط مولانا صاحب کی ذات مبارک ہوتی تو ہر وقت نکلنا ممکن تھا وہاں تو کئی کئی آدمیوں کا مجمع اور بہت سا اسباب تھا ان سب کے لیے متعدد سواریوں کی ضرورت تھی جن کے انتظام میں بڑا کھڑاگ اور بہت شہرت کا سامنا تھا، تس پر بھی فکر کیا گیا۔

حکیم نصرت حسین صاحب کا ذکر

ایام حج سے پہلے حکیم نصرت حسین صاحب ساکن کوڑہ جہان آباد ضلع فتح پور ہسوہ مع اپنے پھوپھی زاد بھائی جناب مولوی سید ہاشم صاحب کانپوری عدن اور پورٹ سوڈان ہوتے ہوئے تشریف لائے تھے۔ حکیم صاحب موصوف نے دیوبند میں علم حدیث وغیرہ پڑھا تھا یہاں ہی ان کی دستار بندی ہوئی تھی۔ مولانا مرحوم سے بیعت بھی تھے اور مولانا سے ان کو نہایت زیادہ تعلق تھا طبیعت نہایت زیادہ جوشیلی اور خدا پرست تھی۔ احوال حاضرہ کی کشمکش اور عالم اسلام کے تسفل ہندوستان کی غلامی نے ان کو سخت پیچیدگیوں میں ڈال رکھا تھا، ان دنوں یہ دونوں حضرات مکلا وغیرہ ہوتے ہوتے حج کو تشریف لائے والی مکلا سید ہاشم صاحب سے واقف تھا اور ان کے داماد مولانا عبدالحی صاحب کانپوری مرحوم کے معتقدین میں سے تھے، انھوں نے ہی انتظام ان دونوں حضرات کے سفر کا کر دیا تھا اور بذریعہ برٹش حاکم عدن پورٹ سوڈان تک اور وہاں سے جدہ کا ٹکٹ بھی دلوا دیا تھا، چونکہ حکیم نصرت حسین صاحب طب یونانی سے واقف تھے اور ان کے ساتھ مجرب دوائیں موجود تھیں انھوں نے حاکم مکلا کی دوا بھی ایک مدت تک کی تھی اور بظاہر وہ اسی غرض سے مکلا پہنچے تھے پھر انھوں نے قصد حجاز کا کر دیا۔

Marfat.com

خلاصہ کلام یہ کہ یہ دونوں حضرات بھی ابتداء ذی الحجہ یا اواخر ذی قعدہ میں مکہ معظمہ میں پہنچے عبدالقادر سکندران کا مطوف تھا چونکہ ان دنوں وہ خود موجود نہ تھا اس کے بیٹے اور نوکر وغیرہ موجود تھے انھوں نے پوری طرح خدمت اور خبرگیری ان دونوں حضرات کی دکھی اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں کوئی ترکی ٹوپی کا استعمال کرنے والا سوائے ان دونوں کے نہ تھا اس لیے عام طور پر لوگوں کی نظریں ان دونوں پر پڑتی تھیں، حج سے فارغ ہونے کے بعد سیّد ہاشم صاحب ہندوستان واپس چلے گئے اور حکیم صاحب موصوف وہاں اس بناء پر ٹھہر گئے کہ شاید انھیں چند دنوں میں مدینہ منورہ کا راستہ کھل جائے تو مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہونا نصیب ہو اور چونکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خیال مدینہ منورہ کے جانے کا ہو چکا تھا اس لیے انھوں نے اسی مکان میں آجانا اور قیام کرنا مناسب سمجھا جہاں پر حضرت مولانا مقیم تھے۔ سید ہاشم صاحب کا جہاز جب عدن پہنچا وہاں پر امیر مکلا نے جو روپے ان کے لیے پہلے وعدہ کے طور پر تیار کر رکھے تھے بذریعہ اپنے وکیل کے پیش کیے، کیونکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اوّلاً تو امیر مذکوران کے دادا کا معتقد تھا اس کو بھی حیدرآباد سے تعلق ہے اور ان کے دادا صاحب بھی وہاں کے معتقد علیہ لوگوں میں سے تھے۔ ثانیاً یہ بھی ساداتِ علویہ میں سے ہیں جن کا حضرموت میں قیام اور مرکز ہے اور امیر مذکوران سادات کا ہمیشہ سے خادم اور معتقد رہا ہے۔ ثالثاً یہ دونوں وہاں اس کے پاس بطور مہمانی گئے تھے اس کے لیے اداء خدمت و نذرانہ ضرور تھا۔ رابعاً حکیم صاحب سے اس نے مفید اور سریع التاثیر دوائیں پائی تھیں جن کو وہ ہزاروں کے خرچ میں نہیں پا سکتا تھا ان وجوہ سے اس نے ان کے لیے اپنے وکیل کے پاس کچھ نقد جمع کر رکھا تھا، ان کا جہاز جب عدن پہنچا تو یہ بوجہ واقفیت سابقہ اس سے ملے اس نے وہ نقد پیش کیا جب یہ بمبئی پہنچے تو

Marfat.com

گورنمنٹ نے ان کو زیر حراست لے لیا اور جو کچھ نقد ان کے پاس تھا وہ بھی ض
لیا اور تہمت یہ رکھی کہ تم اس سے امیر کابل سے سازش کرنا چاہتے ہو۔ بیچار
ایک مدت دراز تک الٰہ آباد اور فتح پور کی جیل میں رہ کر پھر چھوٹے مگر نقد اب
نہیں ملا۔

واقعہ اسارت مکہ معظّمہ

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس فتوے کے واقعہ کے بعد ہم کو عموماً
کو خصوصاً اس کا خیال تھا کہ مکہ معظمہ سے باہر چلا جانا اور خصوصاً شریف کی قلم
بیرون ہو جانا نہایت ضروری ہے مگر اسباب اور ہمراہیوں کے تعدد کی وجہ
تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تقاضا بھی شدید تھا۔ بہت کچھ انتظام کیا جس کی کچھ
ہو گئی تھی غالباً اگر دو چار یوم کی تاخیر ہو جاتی تو ہم روانہ ہو چکے ہوتے مگر تقدیر
لکھا ہوا ہو کر رہتا ہے۔ شریف صاحب جدہ گئے اور وہاں کرنیل ولسن
برطانیہ سے خدا جانے کیا گفت و شنید ہوئی کہ شیخ الاسلام کے نام حکم آیا کہ مولا
ان کے جملہ ہمراہیوں اور حکیم نصرت حسین صاحب اور سیّد ہاشم صاحب کو زیر
یہاں بھیج دو مگر سیّد صاحب کی نسبت کہا گیا کہ وہ روانہ ہو گئے سیّد ابن عاصم
کو اس کی خبر رات کو ہی ہو گئی تھی مگر انہوں نے ہم کو کچھ نہیں بتایا صبح کو شیخ المط
احمد بجیٰ مولانا کے پاس مکان پر پہنچا اس وقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے
مولوی عزیر گل صاحب اور دوسرے رفقاء تھے کاتب الحروف نہ تھا اس نے
تمہاری گورنمنٹ جس کی تم رعایا ہو تم کو طلب کرتی ہے اس لیے مجھ کو شریف کی ط
سے حکم ہوا ہے کہ تم کو راحت کے ساتھ روانہ کر دوں، جس سواری کی اور
سواریوں کی ضرورت ہو ہم کو بتلا دو تاکہ ان کا انتظام کر دیں۔ مولوی عزیر گل

Marfat.com

سے اس کی کچھ زیادہ گفتگو ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم یہاں کسی کافر گورنمنٹ کو نہیں پہچانتے، ہم حرم خداوندی میں امان لیے ہوتے ہیں۔ اگر شریف ہم کو یہاں سے نکالتے ہیں تو ہم خوشی سے نہ جائیں گے جب تک کہ تم ہم کو ڈنڈے کے زور سے نہ نکالو، وہ کچھ پیچ وتاب کھا کر جواب دے رہے تھے اتنے میں (کاتب الحروف) پہنچ گیا، قصہ دریافت کیا حال معلوم ہوا آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ سید امین عاصم صاحب سے اس بارہ میں چارہ جوئی کرنی چاہیے وہ کچھ اس بارہ میں سعی کریں چنانچہ ہم سب ان کے مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ ان کو پہلے سے خبر ہے کہ رات کو یہ حکم شریف کا شیخ الاسلام کے پاس آچکا ہے پھر آخر کار رائے یہ ہوئی کہ سب کو مل کر شیخ الاسلام کے پاس حمیدیہ میں جہاں حکام کا مرکز ہے چلنا چاہیے اور اس سے گفت وشنید کرنی چاہیے چنانچہ وہاں گئے اوّل سید صاحب اوپر گئے اور ہم سبھوں کو نیچے بٹھا گئے انہوں نے جب شیخ الاسلام سے گفتگو کی تو اس نے وہی فتوے پر دستخط نہ کرنے کا الزام رکھا انہوں نے جواب دیا کہ وہ نیچے موجود ہیں ان میں سے حسین احمد عربی میں آپ کو وجہ اور اصلیت بتلا سکتا ہے اس کو بلایئے اور تحقیق کیجئے۔

شیخ الاسلام سے گفتگو

الغرض مجھ کو بلایا گیا انہوں نے کہا کہ مولانا ہمارے مخالف ہیں ہم کو باغی کہتے ہیں ہم کو خارجی کہتے ہیں اس لیے ان کو باغیوں کی حکومت میں نہ رہنا چاہیے میں نے کہا کہ آخر آپ کو یہ کہاں سے معلوم ہوا انہوں نے کہا کہ مولانا نے فتوے پر دستخط کیوں نہیں کیے میں نے کہا آپ خود نقیب کو بلا کر پوچھیے چونکہ اس کا عنوان (سرخی) یہ تھا کہ من علماء مکۃ المکرمۃ المدرسین بالحرم المکی تو مولانا نے فرمایا کہ نہ تو میں مکہ معظمہ کے علماء میں سے ہوں اور نہ میں مسجد الحرام میں پڑھاتا ہوں اس لیے

Marfat.com

مجھ کو اس پر دستخط کرنے کا کوئی استحقاق نہیں اس نے اس جواب کا انکار کیا آخر
نقیب بلایا گیا اور اس نے اس کی تصدیق کی، شیخ الاسلام نے کہا کہ تم ہمارے حکم
نافرمانی کرتے ہو میں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو کل تک اجازت د
دیں، کل کو شریف صاحب خود آجائیں گے ہم ان سے کچھ عرض کرلیں وہ اگر را
ہوئے تو ہم امتثال حکم کے لیے تیار ہیں۔ کہا کہ یہ نافرمانی نہیں ؟ میں نے کہا کہ
استرحام ہے اور استرحام بادشاہ اور وزیر سے سبھوں سے ہوسکتا ہے۔ تب
ڈھیلا ہو کر کہنے لگا کہ مولانا سیاسی مجالس منعقد کرتے ہیں، میں نے کہا کہ آپ
غلط خبر پہنچائی گئی ہے، مکان پر مولانا بخاری شریف پڑھاتے ہیں اس کے پڑ
اور سننے کے واسطے لوگ جمع ہوجاتے ہیں کوئی سیاسی مجلس منعقد نہیں کی جاتی اس
کہا کہ اس میں پہلے یا بعد کوئی سیاسی تذکرہ نہیں ہوتا ؟ میں نے کہا ہاں کبھی بعد در
کے بعض باتوں کا جو اخباروں میں یہاں آتی ہیں تذکرہ ہوتا ہے جن کا تعلق آپ
داخلی احکام و نظام سے کوئی نہیں فقط خارجی امور سے تعلق رکھتی ہیں کہا کہ مولانا بع
مغرب مسجد الحرام میں بھی سیاسی مجلس منعقد کرتے ہیں، میں نے کہا یہ بھی غیر واقعی خبر
مغرب کے بعد مولانا نوافل دیر تک پڑھتے رہتے ہیں اس کے بعد ہم فقط چن
خدام مولانا کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں وہاں کوئی مجلس نہیں ہوتی اور نہ امور سیا
سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ اس نے کہا تو نے حافظ عبدالجبار صاحب دہلوی کی دکا
پر یہ کہا کہ یہاں پر سب چیزیں اور احکام انگریزی ہوگئے ہیں میں نے کہا کہ میں نے
سب چیزوں اور سب احکام کو نہیں کہا بلکہ ایک کتاب کی جلد باندھ کر ایک صاح
لائے تھے ان سے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ کیسی جلد باندھ کر لائے
ہو، اس نے جواب دیا کہ افرنجی باندھ کر لایا ہوں میں نے کہا کہ افسوس کہ اب

Marfat.com

سب چیزیں افرنجی پسند ہونے لگیں، میرا اشارہ اور مطمحٔ کلام جلد کے سوا دوسرا کوئی
نہ تھا، میں نے کہا کہ ہر خبر کی آپ تصدیق کیوں کر فرما لیتے ہیں، اس نے کہا کہ ہمارے
اس خبر لانے والے تو یہی لوگ ہوتے ہیں فرشتے تو لانے سے رہے ہی۔

الغرض اخیر میں اس نے اگلے دن کی اجازت دے دی کہ کل کو تشریف لے
آئیے گا تو خود ان سے گفتگو کر لینا ہم خوشی خوشی گھر چلے آئے اور سارا قصہ حضرت
رحمۃ اللہ علیہ سے تمام راستہ بیان کرتے رہے، خیال یہ بھی ہوتا تھا کہ شب کو کسی طرف
نکل چلیں تاکہ ان کے دست برد سے بچے رہیں۔

مصالحت کی کوشش

مگر حافظ عبدالجبار صاحب دہلوی نے کوشش یہ کی کہ شیخ الاسلام کی مولانا سے
صفائی ہو جائے تو بہتر ہے وہ شریف سے بھی کہہ لے گا اس لیے لوگوں کو درمیان میں ڈال
کچھ گفتگو کی اور مجھ کو بلا کر کہا کہ اگر تو اس پر راضی ہو کہ شیخ الاسلام کے ہاتھ چوم کر معافی
طلب کر لے تو یہ سب قصہ رفع دفع ہو جائے، میں نے کہا کہ مولانا کی راحت کے لیے
شیخ الاسلام کے ہاتھ تو درکنار میں پیر چومنے کے لیے بھی تیار ہوں انھوں نے فرمایا
تو مغرب کے بعد ہمارے مکان پر آجانا ہم تجھ سے پہلے شیخ الاسلام کے یہاں جائیں
، اور پھر جس وقت ہمارا آدمی تیرے پاس آوے اس وقت تو اس کے ساتھ چلے
۔ الغرض ایسا ہی کیا گیا، مغرب عشا کے درمیان میں وہ حضرات مجتمع ہو کر علی
ن (مفتی مالکیہ) کے مکان پر گئے وہیں شیخ الاسلام شام کو بوجہ اپنی سسرال ہونے
کے بیٹھا کرتا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میرے پاس آدمی آیا میں وہاں پہنچا، شیخ الاسلام
کے ہاتھ چومے معافی طلب کر کے ایک طرف کو بیٹھ گیا اس نے جواب دیا کہ خواہ ہم
نے ترکوں سے لڑنے میں غلطی کی یا صواب کیا مگر اب جبکہ لڑائی ٹھن گئی اور ہم اس

Marfat.com

میدان میں اُتر آئے ہیں تو جب تک کہ ہماری عورتیں اور بچے باقی ہیں ہم لڑیں گے میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، تھوڑی دیر بیٹھ کر قہوہ پی کر میں چلا آیا۔ اب جملہ احباب کو بھی اور ہم کو بھی اطمینان ہو گیا کہ قصہ رفع دفع ہو گیا کوئی ضرورت نہیں کہ جلدی کر کے یہاں سے سفر کیا جاوے، اگلے روز جب شریف صاحب آئے تو شیخ الاسلام نے اس سے کہا کہ وہ لوگ (ہم سبھوں کی نسبت) رات کو آتے تھے اور معافی کے خواستگار ہوئے ہیں اس لیے ان کو چھوڑ دیا گیا۔ شریف نہایت برہم ہوا کہ کیوں نہ تم نے ان کو شب ہی کو روانہ کر دیا، ان کو آج ہی روانہ کر دو، ان کو کسی طرح مت معاف کرو اور بہت سختی کے کلمات کہے اس خبر کے پہنچنے پر ہم میں سے بعض احباب کی رائے ہوئی کہ مولانا کو اور ان کے ساتھ وحید احمد کو کہیں چھپا دیا جائے اور شب کو ان کو کسی دوسری جگہ روانہ کر دیا جائے گا باقی لوگوں کو دو چار دن غانہ مانی الباب قید رکھیں گے پھر چھوڑ دیں گے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تھوڑی دیر کے بعد پولس کا آدمی مجھ کو اور وحید کو بلانے کے لیے پہنچا، وحید موجود نہ تھا، مجھ کو حمیدیہ میں بلا کر لائے، کمشنر پولیس نے مجھ کو کہا کہ تو انگریزی حکومت کو برا کہتا ہے اب اس کا مزہ چکھ اور قید خانے میں مجھ کو بھیج دیا۔

مکہ معظمہ کے قید خانے

مکہ معظمہ میں تین قید خانے ہیں ایک متمدن اور دو غیر متمدن۔ متمدن قید خانہ تو حمیدیہ میں ہے جس میں آدمی مکان سے باہر نہیں جا سکتا ہے اس کا لباس وغیرہ وہی رہتا ہے اس سے کوئی کام بھی نہیں لیا جاتا اس سے جو شخص چاہے آ کر مل سکتا ہے، لوگوں کا کھانا ان کے گھروں سے آتا ہے اور غیر متمدن قید خانے شریف کے مکان کے پاس ہیں ایک تو تہ خانہ ہے جس میں بہت سی سیڑھیوں سے

Marfat.com

[..]نا ہوتا ہے اس میں روشنی بالکل نہیں دن و رات وہاں یکساں رہتا ہے اور
[..]سرا مرتبہ اس میں وہ ہے جس کو تختۂ شکنجہ کہتے ہیں، لکڑیوں میں پیر ڈال دیے جاتے
[..]ں جن کی وجہ سے آدمی چل پھر بھی نہیں سکتا، اس اندھیرے میں ننگا مادرزاد لکڑی
[..]ے تختوں میں پیر پڑا رہتا ہے۔ غرضکہ یہ دونوں قید خانے نہیں بلکہ عذاب دوزخ
[..]ے نمونے ہیں کاتب الحروف کو اس متمدن قید خانہ حمیدیہ میں رکھا گیا (شام اور صبح
[..]کھانا سید امین عاصم صاحب مطوف نے بھیجا)

اس کے بعد پولس نے مولانا کو تلاش کیا چونکہ مکان پر موجود نہ تھے اس لیے
[..]لوی عزیز گل صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب کو پکڑا اور کہا کہ جہاں سے ممکن
[..]ے مولانا کو ڈھونڈ کر لاؤ انھوں نے میری نسبت دریافت فرمایا تو یہ جواب ملا کہ وہ
[..]قید خانہ میں ہے، ان دونوں خدام نے مولانا کی لاعلمی بیان کی باوجود سخت تقاضے
[..]ر دھمکی موت کے ان خدام نے کچھ پتہ نہیں دیا، بالآخر یہ دونوں اسی مکان میں حضرت
[..]اد تک متقید رکھے گئے۔ اور شریف کے نوکر چاکر حضرت کی تلاش میں رہے۔

[..]ہلی کے تاجروں کی ہمدردی

دہلی وغیرہ کے بڑے بڑے تاجروں کی ایک جماعت شریف کے یہاں
[..]ہی اور کہا کہ ہم آپ کی خدمت میں استرحام کے لیے حاضر ہوئے ہیں اگر مولانا اور
[..]ان کے رفقاء سے کوئی قصور ہوا ہو آپ خود ان کو اپنی مملکت میں سزا دیں غیر مسلم
[..]موں کے حوالے کیوں کرتے ہیں اور حرم خداوندی سے کیوں نکالتے ہیں آپ کو
[..]د ہوگا کہ ترکی حکومت کے زمانہ میں جبکہ ترکوں نے بعض آدمیوں کو قید کر کے
[..]ان تاریخ کو غیر مسلموں کو دینا چاہا تھا تو آپ خود مانع ہوئے تھے اور ان کو چھوڑ
[..]یا تھا پھر اب تو آپ خود مستقل ہیں، اب تو ہماری امیدیں آپ سے بہت زیادہ

وابستہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ہماری اور انگریزوں کی دوستی ابھی نئی ہے ہم نہیں چاہتے کہ ہم ان کی رعایا کو کوئی سزا دیں اور پھر وہ ہماری دوستی میں فرق اور خلاف کا باعث ہو، ہم کو ان کی دوستی قائم رکھنی ضروری ہے ہم کسی طرح اس وقت کوئی رعایت نہیں کر سکتے (حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود مجبور تھا غالباً اس پر حکم کیا گیا تھا کہ مولانا کو تسلیم کر دے) غرض کہ ان کی بھی کوئی بات نہ سُنی گئی جب شام کا وقت ہو گیا اور مولانا باوجود تفتیش کثیر ہاتھ نہ لگے تو پھر شریف کو خبر دی گئی کہ مولانا تو ہاتھ نہیں آتے خدا جانے کہاں ہیں۔

شریف نے حکم کیا کہ اگر عشا تک مولانا موجود نہ ہوئے تو دونوں ساتھیوں کو گولی سے مار دو اور مطوف کے سو کوڑے لگاؤ اور مطوفیت چھین لو، اس خبر کی وجہ سے مطوف صاحب کو نہایت پریشانی ہوئی اور مولانا کو بھی خبر پہنچی مولانا نے فرمایا کہ میں کسی طرح گوارا نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی آزار پہنچایا جائے، جو کچھ ہو گا میں اپنے سر پر جھیلوں گا اور نکلنے کے لیے تیار ہوتے احباب نے کہا کہ اچھا احرام کے لباس میں نکلیے تاکہ لوگوں کو خیال ہو جائے کہ یہاں تھے ہی نہیں چنانچہ احرام کے لباس میں مولانا مکان پر آ گئے اسی وقت اونٹ وغیرہ حاضر کیے گئے اور چاروں آدمی تقریباً عشا کے وقت وہاں سے دو اونٹوں پر روانہ کر دیے گئے، مولانا روانگی کے وقت نہایت مطمئن تھے اور احباب سے رخصتی میں ملتے وقت فرماتے تھے کہ "الحمدللہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے"

منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی چونکہ اکثر بیمار رہا کرتے تھے اس لیے ہم نے ان کو علیحدہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ میں فقط خدمت وغیرہ کی غرض سے یہاں آتا تھا میں رفقاء میں سے نہیں ہوں مگر ان سے

کسی نے تعرض بھی نہ کیا، مولانا کے ساتھ چند سپاہی بندوق لیے ہوئے حفاظت کے لیے ساتھ تھے جو نوبت بہ نوبت ہر مقام پر بدلتے رہتے تھے یہ سفر مولانا مرحوم کا مکہ معظمہ سے ۲۳ صفر شب یک شنبہ ۱۳۳۵ھ کو ہوا، دوشنبہ کی صبح کو ۲۴ صفر کو جدہ پہنچے

مجھ کو (کاتب السطور کو) قید خانہ میں کوئی حالت صبح تک معلوم نہ ہوئی صبح کو جب احباب ملنے آئے تب سب کیفیت معلوم ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد سید امین عاصم کے بھانجہ زادے سید احمد جعفری آئے اور کہا کہ سید صاحب نے تیرے چھڑانے کے لیے بہت کوشش کی مگر چونکہ شریف بہت خفا ہے اس لیے کم از کم آٹھ دن تک تجھ کو قید خانہ میں رہنا پڑے گا میں نے کہا کہ چونکہ میں مدینہ منورہ سے فقط مولانا کی خدمت کے لیے نکلا ہوں اس لیے مجھ کو خدمت میں رہنا ضروری ہے اگر جدہ سے مولانا ہندوستان تشریف لے گئے تو اپنے ساتھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں وہاں مجھ سے اعلیٰ اعلیٰ خدام موجود ہیں اور اگر کسی دوسری جگہ ان کو بھیجا گیا تو میرا ساتھ رہنا ضروری ہے اس لیے جس طرح ممکن ہو مجھ کو مولانا کے پاس بھجوا دیجئے انہوں نے کہا کہ یہ بات تو آسان ہے ہم ابھی شیخ الاسلام سے جا کر کہے دیتے ہیں کہ مادّہ فساد میں سے بعض کا باقی رکھنا اور بعض کا اخراج کرنا مناسب نہیں اس لیے اس کو بھی وہاں بھیج دو، غالباً وہ اسی وقت تجھ کو بھی وہاں بھیج دیں گے، میں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی کیجئے، پھر نہ معلوم ان سے کیا باتیں ہوئیں ظہر کے بعد قریب عصر کے معلوم ہوا کہ مجھ کو جدہ جانے کا حکم ہوا ہے، میں نے مکان پر پولیس کے ساتھ جا کر اپنا ضروری سامان ساتھ لیا اور باقی ماندہ جس قدر اسباب حضرت مولانا اور رفقاء کا تھا اس کو بھی منتظم کر کے حافظ عبدالجبار صاحب

Marfat.com

کے سپرد کیا کہ آپ اس تمام اسباب کو خچروں پر مطوف صاحب کے وکیل کے پاس بھجوا دیں، الغرض مولانا کی روانگی کے بعد اگلے دن خچروں پر مجھ کو زیر حراست روانہ کر دیا گیا چونکہ اونٹ جدہ اور مکہ کے درمیان دو دن لگاتا ہے اور خچر ایک ہی شب میں پہنچتا ہے اس لیے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچنے کے تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹہ کے بعد میں پہنچ گیا جدہ قید خانے کے دروازے پر ایک کمرہ تھا وہاں پر مولانا مع اپنے رفقائے کے فروکش تھے وہاں ہی میں پہنچا دیا گیا، مولانا کو میری طرف سے بہت فکر تھا، حاضر ہو جانے پر اطمینان ہوا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خواب

بیان فرمایا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ جناب سرورِ کائنات آقائے نامدار حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کا جنازہ ہے اور ہم سب لیے جا رہے ہیں اور میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آپ کی تجہیز و تکفین وغیرہ سب امور کا میں متکفل ہوں اور پھر اپنے دل ہی دل میں سوچ رہا ہوں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین ہم کس طرح سے پورے طور پر ادا کر سکیں گے پھر دیکھا میں نے کہ جنازہ ایک جگہ رکھا گیا اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اس کے سامنے دو زانو مراقب بیٹھے ہوئے ہیں اور میں چاروں طرف اردگرد تجہیز و تکفین غسل وغیرہ کا انتظام کرتا پھر رہا ہوں، تعبیر چونکہ ظاہر تھی کچھ بیان نہیں فرمایا۔

شام کے وقت انسپکٹر سی آئی ڈی بہاؤالدین محافظ حجاج آئے اور انہوں نے کہا کہ کل آگ بوٹ جانے والا ہے اگر آپ اس میں چلیں تو میں آپ کا انتظام کردوں، ہم نے ان سے کہا کہ آپ معتمد برطانیہ کرنل ولسن کی طرف سے مامور ہو کر ہمارے پاس آتے ہیں یہ کہ دیجئے کہ ابھی تک ہمارا سامان مکہ معظمہ سے نہیں آیا اس لیے

Marfat.com

ہم اگلے آگ بوٹ میں جائیں گے اور پھر دوسری بات ہم آپ سے بحیثیت ہندستانی اور مسلمان ہونے کے خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اگر ہم کو اس وقت ہندوستان بھیجا گیا تو جو واقعات حجاز کے ہیں ہم بلاکم و کاست وہاں کہیں گے ہم نہ جھوٹ بولیں گے نہ چھپادیں گے اور یہ امر گورنمنٹ کی سیاست کے زیادہ مخالف ہوگا اس لیے آپ کوشش کیجئے کہ گورنمنٹ تا اختتام جنگ ہم کو یہاں ہی کسی جگہ رکھ دے خواہ جدہ میں یا اور کسی قریہ یا قصبہ میں انہوں نے کہا کہ بہتر ہے اگلے روز وہ آئے اور ہم کو اپنے مکان پر لے گئے اوپر کے طبقہ جو کہ خالی تھا ہم کو رکھا اور بیچ کے طبقہ میں خود رہتے تھے اور نیچے دروازہ پر شریف کا سپاہی محافظت کرتا تھا۔ جو جہاز اس وقت موجود تھا وہ روانہ ہوگیا کرنل ولسن کسی جنگی ضرورت سے باہر چلا گیا تھا تقریباً ۲۰ یا ۲۵ دن کے بعد آیا انھوں نے اس سے کہا اس نے جواب دیا کہ ممکن نہیں کہ ان کو یہاں چھوڑ دیا جائے کیونکہ شریف کہتا ہے کہ میری قلمرو میں ان کا چھوڑنا میری مرضی کے خلاف ہے ان کو مصر بھیجنا چاہیے۔ جب ہم کو یہ خبر پہنچی تو ہم نے کہا کہ مصر سے تو ہندوستان ہی اچھا ہے آپ ہندوستان کے لیے ان سے زور دیجئے انہوں نے جواب دیا کہ اب وہ ہندوستان کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہوتا (یہ سب ان کا بیان ہے)

جدہ سے روانگی

الغرض بروز جمعہ ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ جدہ سے سوئز کو خدیوی آگ بوٹ پر ہم کو سوار کر دیا گیا، تقریباً ایک ماہ جدہ میں رہنا ہوا، نماز پنجگانہ ہم مکان پر ہی پڑھتے تھے، جمعہ کے روز بہاؤالدین ہمارے ساتھ جامع مسجد کو جو کہ قریب ہی تھی جاتا تھا اور پھر ساتھ ہی واپس ہوتا تھا، بازار میں سے اگر کوئی

Marfat.com

چیز ضروری ہوتی تھی تو اس کو اپنے ہمراہ لے جاکر خرید وا دیتا تھا یا اپنے نوکر کے ذریعہ سے جو کہ خفیہ ہی کا تھا منگوا دیتا تھا، جہاز پر سوار ہونے تک ہم اس کے زیر حراست رہے اور جہاز کی روانگی تک دو سپاہی شریف کے ہماری حفاظت کرتے رہے جبکہ وقت روانگی کا آگیا چلے گئے۔ جہاز پر کوئی پولیس ہم پر نہ تھی، جدہ میں کھانا گورنمنٹ خرچ سے بواسطہ بہاوالدین عبدالرحیم بخش کے یہاں سے پک کر دونوں وقت آتا تھا قیام جدہ میں بھی مولانا نے دو خوابیں دیکھیں، ایک یہ کہ "ایک سیاہ بھینسا نہایت مضبوط مولانا پر حملہ آور ہوا ہے اور اس نے اپنے سینگ مولانا کے سینۂ مبارک سے لگا دیے ہیں، اب یہ خیال ہے کہ اگر اس نے ذرا بھی دھکا دیا تو مجھ کو گرا دے گا، مگر وہ سینگوں کے لگا دینے کے بعد ساکت وصامت کھڑا ہو گیا، کچھ لوگ مولانا کی ہمدردی کر رہے ہیں اور اس کو پیچھے سے مارنا چاہ رہے ہیں مولانا نے فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو اگر تم نے اس کو مارا تو مجھ کو آگے کو دھکیل کر ہلاک کر دے گا۔ اسی حال میں مولانا نے اس کو غفلت دے کر ایک طرف کو اپنے آپ کو نکال لیا اور ہٹ گئے اس نے بھی کوئی تعاقب نہ کیا۔" اس کی تعبیر تو یہ دی کہ انشاء اللہ العزیز بغیر کسی کی سعی کے افادہ دینے کے ہم اس مصیبت سے نجات پائیں گے

دوسری خواب بھی اسی کے قریب تھی دیکھا کہ "ایک میدان میں ہیں اور سامنے ایک باؤلا سفید کتا بیٹھا ہے اس پر جنوں اس قدر سخت غالب ہے کہ منھ سے جھاگ جا رہے ہیں لوگ اس پر پتھر اینٹ وغیرہ پھینک رہے ہیں کہ وہ میرے سامنے اور مجھ پر حملہ کرنے سے ہٹ جاوے مگر ہٹتا نہیں تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بخود چلا گیا اور مولانا محفوظ ہو گئے" اس کی تعبیر بھی اول کے قریب تھی۔

سوئز کا پہنچنا جہاز جدہ سے روانہ ہو کر چوتھے دن بروز سہ شنبہ ۱۶ جنوری ۱۹۱۷ء

مطابق ۲۲ ربیع الاول سوئز میں صبح کو پہنچا، کچھ عرصہ کے بعد ایک گارد تقریباً اٹھارہ بیس گوروں کی سنگین اور بندوق لیے ہوئے پہنچی اور ہم کو قریب کے ایک کیمپ میں جو اسٹیشن کے قریب ہی تھا لے گئی وہاں ایک خیمہ میں ہم کو ٹھہرایا گیا اور کہا گیا کہ کل تم کو مصر روانہ کیا جائے گا ہم پر ہندوستانی سپاہی پہرے کے لیے مقرر کیے گئے اور ہندوستانیوں ہی سے ہمارے واسطے کھانا پکوا کر دیا گیا، صبح کو نماز کے وقت ہم کو ریل پر سوار کرا دیا گیا، درجہ تھرڈ کلاس تھا اور تقریباً چودہ یا پندرہ گورے سنگین لگائے ہوئے ہماری حفاظت کو ساتھ تھے، اسباب سب ہمارا ہمارے ساتھ تھا، گوروں کی گارد جنکشنوں پر ایک یا دو جگہ بدلی، سہ پہر کو تقریباً دو بجے اسی روز یعنی چہار شنبہ ۱۷ جنوری مطابق ۲۳ ربیع الاول گاڑی قاہرہ کے اسٹیشن پر پہنچی یہاں ہم اتارے گئے چونکہ نماز کا وقت تھا ہم نے پانی مانگا اور اسٹیشن ہی پر باجماعت نماز پڑھی گورے سپاہی ہمارے چاروں طرف سنگین لیے ہوئے محافظت کرتے رہے پھر عصر کی بھی نماز وہیں پڑھی جبکہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ دن باقی تھا اس وقت موٹر آیا اور ہم کو مع جملہ اسباب کے جیزہ لے گیا۔

قاہرہ اور جیزہ

ملک مصر کا دار السلطنت قاہرہ ہے جو کہ دریائے نیل کے کنارے پر واقع ہے یہ مصر میں سب سے بڑا شہر ہے اور جب سے اسلام نے اپنا سکّہ یہاں جمایا ہے ہمیشہ پادشاہانِ مصر کے قیام کی جگہ یہی شہر رہا ہے، نہایت پُر رونق اور آباد شہر ہے خدیو مصر یہاں ہی رہتا ہے اس کا اسٹیشن بھی نہایت عجیب اور بڑا بنا ہوا ہے یہاں سے ہر طرف کو گاڑیاں چھوٹتی ہیں، علمی حیثیت سے یہ بھی بہت بڑا مرکز ہے جامع ازہر علوم عربیہ کی بہت بڑی یونیورسٹی ہے علاوہ اس کے مختلف علوم و فنون

Marfat.com

کے یہاں پر یونیورسٹیاں اور کالج اور اسکول وغیرہ ہیں یہ شہر دریائے نیل کی داہنی جانب واقع ہے اور دریا کے بائیں جانب کی آبادی کا نام جیزہ ہے ان دنوں جیزہ ایک علیحدہ ضلع شمار کیا جاتا ہے۔ دریائے نیل نے ان دونوں آبادیوں کو جدا کر دیا ہے، دریا پر متعدد مقامات میں پل بنے ہوئے ہیں جو کہ کھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے کشتیاں گزر سکتی ہیں۔ ٹریموئے دونوں شہروں میں چلتی رہتی ہے

اہرام مصر پادشاہان قدیم کی عمارات یہاں جیزہ ہی میں واقع ہیں، یہاں پر زمانہ سابق کا ایک جیل خانہ تھا جس کو سیاد جیل خانہ کہتے تھے چونکہ اب خود قاہرہ میں جیل خانہ بنا دیا گیا تھا اس لیے یہ جیل خانہ بیکار ہو گیا تھا، سوداگروں کو تجارتی مال و سامان رکھنے کے لیے کرایہ پر دیا جاتا تھا، زمانۂ جنگ میں سیاسی قیدیوں کے لیے جیل کی ضرورت ہوئی تو اس کو خالی کرا لیا گیا اور اس کو (معتقل سیاسی) سیاسی قید خانہ کے نام سے موسوم کیا گیا، یہاں پر ان دنوں ڈیڑھ یا دو سو سے زائد سیاسی لوگ قید تھے جن میں اکثر حصہ مسلمانوں کا تھا اور کچھ عیسائی بھی تھے ہندوستانی بھی تقریباً آٹھ دس تھے جن میں سے عموماً وہی لوگ تھے جنھوں نے مصر میں بود و باش اختیار کر رکھا تھا، ہم مغرب سے کچھ پہلے یہاں داخل کیے گئے ہماری تلاشی لی گئی ہمارے پاس چھری یا استرہ وغیرہ جو کچھ وہ لے لیا گیا اور نقد سے متعلق کیا گیا، اس وقت ہمارے (۸۱) پونڈ انگریزی اور کچھ نقد رقم تھی جن کو ہم نے بنظر احتیاط مکہ معظمہ سے ساتھ لے لیا تھا اور تقریباً چالیس پونڈ چھوڑ دیا تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو پھر منگا لیں گے وہ سب لے لیے گئے اور بطور امانت رکھ لیے گئے اور کہا گیا کہ جب تم کو ضرورت ہوا کرے گی ملا کرے گا۔

ہم کو اندرون قید خانہ جہاں قیدی رہتے تھے شب کو داخل نہیں کیا گیا بلکہ

Marfat.com

دیوار ہائے قید خانہ کے اندر قیدیوں کے کٹہڑے سے باہر ایک خیمہ کھڑا کر دیا گیا اور اس میں چار پائیاں بچھا دی گئیں اور کھانا چاء وغیرہ ہم کو دی گئی، سنا، تو حقیقت میں سیاسی قیدیوں میں سے حاجی غلام نقشبند کابلی وغیرہ حضرات نے بھیجی مگر کھانا ترکی مطبخ میں سے گورنمنٹ کی طرف سے آیا رات بخیر و عافیت ہم نے خیمہ میں گزاری وہ ایام مصر میں سخت سردی کے تھے اور ہم مکہ معظمہ سے جو کہ گرم جگہ ہے گئے تھے مگر چونکہ ہمارے پاس کپڑے ہر قسم کے موجود تھے اس لیے کوئی سخت تکلیف نہ ہوتی تھی، صبح کو ہم سے بلا کر پوچھا کہ یہ مقدار نقد کس کے نام سے لکھی جائے۔ ہم سبھوں نے اتفاق سے کہہ دیا کہ ہم پانچوں کے مشترک ہیں کسی خاص نام کو مناسب نہ سمجھا گیا اس کے بعد ہماری چار پائیاں ایک طویل کمرہ میں داخل کر دی گئیں اور باہر سے دروازہ لوہے کی سلاخوں کا مضبوط تھا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اول وہاں کے دفتر میں لے گئے پھر وہاں سے شہر میں جہاں جنگی دفتر اور مرکز تھا دو سپاہیوں کی حفاظت میں ٹریموئے میں لے گئے کیونکہ جگہ بہت دور تھی ایک کمرہ میں مولانا کو داخل کیا گیا جو کہ چھوٹا سا تھا اس میں تین نشستیں تین انگریزوں کی تھیں، دو ان میں سے اردو نہایت صاف بولتے تھے سمجھتے تھے۔ مولانا کو کرسی پر بٹھایا گیا اس کے پاس چھپے ہوئے کاغذات تھے جن کو گورنمنٹ ہند نے ہم سبھوں کے متعلق خبریں جمع کر کے چھاپ کر وہاں بھیجے تھے، مولانا مرحوم کی ڈاڑھی بہت زیادہ تھی اتفاق سے مولانا کو اس وقت کچھ پیشاب کا تقاضا تھا کچھ تنہائی رفقاء کا خیال کچھ انگریزوں اور دنیاوی حکام سے نفرت، اس نے اوّلاً مولانا کا نام اور پتہ وغیرہ پوچھنا شروع کیا اور پھر دوسری باتیں پوچھیں۔ مولانا نے نہایت مختصر اور محض اکھڑے ہوئے طریقہ پر بلا التفات و توجہ کے جوابات دیے جس طریقہ کو غالباً

Marfat.com

اس نے تمام عمر میں کہیں دیکھا نہ تھا، اس وجہ سے اس نے حکیم نصرت حسین صاحب سے شکایت کی اور کہا کہ غالباً مولانا کو کبھی حکام سے ملنے اور ان سے طرزِ معاشرت کا سابقہ نہیں پڑا ہے، اس نے پتہ وغیرہ لکھنے کے بعد سوالات کیے۔

سوال مستنطق: آپ کو شریف نے کیوں گرفتار کیا؟

جواب مولانا: اس کے محضر پر دستخط نہ کرنے کی بناء پر

سوال مستنطق: آپ نے اس پر کیوں نہ دستخط کیے؟

جواب مولانا: مخالفِ شریعت تھا۔

مستنطق: آپ کے سامنے مولوی عبدالحق حقانی کا فتویٰ ہندوستان میں پیش کیا گیا تھا؟

مولانا: ہاں!

مستنطق: پھر آپ نے کیا کیا؟

مولانا: رد کر دیا۔

مستنطق: کیوں

مولانا: مخالفِ شریعت تھا۔

مستنطق: آپ مولوی عبیداللہ کو جانتے ہیں؟

مولانا: ہاں

مستنطق: کہاں سے؟

مولانا: انھوں نے دیوبند میں مجھ سے عرصہ دراز تک پڑھا ہے۔

مستنطق: وہ اب کہاں ہیں؟

مولانا: میں کچھ نہیں کہہ سکتا، میں عرصہ ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوتا ہے کہ حجاز وغیرہ

میں ہوں۔

مستنطق: ریشمی خط کی کیا حقیقت ہے؟

مولانا: مجھ کو کچھ علم نہیں، نہ میں نے دیکھا ہے۔

مستنطق: وہ لکھتا ہے کہ آپ اس کی سیاسی سازش میں خلافِ برطانیہ شریک ہیں۔ اور آپ فوجی کمانڈار ہیں؟

مولانا: وہ اگر لکھتا ہے تو اپنے لکھنے کا وہ خود ذمہ دار ہوگا، بھلا میں اور فوجی کمانداری میری جیسی حالت ملاحظہ فرمایئے اور پھر عمر کا اندازہ کیجئے، میں نے تمام عمر مدرسہ کی مدرسی میں گزاری، مجھ کو فنون حربیہ اور فوج کی کمان سے کیا مناسبت۔

مستنطق: اس نے دیوبند میں جمعیۃ الانصار کیوں قائم کی تھی؟

مولانا: محض مدرسہ کے مفاد کے لیے۔

مستنطق: پھر کیوں علیحدہ کیا گیا؟

مولانا: آپس کے اختلاف کی وجہ سے۔

مستنطق: کیا اس کا مقصد اس جمعیۃ سے کوئی سیاسی امر نہ تھا؟

مولانا: نہیں۔

مستنطق: غالب نامہ کی کیا حقیقت ہے؟

مولانا: غالب نامہ کیسا؟

مستنطق: غالب پاشا گورنر حجاز کا خط جس کو محمد میاں لے کر حجاز سے گیا ہے اور آپ نے غالب پاشا سے اس کو حاصل کیا ہے۔

مولانا: مولوی محمد میاں کو میں جانتا ہوں وہ میرا رفیق سفر تھا مدینہ منورہ سے مجھ سے جدا ہوا ہے وہاں سے لوٹنے کے بعد اس کو جدہ اور مکہ میں تقریباً ایک

Marfat.com

ماہ ٹھہرنا پڑا تھا، غالب پاشا کا خط کہاں ہے جس کو آپ میری طرف منسوب کرتے ہیں؟

مستنطق: محمد میاں کے پاس ہے۔

مولانا: مولوی محمد میاں کہاں ہے؟

مستنطق: وہ بھاگ کر حدود افغانستان میں چلا گیا ہے۔

مولانا: پھر آپ کو خط کا پتہ کیونکر چلا؟

مستنطق: لوگوں نے دیکھا

مولانا: آپ ہی فرمائیں کہ غالب پاشا گورنر حجاز اور میں ایک معمولی آدمی میرا وہاں تک کہاں گزر ہو سکتا ہے، پھر میں ناواقف شخص نہ زبان ترکی جانوں نہ پہلے سے ترکی حکام سے کوئی ربط وضبط، حج سے چند دن پہلے مکہ معظمہ پہنچا، اپنے امور دینیہ میں مشغول ہو گیا، غالب پاشا اگرچہ حجاز کا گورنر تھا مگر طائف میں رہتا تھا میری وہاں تک رسائی نہ حج کے پہلے ہو سکتی تھی نہ بعد از حج یہ بالکل غیر معقول بات ہے کسی نے یوں ہی اڑائی ہے۔

مستنطق: آپ نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کی؟

مولانا: بے شک۔

مستنطق: کیونکر؟

مولانا: جب وہ مدینہ میں ایک دن کے لیے آئے تھے تو صبح کے وقت انہوں نے مسجد نبوی میں علماء کا مجمع کیا مجھ کو بھی حسین احمد اور وہاں مفتی اس مجمع عام میں لے گئے اور اختتام مجمع پر انہوں نے دونوں وزیروں سے مصافحہ کرا دیا۔

مستنطق: آپ نے اس مجمع میں کوئی تقریر کی؟

مولانا: نہیں۔

Marfat.com

مستنطق: کیوں ؟

مولانا: مصلحت نہ سمجھا۔

مستنطق: مولوی خلیل احمد صاحب نے تقریر کی ؟

مولانا: نہیں۔

مستنطق: حسین احمد نے کی ؟

مولانا: ہاں

مستنطق: پھر کچھ انور پاشا نے آپ کو دیا ؟

مولانا: ہاں اتنا معلوم ہوا تھا کہ حسین احمد کے مکان پر ایک شخص پانچ پانچ پونڈ لے کر انور پاشا کی طرف سے آئے تھے۔

مستنطق: پھر آپ نے کیا کیا۔

مولانا: حسین احمد کو دے دیا تھا۔

مستنطق: ان کاغذات میں لکھا ہے کہ آپ سلطان ٹرکی اور ایران اور افغانستان میں اتحاد کرانا چاہتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کرا کے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرانا چاہتے ہیں اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں ؟

مولانا: میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ کو بھی حکومت کرتے ہوئے اتنے دن گزر چکے ہیں کیا آپ گمان کر سکتے ہیں کہ میرے جیسے گمنام شخص کی آواز بادشاہوں تک پہنچ سکتی ہے اور پھر کیا سالہا سال کی ان کی عداوتیں میرا جیسا شخص زائل کرا سکتا ہے اور پھر اگر زائل بھی ہو جاوے تو کیا ان میں ایسی قوت ہے کہ وہ اپنے ملک کی ضرورتوں سے زائد سمجھ کر ہندوستان کی حدود پر فوجیں پہنچا دیں اور اگر پہنچا بھی دیں تو آیا ان میں آپ سے طاقتِ جنگ کی ہو گی ؟

مستنطق : فرماتے تو آپ سچ ہیں مگر ان کاغذات میں ایسا ہی لکھا ہے۔

مولانا : اس سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں کی باتیں کس قدر پایۂ اعتبار رکھ سکتی ہیں؟

مستنطق : شریف کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

مولانا : وہ باغی ہے۔

مستنطق : حافظ احمد صاحب آپ کو جانتے ہیں؟

مولانا : "خوب" وہ میرے استاذ زادے ہیں اور بہت سچے اور مخلص دوست ہیں میری تمام عمر ان کے ساتھ گزری ہے۔

غرضکہ اسی قسم کے بہت سے سوالات وہ کرتا رہا، حدود افغانستان اور قبائل نیز کابل وغیرہ کی نسبت بھی سوالات کیے، مولانا بھی مختصر جملوں میں مگر نہایت ... کے ساتھ جواب دیتے رہے وہ سب کو انگریزی میں لکھتا رہا اور پھر مولانا کو جیل میں واپس کر دیا، مگر مولانا جیل میں واپس ہونے کے بعد ہمارے پاس نہیں لاتے گئے بلکہ اندر جیل خانہ میں بھیج دیے گئے، اور وہاں ایک چھوٹی کوٹھڑی میں تین چارپائیوں کی جگہ تھی دو برابر طول میں بچھ سکتی تھیں اور ایک عرض میں مگر ایک ہی چارپائی اس میں بچھی ہوئی تھی۔

مصر کے سیاسی قید خانہ کی چارپائی

وہاں چارپائیاں چیڑ کی لکڑی کے تین تختے سے لمبائی میں دو پٹیوں پر رکھ دینے سے بن جاتی ہیں، ان دونوں پٹیوں میں معمولی سہ شاخہ پائے جڑے ہوتے ہیں اس صورت پر

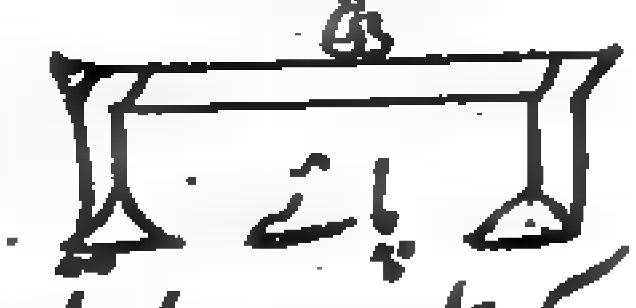

اس چارپائی کی نقل وحرکت میں آسانی ہوتی ہے، تینوں تختے اوپر کے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور دونوں پٹیاں علیحدہ ہوتی ہیں، اس

چارپائی پر موٹا گدا بچھا ہوا تھا جس میں ناریل کا برف بھرا تھا اور گدے پر تین کمبل ایک بچھانے اور دو اوڑھنے کے لیے رکھے تھے۔

جیزہ کی قید تنہائی کے قواعد

کوٹھڑی میں ایک طرف کو ایک بالٹی رکھی تھی جس میں وضو پاخانہ پیشاب کرنے کا حکم تھا، اس بالٹی پر ڈھکنا بھی ہوتا تھا کوٹھڑی کا دروازہ لکڑی کا تھا جس میں کوئی سوراخ نہ تھا، کوٹھڑی میں پشت کی جانب سے ایک روشندان بہت اونچائی سے تھا جس سے ہوا اور دن کو روشنی آتی رہتی تھی، صبح کو ایک گھنٹہ اور شام کو ایک گھنٹہ ہوا کھلانے کے لیے نکالتے تھے، اسی وقت بالٹی بھی میلا صاف کرنے والے خدام لے جاتے تھے صاف کر کے پھر رکھ جاتے اور کمرہ میں جھاڑو دے جاتے، ایک ایک صراحی ہر کمرہ میں جس کی قیمت ہم کو اپنے پاس سے دینی پڑتی تھی اور علی ہذا القیاس خادموں کی تنخواہ بھی جن کا کام کھانا لانا، پانی لانا، جھاڑو دینا، بالٹی صاف کرنا تھا ہم کو دینا پڑتا تھا گورنمنٹ کی طرف سے فی کس بارہ قرش صاغ یعنی تقریباً ایک روپیہ آٹھ آنے یومیہ ہر اسیر کو ملتے تھے، جس میں وہ اپنے جملہ مصارف کا متکفل تھا، وہاں پر اسیروں نے حسبِ مذاقِ خود اپنے اپنے باورچی خانے (میز) بنا رکھے تھے، جن لوگوں کو ترکی کھانوں کا مذاق تھا انھوں نے اپنی شرکت میں ایک باورچی خانہ کھول رکھا تھا جس میں باورچی ترکی کھانا پکانے والا کام کرتا تھا، انتظام سب اسیر کرتے تھے، ہر مہینہ میں سیکرٹری منتخب کیا جاتا تھا اور وہ حسب مشورہ ضروریات منگاتا اور پکواتا تھا، مگر اسی مقدار میں جتنا کہ گورنمنٹ نے مقرر کر رکھا تھا، اسی طرح مصریوں کی میز (باورچی خانہ) علیحدہ تھا اس کا باورچی مصری کھانے پکاتا تھا، جو عیسائی ان دونوں میں سے کھانا نہیں چاہتے تھے ان کی میز علیحدہ تھی، ہمارا کھانا ترکی میز سے آتا تھا، علی الصباح ایک ایک گلاس سادہ

Marfat.com

چائے اور کبھی دودھ کے ساتھ انڈے، مسکہ، پنیر، مربّا، جیلی پاؤ روٹی کا ایک یا دو ٹکڑا آتا تھا، مگر سب ایک دن میں نہیں بلکہ روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ کبھی کچھ ہوتا تھا کبھی کچھ البتہ اکثر نمکین اور میٹھا دونوں میں سے ایک ایک قسم ضرور ہوتی تھی، دوپہر کے وقت روٹی کے ساتھ دو تین قسم کے سالن ہوتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دن مرغ اور ایک دن دوسرے پرندوں کا گوشت بھی ہوتا تھا باقی ایام میں دنبہ کا گوشت ہوتا تھا پلاؤ یا میٹھی قسم کا بھی کوئی کھانا اکثر ہوتا تھا، شام کا کھانا مختصر ہوتا تھا یعنی فقط ایک قسم کا سالن اکثر ہوتا تھا اور کبھی کبھی اس کے ساتھ میٹھا بھی ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ کھانا بہت اچھا تھا اور لذیذ بھی ہوتا تھا۔ نمک پانی درست تھا، ان عربی کھانوں کی طرح سے نہیں ہوتا تھا جن میں نہ نمک ہوتا ہے نہ مرچ۔ ہم میں سے اپنے حصہ کو کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا تھا، کھانے کے وقت دروازہ کھول کر اندر داخل کر دیتے تھے۔ ہم کو شمع جلانے کی اجازت تھی اس لیے ہم اپنے پیسہ سے شمع اور دیا سلائی منگا لیتے تھے اور اندر کھانے یا پڑھنے وغیرہ کے وقت جلا لیتے تھے ہم کو کسی سے باتیں کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ کسی کو ہم سے۔

ٹہلنے کی جگہ

جبکہ صبح کو ایک گھنٹہ کے لیے ٹہلنے کو نکالتے تھے تو عام میدان میں ہم ٹہل نہیں سکتے تھے بلکہ حجروں کے پیچھے ایک محفوظ جگہ تھی وہاں پر ٹہلنے کا حکم تھا اس کے ہر طرف دیواریں تھیں ایک طرف ٹین کی دیوار بنی ہوئی تھی اور ایک طرف تاروں کی جالی تھی اور اسی طرف سے دروازہ تھا، محافظ اس دروازہ کو کھول کر ہم کو ٹہلنے کے لیے داخل کر دیتا تھا اور قفل لگا دیتا تھا ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد ایک آدمی کو نکال کر اس کے کمرہ میں بند کر کے دوسرے کو ہوا کھانے کے لیے اس پنجرے میں

Marfat.com

بند کر دیتا تھا یہ ٹہلنے کی جگہ کھلی ہوئی تھی آسمان نظر آتا تھا چونکہ فروری کا زمانہ تھا اور مصر کی سردی تھی اس لیے وہاں دھوپ کی خواہش بہت ہوتی تھی وہاں دیواروں پر سپاہی پہرہ دیتے تھے ان کو سخت تاکید تھی کہ کوئی شخص ان کے کمروں کے پاس آنے نہ پائے، اور نہ دن میں اور نہ رات میں کوئی ان سے گفتگو کر سکے اس لیے کوئی شخص پاس نہ پھٹک سکتا تھا۔ جس کا نقشہ تقریباً یہ تھا۔

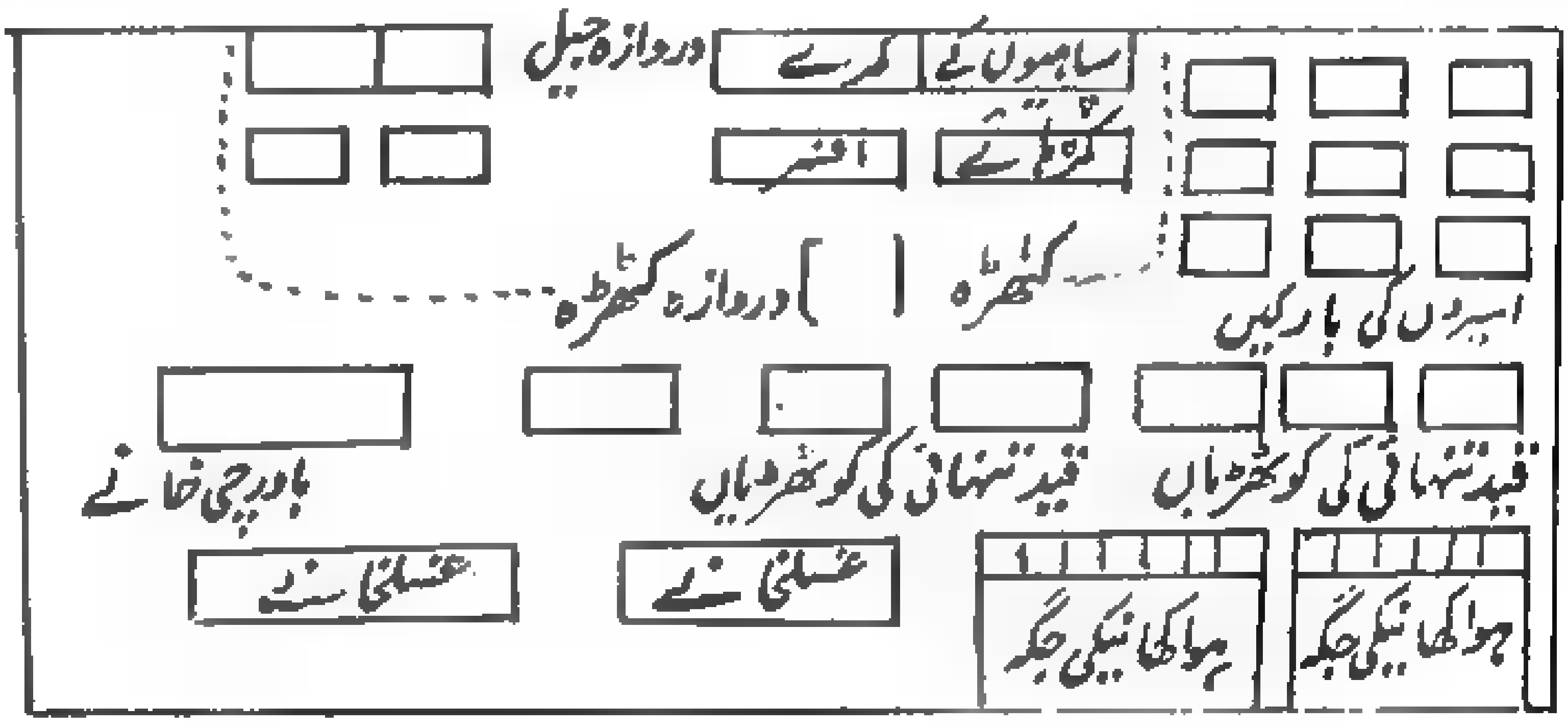

البتہ بعض احباب ہندوستانی کبھی کبھی رات کو آکر گفتگو کر جاتے تھے جن میں سے الہ آباد کے صوفی مولوی شاہ محمد خاں صاحب جو کہ قاری عبدالوحید صاحب الہ آبادی کے قریب بھی ہوتے ہیں اور حاجی غلام نقشبند صاحب کابلی اور غلام جیلانی صاحب خاص کر قابل شکریہ ہمدردی فرماتے رہے خصوصاً صوفی صاحب نے بہت زیادہ ہمدردی کا قابلِ وقعت حصہ لیا، ممدوح ایک زمانہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھا بھی کرتے تھے اور مدینہ منورہ بھی گئے تھے اس لیے ان کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور کاتب الحروف سے واقفیت بھی تھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مولانا کو تو کوٹھڑی کے اندر بند کر دیا گیا مگر ہم کو یہی خیال ہوا کہ مولانا کو اندر لے جا کر جملہ اسیروں کے ساتھ کسی بارک میں چھوڑ دیا گیا ہوگا۔ مولانا نے

Marfat.com

اپنی ضروریات قرآن شریف دلائل الخیرات، تسبیح وغیرہ طلب فرمائی، ہم نے یہ چیزیں اور چند پان اور لوٹا وغیرہ بھیج دیا ہم کو معلوم نہ تھا کہ مولانا کوٹھڑی میں بند ہیں، مولانا کو قدرے پان کی وجہ سے تکلیف ہوئی مگر حتی الوسع خبر گیری رکھی گئی مولانا مرحوم کو جب وہاں بند ہو گئے تو یہ خیال ہوا کہ مجھ کو سزائے پھانسی دی جائے گی کیونکہ مشہور ہے کہ جس کے لیے پھانسی کا حکم ہوتا ہے اسی کو کال کوٹھڑی میں رکھا جاتا ہے، ادھر دوستوں اور دشمنوں نے مولانا کی نسبت جھوٹی اور سچی خبروں کے پہنچانے میں کوئی کوتاہی کی ہی نہ تھی، جن باتوں کی نسبت خیال تک بھی نہ تھا وہ باتیں گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائی گئیں۔

مولانا کا فکر

حقیقت میں مولانا مرحوم کو اپنی جان کا کوئی فکر نہ تھا جیسا کہ ان کے کلام سے معلوم ہوا، فقط ان کو دو فکر تھے ایک یہ کہ میری وجہ سے یہ چند رفقاء بھی اذیت اور تکالیف میں پڑے خدا جانے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اور دوسرا وہ تھا جو کہ حقیقت میں اہل بصیرت اور بڑے مرتبہ والوں کو ہوا کرتا ہے یعنی چونکہ بارگاہ الٰہی نہایت بے نیاز بارگاہ ہے جس کے استغنا اور علو نے تمام اکابر کو ان کے درجہ کے موافق بے چین کر رکھا ہے۔ نزدیکاں را بیش بود حیرانی اس کا راز ہے ؎

زدرودیں ہمہ پیران رہ را جگر ہا خستہ دلہا کباب است

اس کا سر ہے۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم متواصل الاحزان دائم الفکرۃ نظرہ الی الارض اکثر من نظرہ الی السماء (جناب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (جن کے لیے فرمایا گیا ہے ولسوف یعطیك ربك فترضٰی اور لیغفرلك اللّٰہ ما تقدم من ذنبك وما تأخّر

Marfat.com

یعنی عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے مطلوب کو دے کر تم کو راضی کر دے گا اور تمہارے فتح مکہ کرنے کے ثمرات میں تمہارے اگلے اور پچھلے گناہوں کا معاف ہونا بھی ہے) ہمیشہ غمگین اور ہر وقت فکر میں مستغرق رہتے تھے آپ کی نظر زمین کی طرف آسمان کی نسبت زیادہ رہتی تھی اور اس قسم کی حدیثیں اس کے شواہد حالی ہیں۔

الغرض جو جس قدر معرفت باطنی اور حقیقی علوم دیا گیا ہے وہ اسی قدر عظمت الٰہی کے سامنے خائف اور لرزاں رہتا ہے وہ کیسا بھی عظیم الشان کام کرے اور کتنی ہی نیت صاف اور خالص بنا کر پیش کرے مگر احکم الحاکمین بے نیاز کے سامنے اس کو اطمینان کہاں، جب تک خاتمہ بالخیر اور سلامتِ عواقب پر مہر نہ ہو جاوے جب تک پریشانی ہی ہے۔ چنانچہ مولانا کو یہ پریشانی بہت زیادہ پریشان رکھتی تھی، چھٹے یا ساتویں روز جبکہ ہم سب اس ہوا خوری کی جگہ میں جمع ہوئے اور نہایت آزادی سے ہر ایک نے اپنے احوال بیان کیے اور مولانا کے افکار کا حال معلوم ہوا تو مولانا سے بعض خدام نے سبب پوچھا کیونکہ اس مدت میں مولانا نے بالکل کھانا نہیں کھایا کثرتِ افکار اور استغراقِ باطنی کی بناء پر کھانا ویسا ہی واپس ہو جاتا تھا فقط چاء پیتے تھے اور پان کھاتے رہتے تھے (کیونکہ تمباکو کھانے کی بہت عادت تھی، سوکھے پان مکہ معظمہ سے ہم نے بہت سے رکھ لیے تھے) ممکن ہے کہ کبھی ایک دو لقمہ روٹی کھا لی ہو مگر مجھ کو جہاں تک معلوم ہے نہ اس مدت میں کھانا کھایا نہ قضاء حاجت فرمایا البتہ پیشاب برابر کرتے رہے ان کو ہمیشہ سے غذا کی تقلیل میں بہت سرگرمی تھی اسی وجہ سے قلتِ غذا ان کی طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے قضائے حاجت کی ضرورت بھی بہت کم ہوتی تھی اور پھر بھی فضلہ نہایت کم خارج ہوتا تھا، عموماً فضلہ ان کا پیشاب کے ذریعہ سے نکل جاتا تھا، ان کی صحت کی نشانی کثرتِ ادرار بول

Marfat.com

تھا اور جب کبھی اس میں کمی ہو جاتی تھی جبھی بیمار ہو جاتے تھے، قبض ان کو اکثر رہتا تھا، فرمایا کہ مجھ کو برابر یہ خیال دامن گیر رہا کہ میری وجہ سے تم سب بھی پکڑے گئے اور پھر اس خیال نے کہ غالباً ہم سبھوں کو سزائے موت دی جائے گی اور بھی بے چین کر دیا تھا، میرا کچھ نہیں تھا میں اپنی طبعی عمر سے تجاوز کر چکا ہوں مگر تم سب کی طرف سے بہت بڑا خیال تھا اور ہے کہ تم سب نوعمر میری وجہ سے گرفتار ہوئے۔ خدام نے عرض کیا کہ یہ سب خدا کے راستہ میں واقع ہوا ہے پھر کیا فکر ہے اس وقت میں مولانا کی عجیب حالت تھی حالانکہ ضبط نہایت قوی تھا کبھی اپنے آپ کو بے اختیار نہیں ہونے دیتے تھے مگر اس وقت بے اختیار ہو گئے آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمانے لگے کہ بھائی خدا کی درگاہ نہایت بے نیاز ہے، بھی تو ڈر ہے، آدمی اپنی جان تک دے دے مگر کیا خبر وہ قبول فرماتے ہیں یا نہیں یہ کہ کر چپ ہو گئے اور کچھ عرصہ تک خاموش رہے۔

مولانا کا اپنے غلاموں کے ساتھ برتاؤ

مولانا مرحوم میں مروّت کا مضمون نہایت زیادہ تھا اور اسی وجہ سے غلاموں کا نہایت زیادہ خیال رہتا تھا، یوں تو ہر بڑے کو اپنے کا خیال ہوتا ہے مگر طبائع مختلف پیدا کی گئی ہیں، مولانا مرحوم میں جس قدر یہ مضمون تھا عموماً بڑوں میں نہیں دیکھا گیا، مگر اس کے ساتھ ایک خاص ادا بھی تھی جو کہ شاذ و نادر ہی کہیں پائی جاتی ہو، جب کبھی اپنے آدمی کا کسی اجنبی سے مقابلہ کسی بات میں دیکھتے یا پاتے تھے تو اپنے خدام کو دباتے تھے اور ہمیشہ اجنبی کو جتاتے تھے اور جس قدر تعلق اپنے سے ہوتا تھا اسی قدر اس کو دباتے تھے اور یہی حالت بعینہٖ اپنی ذات کے ساتھ تھی مگر قلبی تعلق اور حقیقی طور سے خیر خواہی اپنے جاں نثاروں کی بے حد فرماتے تھے جس شخص نے تھوڑا سا بھی

Marfat.com

کبھی احسان اور کوئی خدمت اخلاص سے کی ہوتی تو ہمیشہ اس کا خیال رکھتے ہوئے اس کے احسان کو مثل پہاڑ ایک عظیم چیز خیال فرماتے تھے، اخیر زمانہ میں جن لوگوں نے مسائل حاضرہ میں موافقت کرتے ہوئے ہر طرح مستعدی اور جاں نثاری سے کام لیا تھا، ان سے تو مولانا کو بہت ہی گہرا تعلق ہو گیا تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم سبھوں نے عموماً اور کاتب الحروف نے خصوصاً مولانا کے کمالات کو پہچانا اور نہ ان کی خدمت کما حقہ ادا کی بلکہ حد خدمت کا عشر عشیر بھی ادا نہیں کر سکے اپنی نالائقی و کم ظرفی سے ہمیشہ ایسی باتیں بھی کرتے ہیں جن کی وجہ سے مولانا کو تکلیف جسمی یا روحی کی نوبتیں آتی رہیں مگر ان کا حوصلہ اور ضبط اور عادت صفح اور عفو نے ان کو مجبور رکھا کہ ہماری نالائقیوں پر خیال بھی نہ فرمائیں انھوں نے اخیر وقت تک اپنے غلاموں کے خیال کو اپنے دل سے باہر نہیں کیا، خداوند کریم عالم برزخ اور آخرت میں بھی ان کی توجہ کو ہم نالائق غلاموں کی طرف مبذول کرا کر باعث نجات کرے۔ آمین ؎

قبر سے اُٹھ کے پکاروں جو رشید و محمودؔ　بوسہ دیں لب کو مرے مالک و رضواں دونوں

مولانا کی توجہ اور فکر کا اثر

یہی غلاموں کا فکر ان کو قید تنہائی میں بھی بے چین کیے ہوئے تھا جس کا ایک ظاہر اور باہر اثر ہم پر یہ تھا کہ ہم قسمیہ کہتے ہیں کہ باوجودیکہ ہم نئے پھنسے ہوئے تھے کبھی ایسے احوال ہم پر گزرے نہ تھے نو عمر تھے اپنے جملہ عزیز و اقارب سے جدا تھے بالکل پردیس میں تھے نہ کوئی مونس تھا نہ غمگسار نہ واقف نہ رازدار مگر نہ کسی چھوٹے کو نہ بڑے کو کوئی اضطراب، کوئی قلق کوئی بے چینی نہ تھی، رونا دھونا، جزع فزع کرنا جیسے کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے یہ تو درکنار دل میں بھی ذرا سا گھبراہٹ نہ تھا نہ گھر کے

Marfat.com

اعزہ و اقارب کی یاد بے چین کرتی تھی، حالانکہ عام طور سے ہم سب کو یقین یا ظن غالب پھانسی کا تھا، مولوی عزیز گل صاحب تو اپنی کوٹھڑی میں رہ رہ کر اپنی گردن اور گلے کو پھانسی کے لیے ناپتے اور دباتے تھے تاکہ ذرا عادت ہو جائے اور پھانسی کے وقت یکبارگی تکلیف سخت پیش نہ آئے اور تجربہ کرتے تھے کہ دیکھوں کس قسم کی تکلیف ہوتی ہے مگر سب کے دل نہایت مطمئن تھے گویا کہ نانی کے گھر میں آرام کر رہے ہیں کبھی یہ واہمہ بھی نہیں گزرتا تھا کہ کاش ہم مولانا کے ساتھ نہ ہوتے یا کاش ہم اس کام اور خیال میں شریک نہ ہوتے (وللہ الحمد والمنۃ) ہم کو بہت ہی تھوڑے دنوں میں ان کوٹھڑیوں سے خاص الفت ہو گئی تھی جن سے جدائی پر ایک درجہ کا قلق ہوا تھا۔ حضرات! یہ مولانا کی کرامت اور اُن کا خاص تصرف روحانی تھا ورنہ کہاں ہم سب اور کہاں یہ استقلال۔

غرضکہ پنج شنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۱۷ء کو مولانا کے اظہار لیے گئے اور اسی دن وہ قید تنہائی یعنی کال کوٹھڑی میں جس کو اہلِ مصر (زنزنہ) کہتے ہیں بند کر دیے گئے اور بروز جمعہ مجھ کو (کاتب الحروف) کو کچہری میں بلایا اور مجھ سے اظہارات لیے گئے ہیں چونکہ ہمیشہ سے فضول گو اور کثیر الکلام ہوں میں نے زمین و آسمان کے قلابے بہت کچھ ملائے میرا بیان دو دن تک لکھتا رہا اور بار بار کہتا تھا کہ تم لوگوں کی نسبت ہمارے کاغذات میں باتیں تو پھانسی کی ہیں مگر تم اقرار نہیں کرتے۔

شریف کی بغاوت، مسئلہ خلافت کے متعلق ٹرکی حکومت سے اسلامی علائق وغیرہ کی نسبت سب کے بیان بحمد اللہ ایک ہی رہے کوئی بھی حق کہنے سے نہیں ٹلا البتہ جو دوسرے اتہامات یا افواہیں تھیں ان کا مناسب جواب سب نے

Marfat.com

دیا، سب سے اخیر میں یہ بھی پوچھا گیا کہ گورنمنٹ کے لیے تم کوئی مشورۂ خیر دیتے ہو تو غالباً سبھوں نے کہا کہ ہاں شریف کی مدد نہ کی جائے اور سلطان سے لڑائی نہ کی جائے اس میں گورنمنٹ کا بڑا نقصان ہوگا، آخر کار مجھ کو بھی ایک دوسری کوٹھڑی میں جو مولانا کی کوٹھڑی کے بعد تھی رکھا گیا پھر وحید سے اظہار لیے گئے اور مولوی عزیز گل صاحب سے اخیر میں حکیم نصرت حسین صاحب کو بلایا گیا اور ان سے کہا کہ ہم تمہاری نسبت کچھ ڈائری میں نہیں پاتا، انھوں نے کہا کہ جناب میں تو حقیقت میں ان جملہ اشخاص خصوصاً مولانا کی طرح بالکل بے قصور ہوں مگر بات یہ ہے کہ مولانا بڑے آدمی ہیں اس وجہ سے اصحاب اغراض کو ان سے اور ان کے خدام سے مقاصد اور اغراض ہیں اس لیے مولانا کی نسبت افواہیں مشہور کی گئی ہیں اور میں تو ایک سرکاری زمیندار آدمی ہوں ہمیشہ مقدمہ بازی وغیرہ میں مبتلا رہا ہوں، مجھ پر گورنمنٹ کے بڑے بڑے احسانات ہیں جن کو انھوں نے ذکر کیا اور کہا کہ مجھ کو تو بلا وجہ پکڑ لیا گیا، میں مولانا کا شاگرد ہوں اور مجھ کو مولانا کے احوال اور ان کے بدخواہوں کے احوال سے واقفیت ہے میں بغرض حج وزیارت آیا، بعد از حج بہ نیت زیارت، مدینہ منورہ مولانا کے پاس ٹھہر گیا شریف نے مجھ کو پکڑ کر بھیج دیا، شریف کی نسبت اور اس کی حکومت کے متعلق اور گورنمنٹ سے اس کے ناجائز تعلقات، کی برائی میں انھوں نے خوب تفصیلی بیان دیا مگر بالکل خیر خواہانہ طریقہ پر: وہ مقدمہ بازی اور قانون وغیرہ سے واقف تھے اور انگریزی بھی جانتے تھے آخر کار ان کو بھی کوٹھڑی میں سب سے اخیر میں بھیجا گیا مگر چونکہ کوٹھڑیاں فقط چار خالی تھیں اور ہم پانچ آدمی تھے اس لیے ان کی چارپائی مولانا مرحوم کی کوٹھڑی میں رکھی گئی، جس روز وہ وہاں لائے گئے تو انھوں نے ہم سبھوں پر جو واقعات ہوئے تھے مولانا کو اجمالاً سنائے اور کہا کہ اور باقی رفقاء بھی انھی کوٹھڑیوں

Marfat.com

بیں ہیں، وضو وغیرہ میں اعانت بھی کی اس وقت مولانا مرحوم کے افکار میں کسی قدر کمی ہوئی اس روز ان کے اصرار پر مولانا نے کچھ کھایا بھی اور چارپائی پر راحت فرمائی کیونکہ ان چھ سات دنوں تک مولانا نے چارپائی پر کمر بھی نہیں لگائی تھی بلکہ چارپائی کے پائتیں زمین پر کمبل بچھا کر بیٹھ گئے اور قرآن اور دلائل الخیرات، تسبیح، مراقبہ، نماز وہیں کمبل پر سب مشاغل ادا کرتے تھے، مراقبہ میں بیٹھے بیٹھے کچھ نیند آگئی آگئی ورنہ استراحت بالکل نہیں فرمائی۔ ہم میں سے کوئی نہ ان کو دیکھ سکتا تھا نہ وہ ہم کو دیکھ سکتے تھے اور نہ آپس میں باتیں کر سکتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ تمام مدت اسارت میں یہ سات آٹھ دن نہایت سخت ہم سبھوں پر گزرے مگر سب سے زیادہ سختی مولانا مرحوم پر ہوئی اس کے بعد معاملہ روزانہ آسان ہی ہوتا رہا، اس سختی میں سوائے مذکورہ امور کے اور کوئی نئی بات نہیں پیش آئی مگر ناتجربہ کاری خیالات، ہجوم افکار، تفرد، پائخانہ پیشاب کا حبس وغیرہ وغیرہ باعث تکالیف ہوا، کوئی ولی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے امور طبعیہ بشریہ سے منزہ نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کی آزادی، اسلام کی قوت اور ترقی کی دھن میں مولانا نے اپنی جسمی اولاد اور نسبی رشتہ داروں سے قطع نظر ایک بڑے درجہ تک کر رکھا تھا مگر جو روحی اولاد اس دھن اور اس خیال میں شریک اور نہایت اخلاص کے ساتھ داد رفاقت دے رہی تھی (اگرچہ وہ نالائق تھی) ان سے قطع نظر کرنا نہایت شاق تھا، ان سے علیحدگی ان کے نفس پر بہت ہی دشوار گزرتی تھی، بعینہ ایسا حال ہو گیا تھا جیسا کہ ایک شفیق ماں جب تک اس کے سامنے رہیں خواہ وہ کسی حال اور کسی فعل میں ہوں اس کو اطمینان رہتا ہے حالانکہ وہ اپنے کاروبار اور گھرستی کے افکار میں مشغول رہتی ہے مگر جہاں ان سے جدائی ہوگئی اور وہ تنہا رہ گئی تو دنیا اس پر اندھیری ہو جاتی ہے اس تفرد اور تنہائی نے مولانا کے قلب پر بڑا اثر کیا تھا۔ جب سبھوں کے بیانات ہو گئے تو

Marfat.com

ساتویں دن صبح کو ہم سبھوں کو ہوا خوری کے لیے ایک ہی گھنٹہ میں کھولا گیا اور سب کو مجتمعاً اس جگہ میں جہاں روزانہ ٹہلتے تھے بند کیا گیا، اس وقت کی خوشی کو نہ پوچھیے۔

ہم لوگوں کے زیادہ فکر کی ایک خاص وجہ

چونکہ ہم سب ایک تو گرفتار، دوسرے ایسے وقائع سے بالکل ناتجربہ کار تھے تیسرے ہمارے اذہان یہاں تک پہنچے ہی نہ تھے کہ گورنمنٹ کو لوگوں نے اس درجہ ہم سے بدظن کیا ہے، چوتھے اس وقت تک بھی گمان تھا کہ ہماری گرفتاری محض شریف کی شکایت اور اس فتوے (محضر) کی مخالفت کی وجہ سے ہوئی ہے کہ گورنمنٹ کو اگرچہ مولانا سے بدگمانی ہے مگر اس کو یہاں تک پرخاش اور بدظنی نہیں کہ ہم کو حجاز سے پکڑوا دے اس لیے ہم سبھوں نے آپس میں جو کچھ سوچ لیا تھا اور اتفاقی رائے پاس کی تھی وہ یہی تھی کہ ہم سے شریف اور اس کے افعال اور فتوے کے متعلق پوچھا جائے گا اس میں بلا خوف اور بلا ہراس وہ حق جس کو ہم کل کو خداوند اکرم کے سامنے کہیں گے اور کہہ سکیں گے ظاہر کر دیں گے، باقی امور جن کی نسبت ہم سے یہاں (مصر) اظہار کے وقت پوچھا گیا ان میں سے بہت سی باتوں کا تو علم ہی نہ تھا اور اگر کسی بات کا کسی درجہ تک علم تھا تو نہ اس قدر جس قدر کہ گورنمنٹ کو پہنچایا گیا اس لیے نہ تو ان امور کے متعلق آپس میں کبھی گفت و شنید کی نوبت آئی اور نہ کوئی متحدہ رائے قرار پائی۔ اب اظہار جو اس خاص طریقہ سے لیا گیا کہ کوئی بھی دوسرے کو کسی قسم کی خبر نہ دے سکا تا کہ سوچا جاتا اس لیے اس وقت (اظہار کے وقت) جو جس کے سمجھ میں آیا یا جس قدر معلوم تھا کہہ دیا گیا اب سب کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ نہ معلوم ان امور کی نسبت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا ہے اور دوسرے رفقاء نے کیا کہا ہے۔ مبادا بیان میں تخالف ہو تو مشکل

Marfat.com

کا سامنا ہوگا، خصوصاً وحید بالکل نو عمر اور ناتجربہ کار تھا اس لیے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر کثرت افکار کی وجہ سے پیچاں تھا جس روز ہم سبھوں کو ایک ہی وقت ہواخوری کی جگہ میں داخل کیا گیا سب نے اس خاص بات کی طرف توجہ کی اور ایک دوسرے بیان کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ خدا کے فضل و کرم سے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے سبھوں کے بیانات تقریباً متفق ہیں گویا کہ ایک مشورہ سے ہوتے ہیں، چھوٹوں میں بھی استقلال اور صداقت بڑوں جیسا پایا گیا بلکہ کچھ زیادہ۔ مولوی عزیز گل صاحب سے حدود کے واقعات قبائل کے احوال سید احمد صاحب شہید مرحوم و مغفور کے قافلہ کی خبریں حاجی صاحب (حاجی عبدالغفور صاحب حدود کے بڑے پیر ہیں وہ اس زمانہ میں انگریزی علاقہ سے اپنے اہل وعیال کو لے کر یاغستان میں چلے گئے تھے اور وہاں جا کر مشہور ہوا تھا کہ انہوں نے جہاد قائم کیا ہے) مولوی سیف الرحمان صاحب، مولوی عبید اللہ صاحب، مولوی محمد میاں صاحب وغیرہ وغیرہ حضرات کے متعلق زمین آسمان کی واہی تباہی باتیں پوچھیں جن کا نہ سر تھا نہ پیر، مگر مولوی صاحب نے نہایت استقلال سے اپنے روایتی اکڑپنے سے سب کا جواب دیا اور بہت ہی متین جواب دیا۔

الغرض ہم سبھوں کو آپس کے بیانات معلوم کر کے اور یہ کہ کوئی تخالف نہیں ہوا بہت خوشی ہوئی جو کچھ افکار تھے وہ اس روز عموماً دور ہو گئے ہر ایک کو ایک درجہ اطمینان کا حاصل ہو گیا، ہم وہاں کے کمانڈر جیل سے اپنی ضروریات کے لیے نقد منگاتے تھے جس کو شمع وغیرہ میں بھی خرچ کرتے تھے اور حسب قول اکابر "بلقمہ دہن سگ دوختن بہ" دل کھول کر مصارف کرتے تھے اس لیے ہمارے ساتھ ان لوگوں اتنی رعایت ضرور ہونے لگی کہ ہم کو اس ہواخوری کے پنجرے میں صبح سے داخل

کر دیتے تھے اور شام کو چار بجے تک وہاں ہی چھوڑ دیتے تھے یا کبھی قضاء حاجت کے لیے پاس کے پائخانہ میں جانے دیتے تھے۔ چاء وغیرہ اور کھانا صبح کا وہیں اکٹھا لاکر دے دیتے تھے جس کو ہم عموماً مجتمعاً کھاتے تھے جو لوگ جیل کے خواہ منتظم جماعت ہو یا اسیر وغیرہ سب ان معاملات کو دیکھ کر یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ یہ سب ایک گھرانے کے لوگ ہیں اور اتفاق سے سبھوں کی عمریں ایسی متناسب واقع ہوئی تھیں کہ بلاشبہ سب کو ایک گھرانے کا ہر آدمی خیال کرسکتا تھا، پھر معاملہ اور اتحاد اور بھی مؤیّد تھا، کسی بات میں اجنبی شخص تغایر نہیں سمجھ سکتا تھا اگرچہ ہم سب آپس میں لڑتے بھڑتے ہی رہتے تھے مگر مولانا کی ذات ستودہ صفات نے ایسا اثر قائم کر رکھا تھا کہ وہ کسی پر نہ ظاہر ہوتا تھا اور نہ آئندہ کو باقی رہتا تھا، مدت اقامت جیزہ میں ہم نے تقریباً ڈھائی پونڈ صرف کیے، کچھ دنوں کے بعد ہم سبھوں کو شہر میں لے گئے اور ایک جگہ ہم سبھوں کا فوٹو لیا گیا، کیونکہ اب پاسپورٹ میں ہر ایک کا فوٹو بھی رہتا ہے خصوصاً ایام جنگ میں اور پھر اسیروں کے لیے خاص طور سے اس کا اہتمام تھا۔ دوسرے دن ہم کو دوسرے محکمہ میں لے گئے جہاں پر ہماری تشخیصات وغیرہ لکھی گئیں اور تمام انگلیوں اور انگوٹھوں کے نشان لگوائے گئے ہم کو ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں معلوم تھا کہ ہمارے ساتھ استقبال میں کیا ہونے والا ہے ہم یہ خواہش کرتے تھے کہ ہم کو انہی حجروں میں وہاں ہی رکھیں مگر دیگر اسیروں کی طرح جیل میں آزاد ہوں۔

مصر کی حالت

میں اس جگہ ضروری سمجھتا ہوں کہ قدرے مصر کی حالت پر بھی روشنی ڈالوں مگر نہایت افسوس کرتے ہوئے وہاں کی سیاسی گہری حالتوں سے ہاتھ اٹھانا پڑا

Marfat.com

ہے، کیونکہ اس زمانہ میں حق گوئی اور صداقت پر نظریں سخت پڑ رہی ہیں مجھ کو خوف ہے کہ یہ تاریخی رسالہ کہیں سیاسی شمار نہ کیا جائے اور پھر ضبطی میں آکر مقصد اصلی فوت کر دے اس لیے میں گھرے اور بڑے واقعات سے اس مقام پر بحث نہیں کرنا چاہتا، جن صاحبوں کو ضرورت ہو مصطفی کامل اور فرید بیگ کی کتابوں کو ملاحظہ کریں، مولوی عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی نے بھی اپنے رسالہ ترکی اور یورپ میں کچھ اس مسئلہ پر مختصر طور سے روشنی ڈالی ہے اور بحمد اللہ اچھی روشنی ڈالی ہے خداوند کریم ان کو جزائے خیر دے میں فقط اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے کہ مشرق کی آبادیاں عموماً اور اسلام کی خصوصاً مغرب کے ناپاک ہاتھوں سے مدتوں سے ذبح ہو رہی ہیں۔ اسی طرح مصر بھی ہے ان آبادیوں میں جو ملک زیادہ زرخیز ہوا، تجارتی یا صناعتی حیثیت سے اس کی اہمیت زیادہ ہوئی، سیاسی وقعت اس میں کچھ زیادہ پائی گئی وہ بہت ہی مظلوم اور نہایت ہی بے طرح اور بے دردی کے ساتھ ہلاک کیا گیا اس کے ہاتھ پیر ناک کان دل و دماغ سب ہی علیحدہ علیحدہ اور ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے۔ یورپ کو مثل پادشاہان قدیم فقط ہوس ملک گیری ہی نہیں ہے اس کی طمع پہلے پادشاہوں سے صدہا گونہ زیادہ ہے ۔ یہ بھی چاہتا ہے کہ ملک لیوے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ہر محکمہ کی باگ اور ہر دائرہ کا حل و عقد اس کے ہاتھ میں ہو وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ تجارتیں بھی ہضم کر لے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ صناعتیں بھی غپ کر جائے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ ذرائع دولت خواہ معادن ہو یا عملی کمپنیاں سب اسی کے پاس ہوں وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تعلیم اور تہذیب اخلاق ہر ملک کا اس کے زیر نظر اور اس کی رائے اور اس کے مفید طور پر ہو خواہ ملک کے لیے مفید ہو یا نہ ہو۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ مذہب بھی

ملک کا اسی کے قبضہ میں ہو وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ دولت اور زراعت بھی اسی کے زیر تحویل ہو اس کا مقصد یہ ہے کہ جملہ طرق خوشحالی اور جملہ شعبہائے ترقی اسی کے ہاتھ میں ہوں دوسری اقوام فقط غلامی کے اس درجہ میں رہیں جس سے وہ زندہ رہ کر چوپاؤں کی طرح اس کی خدمت کر سکیں بلکہ بعض جگہوں کے معاملات تو یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ دوسری اقوام کی زندگی بھی نہیں چاہتا۔

گزشتہ زمانے کی پادشاہتیں جن کی بھیانک تصویر ہم کو یورپین تاریخیں دکھا رہی ہیں ان میں اس قدر اور یہ کمالات کہاں تھے۔ یہ تہذیب اور تمدن تو فطرت نے انصاف اور عدل کی دیویوں گوری گوری یورپین مورتوں کے لیے ازل سے رکھ دیے تھے جن کے تقدس کا راگ تاریخ کے ملائکہ ترقی اور انسانیت کے آسمانوں پر قیامت تک گایا کریں گے۔ یہ آتشیں آلات، یہ زہریلے ہتھیار یہ ہلاک کن کشتیاں یہ طرح طرح کی برباد کرنے والی مشینیں یہ قسم قسم کے جور و جفا کی کلیں یہ دم دم کی گولیاں فقط انسانی خدمتوں اور نوع بنی آدم کے راحت و آرام کے لیے کیا نہیں بنائی گئیں ہیں کیا انہی سے تمام عالم کی اصلاح نہیں ہو رہی ہے۔ پہلی لڑائیوں میں ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ مدتوں میں کہیں مقتول ہوتے تھے مگر فیصلہ ہو جاتا تھا۔ اب ہفتوں نہیں بلکہ دنوں میں ملاین اور کروڑوں تک کی نوبتیں آجاتی ہیں اور فیصلہ نہیں ہوتا، پہلے زمانہ میں خرچہ جنگ سینکڑوں اور ہزاروں کی حدود میں محدود رہتا تھا اب ترقی خواہ اور انسانی خادم قوموں میں روزانہ لاکھوں اور کروڑوں کا خرچ دکھلایا جاتا ہے، کہاں تک اس عجیب ترقی اور تمدن کے حال اور ان انسانی صورتوں شیطانی سیرتوں کے اوصاف کو ذکر کر کے آپ کے دماغ اور دل کو پریشان کروں اس کے لیے دفاتر کی ضرورت ہے مقصد سے میں بہت دور جا پڑوں گا اس لیے معافی کا خواستگار ہوں۔

Marfat.com

جناب عالی مصر ایک زرخیز ملک ہے، دریائے نیل، وسطِ افریقہ اور سوڈان کے چشموں اور خوش ذائقہ جھیلوں اور فلک نما پہاڑوں کی بارشوں کا پانی بہاتا ہوا اس سرسبز زمین کو سیراب کرتا ہے اگرچہ رقبہ اس ملک کا بہت بڑا نہیں ہے مگر اپنی قابلیت اور جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے حقیقت میں بہت ہی زیادہ پایۂ اعتبار رکھتا ہے اس کے شمالی کنارہ کو بحرابیض (بحر متوسط یا بحر روم) اپنی لہروں سے ٹکراتا ہے اور مشرقی کنارہ کو بحر احمر (بحر قلزم) اس وجہ سے یورپ کے تمام جنوبی ملکوں اور ایشیا کے مغربی حصّوں سے اس کا خاص تعلق ہو گیا ہے جس کی بنا پر بحری آلاتِ سفر کے ذریعہ سے ہر ملک سے اس کا اتصال ہے ادھر افریقہ کے مغربی اور شمالی اور اسی طرح جنوبی حصہ سے اس کا تعلق خشکی سے ہے، سوریہ اور عرب سے بھی بذریعہ خاکنائے سویز اس کا اتصال ہے، ان وجوہ سے اس کی جغرافی اور طبعی اہمیت نہایت ہی بالا واقع ہوئی ہے پھر جب سے آبنائے سویز (قنال) نکل آئی ہے جس کے ذریعہ سے یورپ کو ہندوستان، فارس، جزائر جاوا، چین، جاپان، آسٹریلیا، مشرقی افریقہ وغیرہ سے ہر قسم کے دریائی مختصر اور مفید راستے ہاتھ آگئے ہیں اس کی اہمیت یورپین نظروں میں بہ نسبت پہلے کے صدہا گونہ زیادہ ہو گئی، اگرچہ یہ قنال مصر نے اپنے مفاد کے لیے نکالی تھی مگر حقیقت میں یہ ہی بڑا سبب اس کی ہلاکی اور بربادی کا ہوا، حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی نصیحت نہ ماننے میں ہمیشہ تکالیف اور مصائب ہی کا سامنا ہوتا ہے۔ گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس قنال کی اجازت مانگی تھی تو آپ نے اس کے برے عواقب بیان فرما کر اس سے روک دیا تھا آخر کار وہی دیکھنا پڑا۔ ان کے الفاظ صریح کا ترجمہ یہ ہے کہ "خبردار ایسا نہ کرنا ورنہ تمہاری عورتوں کو

Marfat.com

افرنج خانہ کعبہ کے سامنے سے پکڑ لے جائے گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس جنگ میں مسلمان عورتیں لڑکیاں بچے خاص مکہ معظمہ اور بیت الحرام کے ارد گرد سے پکڑی گئیں اور کفار اسیر کر کے ان کو لے گئے اگرچہ انھوں نے شریف اور اس کے لوگوں کے واسطے سے پکڑا اور پھر جدہ میں خود اپنے ہاتھوں میں لیا مگر ہمیشہ کاتب قلم کے ذریعہ سے لکھتا اور بادشاہ فوج کے ذریعہ سے جنگ کرتا ہے جو کہ واقع میں فعل کاتب اور بادشاہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

دریائے نیل سے بادشاہان مصر "محمد علی پاشا" ابراہیم پاشا، اسمٰعیل پاشا نے بہت سی نہریں نکال کر اطراف و جوانب کے ان زمینوں کو سیراب کیا ہے جہاں پانی نہیں پہنچتا تھا، پھر اوپر کی طرف بڑے بڑے پختہ تالاب بنواتے ہیں جو کہ بارش کے سیل کے زمانہ میں دریائے نیل سے بھر جاتے ہیں اور جس زمانہ میں دریا اترا ہوا ہوتا ہے ان تالابوں کے ذریعہ سے نہروں کے واسطے سے آبپاشی کی جاتی ہے، ہر قسم کے غلہ جات، ترکاریاں، میوہ جات وغیرہ وہاں پیدا ہوتے ہیں مگر غلہ اور ترکاریوں کی کاشت بہت زیادہ ہے آدمی بھی جفاکش اور قوی ہوتے ہیں۔ محمد علی پاشا اور اس کی اولاد نے مصر کی ترقی کی بہ نسبت بہت زیادہ ہمت اور کوشش سے کام لیا مگر یورپین فلک کو اسلامی اور مشرقی حکومت کا عروج کب گوارا تھا اس نے ہمیشہ ایسے چکر دیے کہ انسانیت اور تمدّن کے نام پر مثل ایشیا وغیرہ مصر کو بھی بھینٹ چڑھنا پڑا اس کا بھاری قیمتی بیڑہ بندرگاہ نادرین پر نہایت عدالت اور غایت انصاف اور کمال انسانیت کی وجہ سے تمام برطانی امیر البحر نے ڈبو یا اس کی فوجی قوت کو برٹش گورنمنٹ نے سلطان حمید الحمید سے صلح کرانے کی پالیسی میں نہایت کم اور کمزور کر دیا اس کا بڑا ملکی حصہ سوڈان کا جس کو مصری اور غیر مصری

یعنی ہندوستانی فوجوں کے ذریعہ سے سوڈانی مسلمانوں کا خون بہا کر جبکہ وہ آزادی کے لیے کوشش کر رہے تھے فتح کیا گیا تھا اس سے جدا کر کے خالص برطانی قرار دے دیا گیا۔ "ارابی پاشا" اور رعایا کو ایک طرف اور خدیوی کو دوسری طرف بھڑکایا گیا اور آپس میں مصالحت و نیز محافظت تخت خدیوی کی غرض سے مصر کی حمایت اور مداخلت کی نوبت آئی۔ اب ہم ان باتوں کو دہرانا نہیں چاہتے۔ مصر کے نظام کو بہت ہی غیر منظم دکھلایا گیا ہر ہر شعبہ میں ایک مستشار برطانوی رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہر وزیر اور ہر بڑے افسر کے ساتھ ایک بہت بڑی تنخواہ والا مستشار برطانی رکھا گیا جس نے تمام امور کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مصری مسلمان افسر فقط صورت کاتب اور کاٹ کا الو رہ گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مصر کی اصلی آبادی ۱۵/۱۶ مسلمان اور ۱/۱۶ قبطی عیسائی ہیں اس لیے یہاں پر مختلف پالیسیوں کی ضرورت خیال کی گئی، عموماً محکموں میں عیسائی داخل کیے گئے، قبطی یا یونانی، اٹالین، فرنچ وغیرہ وغیرہ زور دے دے کر ٹھونسے گئے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے محکمے ایسے ہو گئے جن میں مسلمان نام تک کو باقی نہ رہ گیا، پھر عیسائیوں کو اشتعالک دی گئی کہ مسلمان ملازموں پر اس قسم کے تشددات کریں جن کی وجہ سے وہ خود خارج ہو جائیں اور اگر نہ ہوں تو ان پر جھوٹے سچے الزامات ایسے قائم کیے جائیں جن کی بنا پر ان کو علیحدہ کر دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔ جیل خانہ کے محافظ سپاہیوں پر بھی ہیڈ کانسٹیبل تک عیسائی اٹالوی تھے جن کی تنخواہیں بھی بڑی بڑی تھیں، ہتھیار تمام سکان مصر سے چھین لیے گئے اور ان کا رکھنا جرم قرار دے دیا گیا، لائسنس کے بغیر کوئی ادنیٰ درجہ کا ہتھیار نہیں رکھ سکتا اس لیے تمام سکان مصر بے دست و پا اور چوڑی پہننے والی عورتوں جیسے ہو

Marfat.com

گئے جیسا کہ اہل ہند ہیں۔

امور تجارت میں بھی یہی معاملہ ہوا یونانی یا دیگر عیسائی اقوام کو ہر قسم کے ٹھیکے وغیرہ دلاکر اور دوسرے طریقوں سے اعانتیں کرکے ان کی تجارتوں کو فروغ دیا گیا جس کی بنا پر تمام مصر میں بڑا حصہ تجارت اور نیز کارخانوں وغیرہ کا یورپین اور مسیحی قوموں کے ہاتھ میں ہے۔

مصریوں کے مذہبی جذبات کے کمزور کرنے کی بھی پوری کوشش عمل میں لائی گئی ان میں بددینی مختلف طریقوں اور ہر پہلو سے پھیلائی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہری اور متمول لوگ بہت جلد آزاد خیال ہو گئے مگر ساتھ ہی اس کے اس طبقہ میں قومیت کا خیال یورپ کی بدقسمتی سے بہت زور کا پیدا ہو گیا اصحاب ثروت لوگوں پر حکومت کی جانب سے دباؤ ڈال کر ان کو قومی افکار اور ملکی ترقی سے فقط روکا ہی نہیں گیا بلکہ ان کو حزب وطنی کی مخالفت پر آمادہ کیا گیا اور ہر پہلو سے ان کے ذریعہ سے مخالف کوشش عمل میں لائی گئی، اہل وطن میں اختلاف پھیلانے کی اسپرٹ نہایت زور سے بکھیری گئی۔ عام کاشت کاروں سے ایسی پالیسی اختیار کی گئی جس کی وجہ سے ان کو خاندانِ خدیوی اور مصری حکام سے سخت نفرت ہو گئی اور اسی کی اب تک کوشش کی جا رہی ہے۔ عام اہل شہر پہ مصری چھوٹے حکام کے ذریعہ سے تشددات بیجا ہر معاملہ میں کراتے گئے۔ پھر اگر شکایت برٹش افسر تک پہنچ گئی تو ان پر مراحم خسروانہ برسائے گئے، مصری حکام کو تنبیہ کی گئی جس کی وجہ سے عوام کو یقین ہو گیا کہ برطانوی حکام نہایت رحیم و عادل ہیں، جو کچھ مظالم ہم پر آئے دن ہوتے اور شدائد عمل میں آ رہی ہیں وہ سب مصری حکام کی جانب سے ہیں، اسی کے قریب ہندوستان میں بھی عمل میں آ رہا ہے۔ پنجاب وغیرہ کے مظالم جدیدہ

Marfat.com

اور قدیمہ اس کے شاہد ہیں چنانچہ مجھ سے بھی اظہار کے وقت ایک مقام پر مسٹر تلک وغیرہ کے مذاکرہ میں جیزہ میں مستنطق نے کہا کہ ہندوستانی ہم کو پلیگ کے معاملہ میں بدنام کرتے ہیں ہم لوگوں نے تشددات اور مظالم کیے تھے یا کہ ہندوستانی حکام کرتے تھے؟ تعجب ہے ہندوستانیوں کا نام بدنام کیا جاتا ہے حالانکہ یہ حکام جو کہ انگریزوں کی غلامی کو خدا کی غلامی اور بندگی سے بھی بہت زیادہ قوی جانتے ہیں، بلا اشارہ انگریزی حاکم کے چوں بھی نہیں کر سکتے ان کا تو دین ایمان دنیا اور آخرت انگریزوں کی اطاعت نہیں نہیں بلکہ ان کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، ان کا مذہب یہ نہیں ہے کہ خلاف حکم نہ کیا جائے ان کا مذہب تو یہ ہے کہ انگریز کے خلاف منشا کرنا سخت حرام اور گناہ کبیرہ بلکہ کفر ہے خواہ دین جاوے یا رہے خواہ خدا راضی ہو یا ناراض خواہ قوم و وطن برباد ہو یا آباد مگر چونکہ انگریزی پالیسی ہمیشہ اور ہر ملک میں یہی رہی ہے کہ اہل ملک و وطن سے ہمیشہ مظالم کرائے جاویں تاکہ قوم میں نفاق و شقاق ہو، رعایا پر رعب جمے قتل و قتال میں وہی آپس میں برباد ہوں، انہی پر سدا الزام رہے ہم پاک دامن ستھرے بنے ہوئے سب کے خون چوستے رہیں، اگر ہم تک شکایت پہنچے تو ہم اس سے تبرّی ظاہر کر دیں اس لیے یہی پالیسی مصر میں بھی اختیار کی گئی علاوہ اس کے اگر بڑے حکام ستم اور جبر کے طلب گار اور عادی نہ ہوں تو ممکن نہیں کہ چھوٹے حکام بڑے بڑے مظالم کریں ؎

بہ پنج بیضہ چو سلطاں ستم روا دارد ۔ زنند لشکریانش کباب مرغ بہ سیخ

الغرض طرح طرح کے جال سے وہاں مسلمانوں اور اہل وطن کی قوتوں کے ملیامیٹ کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، مصاریف اس قدر بڑھا دیے گئے کہ آمدنی سے قرضہ ملکی کا ادا ہونا تو درکنار اس کا سود ہی سالانہ ادا ہونا مشکل اور

Marfat.com

دشوار ہوگیا ہے، پھر اگر کبھی کچھ جمع ہوگیا تو دور دراز ملکوں کی جائدادیں خرید وادی گئیں جن کی حفاظت ہی کرنا مصر کو دشوار ہے ان سے نفع اٹھانا تو درکنار۔

اس کے علاوہ سینکڑوں پیچیدگیاں ڈالی گئیں اور ڈالی جارہی ہیں جن سے ہم اپنے رسالہ کو ناپاک کرنا نہیں چاہتے۔

من حالِ دلِ زاہد با خلق نہ خواہم گفت
کہ ایں قصہ اگر گویم با چنگ و رباب اولیٰ

مصر کے مدتِ قیام میں صوفی مولوی شاہ محمد صاحب الہ آبادی نے ہم کو بعض کتابیں بھی لادی تھیں جن کی وجہ سے اکثر دل لگی رہتی تھی، ہمارا اسباب وہاں کھولا گیا جو صاف کپڑے تھے وہ چھوڑ دیے گئے باقی سب بھپارے میں (ڈیس فیکٹ) کے لیے بھیج دیے گئے، دوائیں سرمہ وغیرہ ضائع کر دی گئیں ایام قیام زنزنہ (کال کوٹھڑی) میں وہ سب مخازن میں محفوظ رکھے گئے، کتابوں کی کوئی پڑتال نہیں کی گئی فقط سرسری طور سے دیکھا گیا اور چھوڑ دیا گیا، اپنے میلے کپڑوں کو ہم نے وہاں ہی کے بعض محتاج اسیروں سے دھلوا لیا۔

روانگی مالٹا

۱۵ فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ماہ گزر جانے کے بعد معتقل (جیل) کے کمانڈر برٹش حاکم نے بلا کر یہ کہا کہ کل تم مالٹا بھیجے جاؤ گے ضروری سامان کر لو اور تیار ہو جاؤ ہم نے دو اشرفیاں طلب کیں اور ان کو بھنوا کر جو کچھ چاء وغیرہ کے اخراجات کا ہم پر قرضہ تھا وہ ادا کیا اور باقی تقریباً ڈیڑھ گنی کی تفاریق ساتھ رکھی، صبح کے وقت ۱۶ فروری مطابق ۲۴ ربیع الثانی کو ہم کو گوروں کی گارڈ کی حفاظت میں موٹر پر بٹھا کر مع سامان ریلوے اسٹیشن قاہرہ پہنچا دیا گیا اور اسی وقت

Marfat.com

تھرڈ کلاس میں گارد کی حفاظت میں ہم کو اسکندریہ پہنچا دیا گیا، تقریباً ایک بجے اسی دن اسکندریہ پہنچے اسی وقت بند موٹر لایا گیا اور اس میں بٹھا کر ہم کو اسٹیشن سے گودی پر پہنچا دیا گیا، جہاز پر سوار ہونے کا حکم ہوا، جہاز کے بالائی طبقہ پر ایک بڑا کمرہ تھا جس کے دونوں طرف چارپائیاں لگی ہوئی تھیں اور اس پر گدے اور کمبل پڑے ہوتے تھے، اور بیچ میں لامبی میز بچھی ہوئی تھی اس میں داخل کر دیا گیا، اس کی باہر کی کھڑکیاں جن سے ہوا اور روشنی آسکتی تھی بند ہی نہیں بلکہ کیلوں سے مضبوط تختوں سے جڑ بھی دی گئی تھیں دروازے پر تین گورے سپاہیوں کا پہرہ قائم کر دیا گیا، ہم نے جا کر پانچ چارپائیوں پر ایک طرف قبضہ کر لیا، اس کے آخر میں ایک کمرہ بھی تھا جس میں پائخانہ اور غسل خانہ بھی تھا جس میں میٹھا پانی موجود تھا۔

ترکی افسروں اور سپاہیوں کی آمد

تھوڑا ہی عرصہ ہم کو گذرا تھا کہ بہت سے ترکی فوجی افسر اور سپاہی لائے گئے افسروں کو نیچے کے خاص کمروں میں جو کہ سیکنڈ یا فسٹ کے تھے رکھا گیا اور سپاہیوں کو جن کی تعداد تقریباً پندرہ سولہ تھی ہمارے کمرے میں داخل کر دیا گیا چونکہ قواعدِ اسارت میں یہ ہے کہ جب کوئی فوجی افسر اسیر ہو تو اس کو اس کی حسب منشا ایک خادم فوجی دیا جاتا ہے اس لیے یہ سپاہی ان افسروں کے خدام تھے جو کہ سب مسلمان اور نیک مزاج تھے اور عموماً ترکی سپاہی نیک مزاج ہی ہوتے ہیں، یہ سب جب داخل ہوئے اور حضرت مولانا مرحوم کو دیکھا تو نہایت احترام سے پیش آئے انھوں نے ہماری چارپائیوں سے تعرض نہ کیا بلکہ خود باقی ماندہ چارپائیوں پر قابض ہو گئے چونکہ وہ عدد میں کم تھیں اس لیے ایک ایک پر دو دو قابض ہوئے یہ آپس میں کھیلتے اور گاتے اور کشتی کرتے تالیاں وغیرہ بجاتے تھے جس کو دیکھنے کے لیے انگریزی گورے سپاہی جمع ہو جاتے تھے

Marfat.com

ان کو دیکھ کر یہ سب اور زیادہ گاتے اور کودتے تھے پھر بعد کو دو تین شخص حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ حقیقت میں ہم آپ کی بے حرمتی کرتے ہیں کہ آپ کے سامنے گاتے اور کودتے اور ناچتے ہیں مگر کیا کریں دشمن دین کافر کے ہاتھ میں اسیر ہو گئے ہیں اگر ہم باادب بیٹھیں تو یہ کافر خوش ہوں گے اور ہم کو رنجیدہ اور غمگین خیال کریں گے اس لیے ہم اپنی قوت اور اپنی عدم رنجیدگی جتلانے کے لیے ناچتے گاتے ہیں، مولانا نے فرمایا کہ تم خوب کودو اور گاؤ ہماری طرف سے اجازت ہے۔

جہاز میں کھانے کا انتظام

جب شام کا وقت آیا چونکہ ہم نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا تو ایک افسر سے پانی اور کھانے کا تذکرہ حکیم نصرت حسین صاحب نے فرمایا کیونکہ وہی انگریزی بول سکتے تھے اس نے کہا کہ اگر تم ہمارا کھانا پکا ہوا کھاؤ تو حاضر ہے انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ کر جواب دیا کہ تمہارا گوشت اور تمہارا پکا ہوا سالن ہم نہیں کھا سکتے تو اس نے کہا کہ اسی خیال سے ہم کو تمہارے لیے یہاں سے مالٹا تک کے لیے یہ جنس دے دی گئی ہے اس کو لے جاؤ اور جس طرح چاہو خرچ کرو۔ مالٹا تک تم کو اور کوئی چیز نہیں ملے گی۔ جہاز کا باورچی خانہ بتا دیا کہ یہاں پکا لیا کرو اور باورچی سے کہ دیا کہ جس چیز کو جس طرح یہ پکائیں ان کو مت روکو، چونکہ آٹے کے پکانے میں دقت بھی تھی اور روٹی کے لینے میں شرعی کوئی قباحت نہ تھی اس لیے اس سے کہا گیا کہ ہم تمہاری پکی ہوئی روٹی لے لیں گے فقط سالن اور چاء وغیرہ ہم خود پکائیں گے وہ اس پر راضی ہو گیا اور فی کس ایک ایک پاؤ روٹی صبح و شام دینے کا حکم کر دیا، باقی جنس اٹھا لائے جس میں چنے کی دال، آلو، اڑد کی دال، گھی، مرچ، دھنیا، ہلدی چاء، گڑ، چاول وغیرہ تھی، چونکہ ہمارے پاس تمام سامان پکانے کا موجود تھا اور قدرے

Marfat.com

جنس بھی اپنی موجود تھی اس لیے اپنی دیگچیوں میں حکیم صاحب مرحوم اور وحید جاکر کھانا پکا لاتے تھے اور ایک جگہ جمع ہو کر کھا لیتے تھے وہ تمام جنس مالٹا تک ہم ختم نہ کر سکے باقی ماندہ جہاز ہی پر چھوڑ کر اُتر گئے۔

جہاز کی روانگی

اسی روز شام کو یعنی ۱۶ فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو جہاز اسکندریہ سے روانہ ہوا اس کے آگے آگے ایک جنگی جہاز کروزر اس کی حفاظت کو چلتا تھا اور کبھی دائیں اور بائیں بھی چکر لگاتا تھا اس پر بہت بڑا سپین بورڈ لگا ہوا تھا کہ اس جہاز میں زخمی اور مریض سپاہی ہیں سامان جنگ نہیں ہے، کیونکہ جرمنی سبمرینیں اس زمانہ میں بحر سفید میں بھی آگ بوٹوں کو غرق کر رہی تھیں خود اسکندریہ کے بندر پر چند دن پہلے ایک آگ بوٹ غرق کر چکی تھیں مگر زخمی اور مریض سپاہیوں کو ایذا پہنچانا انسانیت اور معاہداتِ دول کے خلاف تھا اس لیے ان سے تعرض نہیں کرتی تھیں فقط دول متحاربہ کے جنگی اور ان جہازوں سے تعرض کرتی تھیں جن پر فوج یا سامانِ جنگ ہو مگر جب برٹش نے اپنے جنگی جہازوں اور فوجی سامانوں کو تجارتی آگ بوٹوں میں لے جانا اور غیر جانبدار بادٹوں کی آڑ میں شکار کھیلنا شروع کر دیا تو اس نے اعلان کر کے سبھوں کو ڈبونا شروع کر دیا تھا جس کی بنا پر اس کو وحشی غیر متمدن بنایا جا رہا تھا یہ وہ زمانہ ہے کہ کوئی جہاز سمندر میں با امن و بلا خوف سفر نہیں کر سکتا تھا۔

جہاز میں موت کی ہر وقت تیاری

جب ہمارا جہاز شب کو اسکندریہ کے پورٹ سے روانہ ہو گیا تو تھوڑے سے ہی عرصہ کے بعد ہر ایک شخص کو کاگ (جس کی ڈاٹ بوتلوں میں ہوتی ہے) کی پیٹیاں

Marfat.com

دی گئیں۔ یہ پیٹیاں کاگ کی لکڑیوں کے ٹکڑے سے جو کپڑوں میں سلی اور جڑی ہوتی ہیں بنائی جاتی ہیں۔ جہاز کے ڈوبنے کے وقت گلے یا کمر میں پڑے رہنے کی وجہ سے آدمی ۲۴ گھنٹے یا اس سے زیادہ تک نہیں ڈوبتا اور پھر جتنے آدمی اس آگ بوٹ میں تھے خواہ جہاز راں یا فوجی یا اسیر وغیرہ وغیرہ سب کے سب مختلف کشتیوں پر تقسیم کر دیے گئے اور سب کو کشتیوں کے نمبر اور جگہ بتا دی گئی (ہر جہاز پر دونوں طرف یعنی دائیں اور بائیں مختلف چھوٹی چھوٹی کشتیاں بندھی رہتی ہیں کہ اگر کہیں ضرورت پڑے یا جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو لوگوں کے لیے وہ کشتیاں کھول دی جائیں تاکہ اس میں بیٹھ کر وہ کنارے اور خشکی تک جا سکیں) اور کہہ دیا گیا کہ جب سیٹی ہو ہر شخص ان پیٹیوں کو گلے میں فوراً ڈال کر اپنی اپنی کشتی پر بلا تاخیر پہنچ جائے خواہ دن ہو خواہ رات کسی وقت ان پیٹیوں کو اپنے سر سے دور نہ کرے چنانچہ انگریزی افسر وغیرہ ان کو ہر وقت گلے میں ڈالے رکھتے تھے حتیٰ کہ کھانے اور چلنے کے وقت بھی ان کی یہی حالت تھی، کثرت خوف کی وجہ سے بعض لوگ سخت پریشان تھے اس کے لیے امتحان بار بار کیا گیا اور سیٹیاں دی گئیں ہر ایک اپنی اپنی کشتی پر پہنچ گیا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے خدام کو جو خاص تبرکات اپنے اکابر کے تھے بانٹ دیے بایں وجہ کہ خدا جانے کیا واقعہ پیش آئے اور پھر کون مرے اور کون بچے ہر ایک ایک ایک تبرک اپنے پاس رکھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت شمس الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت شمس العلماء و فضلاء مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہم کے خاص خاص تبرکات اور ناخن اور بال تھے سب کو ایک ایک لباس اور ناخن اور بال دیے اور خود بھی اپنے پاس رکھا، کاتب الحروف کو حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی روئی کی وہ کمری عنایت

Marfat.com

فرمائی جو کہ بوقت وصال آپ کے جسم مبارک پر تھی مالٹا پہنچنے کے بعد جب سب تبرکات واپس ہوئے اس کو میں نے واپس نہیں کیا بلکہ اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کہ دیا کہ اس کو میں واپس نہ کروں گا، آپ نے بھی کچھ اصرار نہ فرمایا اور بعض اونی قیمتی لباس بھی دے دیئے کہ سردی کا زمانہ تھا کشتی میں اس سے قدرے تحفظ بھی ہو گا۔

الحاصل تمام جہاز کے لوگ عموماً اور ہم سب خصوصاً ہر وقت موت کے لیے تیار رہے، لوگوں کو رات اور دن یہی خیال رہتا تھا کہ خدا جانے کب سمرین جہاز پر گولہ پھینک دے۔ بعض مقامات تو بہت زیادہ خطرے کے گزرے مگر بایں ہمہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر کسی قسم کا گھبراہٹ اور اضطرار کا ظہور نہ تھا ہم سبھوں کے قلوب پر بھی اُن کی برکت سے اطمینان تھا اسی طرح سے چار دن برابر گزر گئے

ترکی افسر

ترکی افسر جو کہ فرسٹ اور سیکنڈ میں تھے اوپر صبح کو ہوا خوری کو آتے تھے اس وقت ہمارا بھی کمرہ کھول دیا جاتا تھا ہم بھی ہوا خوری کو نکالے جاتے تھے ان لوگوں نے ہندوستانی اشخاص اسیر دیکھ کر تعجب کیا چونکہ پہلے سے ان لوگوں کی اور ہماری کوئی جان پہچان نہ تھی اس لیے انہوں نے ہم کو اور ہم نے ان کو تفصیلی پتہ اور وجوہ کے ذکر کرنے کی تکلیف دی معلوم یہ ہوا کہ یہ افسر عموماً فوجی تھے۔ بعض کرنیل بعض میجر بعض کپتان اور بعض لیفٹیننٹ کپتان وغیرہ جو کہ عراق، یمن، حجاز وغیرہ سے پکڑے گئے تھے، چونکہ برٹش گورنمنٹ نے حجاز کے فتنہ کے بعد یہ رویہ اختیار کیا تھا کہ ترکی جتنے اسیر تھے ان کو ورغلاتی تھی اور سلطان کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کرتی تھی اور اس کے لیے دو طریقے خاص طور سے

نکالے گئے تھے اول تو عربوں کو توڑا گیا اور عرب افسروں کو کہا گیا کہ ہم تمہارے استقلال کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ شریف کو ہر قسم کی مدد پہنچا رہے ہیں تم بھی شریف کے پاس چلے جاؤ وہاں تم کو تنخواہ ملے گی اسارت سے آزادی ہوگی اس کے ساتھ مل کر لڑو اور ترکوں کو پسپا کر کے اپنے ملک کو آزاد کراؤ چنانچہ اس طریقے سے ہزاروں سپاہیوں اور افسروں کو مختلف مقامات یعنی ہندوستان (سمرپور وغیرہ) برہما، سیدی بشر، راس التین وغیرہ وغیرہ سے بہلا پھسلا کر کے لایا گیا اور شریف کی فوجوں میں داخل کر کے ترکوں کے مقابلہ میں جنگ کرائی گئی، عربی جاہل سپاہ کچھ تو اپنی آزادی کی طمع کچھ اسارت سے خلاصی کے لالچ، کچھ ترکوں سے بھلائی ہوئی عداوت ان وجوہ سے نکل پڑتی تھی اور خلیفۃ اسلام کے مقابلے کے لیے تیار ہو جاتی تھی مگر اس کے لیے صورت یہ اختیار کی گئی تھی کہ شریف کے ہم خیال لوگ شامی اور عراقی وغیرہ جو مصر میں تھے ان کی جماعت کو ان سپاہیوں کے پاس بھیجا جاتا تھا اور وہ برابر سمجھاتے اور توڑتے رہتے تھے علیٰ ہذالقیاس افسروں کو بھی توڑا جاتا تھا اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خود ترکوں کو بھی توڑا جاتا تھا کیونکہ مصر میں جنگ کے پہلے سے ایک جماعت ترکوں کی ایسی موجود تھی جو کہ حکومت ترکی کے خلاف تھی یا اس وجہ سے کہ وہ کسی جرم کی وجہ سے فرار تھی یا اس کو جلاوطن کر دیا گیا تھا یا وہ ائتلافی پارٹی کی تھی، اس جماعت کو برٹش افسروں نے اپنے مقاصد کے لیے آلہ بنایا کہ ترکی افسروں کو توڑنے اور بمقابلہ ترکی افواج ان لوگوں کو بھیجتے تھے۔

حقیقت میں اس ناپاک فعل نے بہت زیادہ نقصان ترکوں کو پہنچایا۔ چونکہ یہ معاملہ پھسلانے بہکانے کا اسیروں کے کیمپوں میں داخل ہو کر ہوا کرتا تھا اور انگریزی افسر ایسے لوگوں کو برابر داخل کرتے رہتے تھے تو ترکی اور بہت سے عرب افسر

جن میں غیرت حمیت، دیانت اسلام تھا اس کی سخت مخالفت کرتے تھے، اور جس شخص کو ادنی درجہ کا بھی اس قسم کا خیال رکھنے والوں میں پاتے تھے اس کو سمجھاتے بجھاتے اور اگر اس پر بھی نہ باز آتا تو سختی کرتے تھے جس کی وجہ سے برٹش کوششیں ناکام ہوتی تھیں اس لیے ایسے لوگوں کو چن چن کر یکبارگی مالٹا بھیج دیا گیا تاکہ پھر اپنے جال پھیلانے کی پوری قوت ہاتھ آجائے۔ مالٹا میں نہ ہر اسیر سیاسی بھیجا جاتا تھا نہ ہر اسیر فوجی بلکہ جن کو گورنمنٹ زیادہ خطرناک خیال کرتی تھی ان کو وہاں بھیجتی تھی ان ترکی افسروں نے حضرت مولانا سے خصوصاً اور ہم سبھوں سے عموماً نہایت محبت کا برتاؤ کیا اور جب تک مالٹا میں رہے بہت زیادہ الفت اور مودت سے ملتے رہے۔

وصول مالٹا

جہاز جمعرات کی شام کو روانہ ہو کر دوشنبہ کی صبح کو تقریباً دس بجے ۱۲ فروری ۱۷ء مطابق ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مالٹا میں لنگر انداز ہوا، مگر تقریباً چار بجے تک کوئی ہمارے اترنے کی فکر نہیں ہوئی، چار بجے کے بعد ہم اتارے گئے اول ترکی افسر اور سپاہی اترے پھر ہم کو اترنے کا حکم ہوا، ترکی افسروں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ تم ان کے سامان اتروادو انہوں نے ہاتھوں ہاتھ ہمارا سامان اتار دیا اور پھر کنارے پہنچ کر افسروں کو دوسرے راستہ سے موٹر پر ان کے جائے قیام یعنی وال فرسٹہ پر بھیج دیا گیا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو وہ انگریز افسر جو اتارنے کے لیے آیا تھا اپنے ساتھ اکّے پر بٹھا کر لے گیا باقی ہم چاروں آدمی اور جملہ سپاہی پیدل کیمپ تک گئے ہمارا اسباب موٹر پر گیا، مولانا چونکہ ہم سے پہلے روگیٹ کیمپ میں جہاں پر ہمارے قیام کے لیے خیمے نصب کیے گئے تھے پہنچ گئے

Marfat.com

اس لیے ان کو ہم سے پہلے داخل کر دیا گیا، راستہ میں اہل شہر اور ان کے لڑکے عورتیں ہماری اسارت پر خوشیاں مناتے تھے، مذاق اڑاتے تھے اور جھنڈے کے جھنڈے باندھے ہوئے تماشا دیکھتے تھے کیونکہ سب کے سب عیسائی تھے ان کو مسلمانوں کے اسیر ہونے کی نہایت زیادہ خوشی ہوتی تھی اور غالباً اسی وجہ سے ہمارے اگبوٹ کو روکا گیا اور شام کے وقت ہم سب اتارے گئے تاکہ اہل شہر کو خبر ہو جائے اور وہ تماشا دیکھنے کے لیے راستہ میں آجائیں جس سے ان کے دلوں میں انگریزی حکومت کا دبدبہ اور مسلمانوں اور ان کے متفق ملکوں کا ضعف ظاہر ہو، مسلمانوں کی بری طرح تذلیل ہو، مصر میں بھی اس قسم کا معاملہ ہوتا تھا مگر کم، جب ایسی صورت ہوتی تھی تو مجھ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد آجاتا تھا ؎

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا   تماشے کو بھی تو لیکن نہ آیا

مالٹا کی اسارت گاہ اور اس کی تفصیل

ایک بڑا قلعہ جو قدیم زمانہ میں پہاڑ کھود کر بنایا گیا ہے اور نہایت مستحکم اس کی دیواریں اور خندقیں وغیرہ ہیں اس میں علاوہ وسیع میدان کے مختلف عمارتیں بھی پرتکلف اور آرام دہ بنی ہوئی ہیں، یہ قلعہ حقیقت میں فوج اور افسروں کے رہنے کے لیے بنایا گیا تھا اور جنگی ضرورتیں بھی اس میں محفوظ تھیں ہر وقت ایک بڑی مقدار سپاہیوں اور افسروں کی یہاں رہتی تھی ایام جنگ میں خوفناک اسیروں کے لیے نہایت محفوظ مقام کی ضرورت ہوئی اس وقت اس قلعہ کو خالی کرا لیا گیا اس میں کانٹے دار تاروں کے ذریعہ سے چند حصے کر لیے گئے اور ہر ایک حصہ کے ضروریات مہیا کر دی گئیں، نام اور سکان بھی تجویز کر دیے گئے۔ رد گیٹ کمپ، سنٹ کلیمنٹ یا جرمن کمپ، بلغاریہ کمپ، روم کمپ، سینٹ کلیمنٹ براکس یا

عرب کمپ، وردوالہ براکس، دالُ فرسٹہ، نیوورُّوالہ۔ روگیٹ کمپ قلعہ کی خندق میں دروازۂ قلعہ پر واقع تھا اس میں اور عرب کمپ میں مسلمان سویلین اور فوجی سپاہی رکھے جاتے تھے مگر سول (ملکی) اور ملٹری (فوجی) افیسروں کے لیے یہ دونوں کمپ نہیں تھے، روگیٹ کمپ میں رہنے کے لیے فقط خیمے تھے۔ البتہ مطبخ (باورچی خانہ) غسل خانہ پانی کا نل وغیرہ ایک پختہ عمارت میں تھا جس پر سیڑھیوں کے ذریعے سے جانا ہوتا تھا۔ پاتخانے ٹین کے اخیر میں بنے ہوئے تھے سینٹ کلیمنٹ جرمن کمپ یہ بھی کھلا ہوا میدان تھا اس میں عموماً خیمے نصب تھے۔ اس میں جرمن اسٹرین سول اور فوجی معمولی آدمی رکھے جاتے تھے اگر کوئی افسر خود رغبت سے یہاں آنا چاہتا تھا تو اس کو بھی جگہ دی جاتی تھی علاوہ جرمن اور اسٹرین کے دوسری قومیں بھی اس میں تھیں لیکن غالب عنصر ان ہی دونوں کا تھا جن میں جرمنی زیادہ تھے افسر اور بڑے درجہ کے سویلین کم تھے۔ بلغار کیمپ اور روم کمپ اور جرمن کمپ میں فقط خیموں ہی میں رہنا ہوتا تھا۔ البتہ باورچی خانے پختہ بنے ہوئے تھے پاتخانوں پر ٹین پڑا ہوا تھا، پانی کا نل لگا ہوا تھا، کھانا کھانے کی جگہ بھی پختہ ہوتی تھی۔ سینٹ کلیمنٹ براکس یا عرب کمپ یہ مسلمان سویلین اور فوجی معمولی لوگوں کے لیے مخصوص تھا یہ نچائی میں واقع تھا بہت سی سیڑھیاں اُتر کر آنا ہوتا تھا اس میں سب عمارتیں تھیں دو چار خیموں کی بھی جگہ تھی، اس کے متعلق سیر کے لیے ایک پہاڑ تھا جو کہ فضا کی جگہ تھی اس کی عمارتیں اچھی تھیں مگر نچائی میں ہونے کی وجہ سے و نیز دوسرے بڑے درجہ کے کمروں کی طرح آرام کے اسباب نہ ہونے کی وجہ سے یہاں پر افسروں کو نہیں رکھا جاتا تھا۔ وردآلہ براکس منزلہ کمپ تھا، اس کی عمارت نہایت عمدہ اور پُر تکلف تھی، راحت کے سامان

مہیّا تھے، اس کا بڑا حصہ جو وسعت میں واقع تھا وہ افسروں اور بڑے بڑے سویلین لوگوں کے واسطے مخصوص تھا ہر کمرہ میں تین تین چار چار چارپائیاں تھیں اور اس کا اخیر کا حصہ معمولی فوجیوں اور سویلین لوگوں کے لیے تھا اس کیمپ میں کسی خاص قوم اور مذہب کی خصوصیت نہ تھی۔ وال فرسٹہ۔ حدود قلعہ سے باہر مگر متصل تھا تین طبقہ دار عمارت تھی اس کے کمرے درواله کے کمروں سے بہت زیادہ آرام کے تھے ہر کمرہ کے ساتھ باورچی خانہ، غسل خانہ، پانی کا نل، کمرہ کے گرم کرنے کا حمام اور بیرونِ کمرہ مکلّف پائخانہ تھا، یہ بھی افسروں کے لیے مخصوص تھا، نیو درواله بھی مکلف اسی کے مثل تھا مگر اس میں فقط دو طبقے تھے۔

کیمپوں میں دوکانیں

وال فرشٹہ، درواله براکس، سینٹ کلیمٹ میں ایک ایک بڑی دوکان تھی، جس کو حکم تھا کہ جملہ ضروریات شہر سے لاکر مہیا کیا کرے اور ایک سبزی فروش کی دوکان تھی جو کہ موسمی ترکاریاں اور میوے لانے کا ذمہ دار تھا۔ یہ دوکانیں اول تو جرمن لوگوں نے شراکت سے کھولی تھیں اور شہر کے بعض تاجر اس کے ایجنٹ تھے وہ روزانہ حسب الطلب چیزیں بھیجتے تھے۔ ان دوکانوں کے لیے گورنمنٹ نے جو مکان ان اسیروں کو اندرونِ کیمپ دیے تھے ان کا کرایہ لیتی تھی اور پھر نفع میں بھی فیصدی کچھ لیا جاتا تھا اور اسی طرح سبزی فروش سے بھی کچھ لیا جاتا تھا جو کہ ٹھیکہ لینے والوں پر گورنمنٹ کا قاعدہ ہے اسی وجہ سے چیزیں بہت گراں پڑتی تھیں کیونکہ شہر میں ایجنٹ کو بھی اپنی اپنی محنت اور کرایہ گاڑی وغیرہ وصول کرنا ہوتا تھا، پھر گورنمنٹ کو کرایہ مکان اور اس کا حق دینا پڑتا تھا، پھر جو دوکان میں کام کرنے والے تھے ان کی تنخواہیں دینی پڑتی تھیں پھر جو اہل شرکت تھے

Marfat.com

ان کو نفع حاصل کرنا ہوتا تھا پھر اس میں یہ بھی تھا کہ ماہوار نفع میں سے فیصدی ایک مقدار نکال کر سب اسیروں میں تقسیم کی جاتی تھی کیونکہ بہت سے ایسے اسیر تھے جن کے پاس کوئی آمدنی ان کے وطن سے نہ تھی اور نہ ان کے پاس نقد تھا، ان کو سگرٹ چاء قہوہ وغیرہ کے لیے سخت ضرورت ہوتی تھی اس لیے ان کی اعانت کرنی ضروری ہوتی تھی اس لیے بلا تمیز قومیت اور مذہب سب پر برابر وہ نفع میں سے تقسیم کیا جاتا تھا جو کہ فی کس ماہوار دو شلنگ یا اس سے کچھ زائد پڑتا تھا مگر نقد کسی کو نہیں دیا جاتا تھا بلکہ لوگوں کو نقد بتلا دیا جاتا تھا اس مقدار میں جو چیز چاہیں خرید لیں۔ ایک مدت تک یہی حالت رہی پھر گورنمنٹ کو اس قدر نفع بھی اسراء کا گوارا نہیں ہوا اس نے اس جرمن کمپنی کو اعلان دے دیا کہ قنطین یعنی دوکان کو ہم فلاں تاریخ سے زیر تحویل کر لیں گے۔ چنانچہ اس روز سے پھر گورنمنٹی صیغہ بحریہ کی طرف سے مامور آئے اور چارا شیاء موجودہ قنطین سابق کو خرید کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا اور پھر دو کانیں گورنمنٹی ہو گئیں، البتہ سبزی کی دوکان پر گورنمنٹ قبضہ نہیں ہوا۔

آفس

ان کیمپوں کے درمیان میں آفس تھا جس میں کمانڈار اسراء ایک افسر فوجی جو کہ اکثر اوقات میں کرنیل تھا رہتا تھا اس کے زیر اثر ایک دو میجر اور کپتان وغیرہ رہتے تھے جو کہ اسراء کے معاملات کی نگرانی اور خبر گیری کرتے تھے چونکہ یہ سب اسراء جنگ تھے اس لیے ان کی جملہ ضروریات فوجی محکمہ کے متعلق تھیں اس آفس میں مختلف صیغے کاتبوں سنسر وغیرہ کے بھی تھے، روزانہ ایک افسر سینٹ کلیمنٹ میں اور ایک دردالہ میں چند گھنٹے کے لیے جا کر بیٹھتا اور اسراء کی ضروریات

Marfat.com

اور عرضیوں پر نظر ڈالتا تھا اور پھر اس کے متعلق کیمپوں میں گشت بھی لگاتا تھا، اگر کسی کو اس سے یا بڑے افسر سے کچھ کہنا ہو تو پہلے ایک دن عرضی پیش کرنا ہوتا تھا کہ مجھ کو آپ سے کچھ کہنا ہے۔ اگلے دن وہ بلایا جاتا تھا اور اس کی ضروریات کے متعلق مناسب انتظام کیا جاتا تھا۔

شفاخانہ

اس جملہ اسارت گاہ کے متعلق دو شفاخانے بھی تھے، ایک معمولی شفاخانہ جو بڑے کمپ یعنی سینٹ کلیمنٹ میں واقع تھا جس میں روزانہ صبح کو ڈاکٹر آ کر بیٹھتا تھا اور بیماروں کو آ کر دیکھتا تھا، معمولی بیماروں کو دوا دے دیتا تھا، اور اگر مرض شدید ہوا یا بیمار کے لیے زیادہ احتیاط وغیرہ کی ضرورت سمجھی گئی، جنرل ملٹری شفاخانہ میں بھیج دیتا تھا جو کہ وہاں سے قریب ہی تھا معمولی چال میں دس منٹ میں آدمی وہاں پہنچ جاتا تھا، اس میں مختلف بڑی اور چھوٹی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ فوجی افسروں کے لیے تو دو منزلہ بڑا مکان تھا جس کے اوپر کے کمرے ان کے لیے مخصوص تھے ان میں تمام ضروریات اور راحت کے سامان حسب قاعدہ طبی یورپین طریقہ پر موجود رہتی تھیں اور سویلین لوگوں کے نیچے بہت بڑی ہال بنی ہوئی تھی اس میں سول اور فوجی سپاہی برابر رکھے جاتے تھے، تقریباً چالیس آدمیوں کی چارپائیاں اس میں بچھ سکتی تھیں۔ کمپوڈری اور دیگر خدمات ان دونوں جگہوں میں یورپین میمیں نوبت بہ نوبت انجام دیتی تھیں، بالائی اور زائد کاروبار اور صفائی کے لیے دوسرے مرد اور عورتیں نوکر تھیں، مریضوں کی خبر گیری اور ان کی خدمت میں انسانیت اور ہمدردی سے کام لیا جاتا تھا۔

مریضوں سے ملنے کا قاعدہ ؛ مریض کے ہسپتال میں جانے کے پندرہ دن

Marfat.com

بعد مریض کی خواہش پر جن احباب سے وہ ملنا چاہیے وہ جمعہ یا بار ہ دن کا نام لکھوا
دے ان لوگوں کو بذریعہ آفس اطلاع دے دی جاتی تھی اور دو شنبہ کے دن دو بجے
ان لوگوں کو جنرل ہسپتال میں لے جاتے تھے محافظ فوجی ساتھ ساتھ ہوتے
تھے آدھا گھنٹہ مریضوں کے پاس بیٹھ کر رخصت ہو جاتے تھے پھر اسی طرح
ہر آٹھ دن میں ایک دفعہ دو شنبہ کے دن ملاقات ہو سکتی تھی یہ عام قانون تھا
البتہ اگر کوئی خاص ضرورت ہو یا کسی کی کوئی رعایت ہو تو وہ علیحدہ بات تھی
مریضوں کو خطوط بھیجنے یا ضروری اشیا کے کیمپ سے منگانے کا بھی طریقہ
بذریعہ افسران ہسپتال دفتر آفس تھا ہسپتال میں بھی ایک ٹھیکہ دار کی دوکان تھی
جہاں پر عموماً ضروریات کی چیزیں جن کی ڈاکٹروں کی طرف سے ممانعت نہ ہو مریض
خرید سکتا تھا ہسپتال کے دروازہ اور اطراف پر پہرہ فوجی رہتا تھا مگر بہت سے
لوگ مصنوعی صورت مریضانہ بنا کر وہاں رہنا پسند کرتے تھے کیونکہ خوراک کا انتظام
وہاں اچھا تھا اس ہسپتال میں ایک قطعہ پاگل خانہ کا بھی تھا چونکہ اسیروں کے تخیلات
اور اوہام ان کے دماغ پر بہت زیادہ اثر ڈالتے ہیں (اس جنگ عمومی کے زمانہ
میں یہ حالت زیادہ پیدا ہو گئی تھی) اس لیے عموماً دماغی حالت ہر ایک شخص کی جادہ
استقامت پر نہیں رہ سکتی پھر فوجیوں کو اپنے افکار نیز اپنی سلطنت اپنی قوم
اور ملک کے مستقبل کی بے چینی بحالت مغلوبیت بہت ستاتی ہے تاجروں
کو ان کے تمام تجارتی مال کا مصادرہ ہو جانا جس قدر ان کے دل و دماغ ناکارہ
کر دے کم نہیں ادھر ہر اسیر کو اپنی مدت اسارت معلوم نہیں۔ اسرا جنگ
قانوناً خواہ وہ ملٹری ہوں یا سویلین فقط مبادلہ پر نجات پا سکتے ہیں یا صلح پر
اور یہ دونوں حالتیں غیر معین وقت کی خواہاں ہیں۔

الحاصل مذکورہ بالا وجوہ اور دیگر وجوہ شخصیت وغیرہ سے دماغ پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے اسطرح ضعف دماغ والا آدمی لبسا اوقات مجنون ہو جاتا ہے۔ متعدد آدمیوں نے اس مدت اسارت میں اپنے آپ کو پھانسی دے دی، بعض نے اپنے آپ کو زخمی کر لیا اور پاگل تو بہت سے ہو گئے تھے اس لیے پاگل خانہ کا بھی اسارت گاہ کے لیے ہونا ضروری تھا، بعض متعدی امراض کے مریضوں کے لیے مالٹا میں ہسپتال خاص تھے جہاں پر مریض کو خاص طور سے پہنچاتے تھے اور اس میں (جنرل ہسپتال) میں نہیں رکھتے تھے۔ انفلوئنزا کے لیے بھی یہی معاملہ تھا اسی طرح طپش کے لیے علیحدہ ہسپتال تھا۔

کیمپوں کا انتظام

ہر کمپ میں باتفاق سکانِ کمپ ایک افسر مقرر کیا جاتا تھا جس کو صدر کمیٹی کہتے تھے وہ کمپ کے تمام انتظام کا کفیل ہوتا تھا، افسران آفس اس سے کمپ کے متعلق گفت وشنید کرتے تھے اور وہ اہل کمپ سے مراجعت کرتا تھا، یہ صدر حسب خواہش اہل کمپ ماہوار بدلتا بھی رہتا تھا۔ یہی شخص ہر ہفتہ میں اپنے کمپ کے اسراء کے لیے ارزاق (رسد) وصول کرتا اور کمپ میں اسراء کو حصہ رسد بانٹا کرتا تھا اور یہی روزانہ روٹی گوشت ترکاری بھی وصول کر کے بانٹتا تھا یہی اسراء سے خدمت کی ماہوار بھی وصول کرتا تھا کیونکہ ہر اسیر پر خواہ وہ فوجی ہو یا سویلین لازم تھا کہ اپنے کمپ کی روزانہ صفائی، پاخانہ کی روزانہ علاوہ نجاست اٹھانے کے صفائی (کیونکہ فقط پاخانہ اٹھانے کے لیے تو ایک مالٹی حکومت کی طرف سے نوکر تھا، جو روزانہ صبح کو اٹھاتا تھا مگر وہ دوسری صفائی کا ذمہ دار نہ تھا) اپنے کمپ کی رسد ہفتہ وار روٹی، گوشت ترکاری کوئلہ وغیرہ وغیرہ روزانہ

Marfat.com

انجام دے، اس لیے اصحاب مقدرت کسی کو تنخواہ دے کر مقرر کرتے تھے اور جو اصحاب مقدرت نہ تھے وہ خود کام کرتے تھے مگر چونکہ کام کے لیے سب آدمیوں کی روزانہ ضرورت نہ ہوتی تھی اس لیے باری مقرر کی جاتی تھی۔ صدر کمیٹی ان سب باتوں کا انتظام کرتا تھا باورچی خانہ کا بھی انتظام اگر اہل کمپ چاہتے تھے تو اسی کے ذمہ ہوتا تھا، بڑے بڑے کیمپوں میں مختلف باورچی خانے تھے، بعض لوگ فقط انگریزی رسد پر اکتفا کرتے تھے اس کا کھانا نہایت گرا ہوا ہوتا تھا اور بعض لوگ کچھ اپنے پاس سے بھی ماہوار زیادہ دے کر عمدہ اور مکلف کھانا پکواتے تھے اس لیے مختلف میزیں تھیں، بعض لوگ اپنا روزانہ اور ہفتہ وار سامان رسد لے کر علیحدہ علیحدہ پکاتے تھے غرض کہ اس میں آزادی تھی۔

رسد کی اشیا:

خشک سیاہ چاء، ڈبہ کا دودھ، شکر سفید، مرگرین، پنیر، چاول، دال مسور، جیلی، نمک موم بتی، یہ چیزیں ایک خاص وزن اور مقدار سے ہفتہ وار ملتی تھیں اور روٹی، گوشت، ترکاری، کوئلہ روزانہ ملتا تھا، صابن کپڑے دھونے کا ایک مہینہ میں ایک مرتبہ ملتا تھا گوشت وہ ملتا تھا جو کہ وہاں مدتوں سے برف میں محفوظ چلا آتا تھا۔ چونکہ مالٹا جنگی حرکات کے لیے ایک مرکز ہے اس لیے وہاں تمام فوجی ضروریات بہت بڑے پیمانہ پر ہمیشہ موجود رہتی ہیں وہاں پر گوشت کے لیے بھی سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا مکان ہندسی طریقہ پر بنا ہوا ہے جس میں برف کی سلوں میں گوشت ہزاروں من ہمیشہ دبا رہتا ہے۔ یہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے آسٹریلیا نیوزی لینڈ وغیرہ سے لائے جاتے اور ذخیرہ کیے جاتے ہیں اور بوقت ضرورت صرف ہوتے ہیں۔ ہر ٹکڑے پر ڈاکٹری سرٹیفکٹ کا کاغذ

لگا ہوتا تھا جس سے جملہ کیفیات گوشت کی معلوم ہوتی تھیں، بعض بعض ٹکڑے سولہ سولہ اور سترہ سترہ برس کے نکلے مگر ظاہری صورت میں کوئی فرق تازہ گوشت سے نہیں ہوتا تھا۔ البتہ کھانے والوں سے سنا گیا کہ تازہ گوشت کی سی لذت نہیں ہوتی تھی۔

ان چیزوں کی انواع تو بے شک بہت سی تھیں مگر روزانہ علیحدہ علیحدہ کر کے دی جائیں تو کوئی شخص گزارا نہیں کر سکتا تھا، البتہ اکٹھا کرنے اور ہفتہ بھر کی ایک دفعہ لینے کی وجہ سے ایک مقدار ضرور معلوم ہوتی تھی، روٹی بڑی اور ڈبل آتی تھی جس کا چوتھائی حصہ فی کس روزانہ دیا جاتا تھا، کم خوراک والے آدمی اس پر بسر کر لیتے تھے مگر اچھے کھانے والے اس پر ہرگز بسر نہیں کر سکتے تھے اسی لیے دوکاندار کو روزانہ شہر سے بڑی مقدار روٹیوں کی لانی پڑتی تھی اور اگر کبھی اس میں کمی ہو جاتی تھی یا نہیں آ سکتی تھی تو کہرام مچ جاتا تھا، ہم نے سنا تھا اور کچھ دیکھا بھی کہ پہلے پہل اسیروں کو نہایت فراخ دلی سے رسد دی جاتی تھی جو کہ بڑے سے بڑے خوراک والے آدمی کو کافی ہوتا تھا مگر جب جنگ نے طول کھینچا مصارفِ جنگ بہت زیادہ بڑھ گئے، بحری راستہ نہایت خطرہ میں ہو گیا اسیروں کی زیادتی ہو گئی تو پھر گورنمنٹ کو ہاتھ کھینچنا پڑا، چنانچہ بعض ایام میں تو بہت ہی کمی کرنی پڑی، جرمنوں میں ان جوان اور کثیر الاکل لوگوں نے جن کو کسی طرح یہ غذا کافی نہیں ہوتی تھی کتنے ذبح کر کے کھائے اور کھالوں کو علی الاعلان لٹکایا اور ظاہر کیا کہ ہم نے یہ فعل قلتِ خوراک کی وجہ سے کیا ہے۔

اسراء کو آپس میں ملنے کا طریق

روزانہ ہر کیمپ میں صبح اور شام گنتی ہوتی تھی، صبح کو تقریباً ۹½ بجے

اور شام کو چار بجے، جتنے سویلین اور فوجی سپاہی تھے سب کو قطار باندھ کر کھڑا ہونا ہوتا تھا سارجنٹ یا کپلر آکر گنتا تھا اور پھر چلا جاتا تھا، صبح کو گنتی کے بعد بڑے کیمپوں میں خرید و فروخت کے لیے اور دوسرے احباب سے ملنے کے لیے کبھی تمام اہل کیمپ کو اور کبھی ایک معین مقدار کو اجازت ملتی تھی، ہر کیمپ کا متعین سارجنٹ یا کپلر ان کے ساتھ ان دروازوں تک جاتا تھا جن سے ان لوگوں کو گزرنا ہے کیونکہ ہر دروازہ کا محافظ بغیر اس کے دروازہ نہیں کھول سکتا تھا افسر اور نہایت معزز سویلین آدمیوں کی گنتی ان کے جائے قیام پہ ہوتی تھی ان کو ضروری ہوتا تھا کہ وہ اپنے اپنے مقام پر گنتی کی سیٹی کے بعد موجود ہو جائیں اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو اپنی جگہ سے نہ ٹلیں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بھی گنتی ان کی قیام گاہ میں ہوتی تھی، بڑے کیمپوں میں چونکہ تمام افراد کو دوسرے کیمپ کے لیے اجازت نہ ہوتی تھی بلکہ ایک خاص عدد مقرر تھا اس لیے ایک دن پہلے ان کو ضروری ہوتا تھا کہ اپنے ناموں کو اس کاغذ پر جو کہ کیمپ کے صدر کمیٹی کے پاس ہوتا تھا یا اس کے انتظام سے روزانہ کہیں چسپاں کر دیا جاتا تھا لکھ دیں، وہ بوقت اجازت روانگی سب کے نام پکار پکار کر دروازہ پر پڑھتا تھا اور ان کو کیمپ مقصود میں پہنچوا دیتا تھا۔

ڈاک کا انتظام

ہفتہ میں دو دن یعنی دوشنبہ اور جمعرات کو ہر ایک شخص کو ایک ایک کھلا لفافہ دیا جاتا تھا جو کہ طول میں تقریباً تین پوسٹ کارڈوں کے عرض کے مجموعہ کے برابر ہوتا تھا اس طویل ورق پر ایک خاص قسم کا سپید مصالحہ چڑھا ہوا ہوتا تھا جس کی وجہ سے کوئی خفیہ کتابت اس پر نہیں ہو سکتی تھی اس

Marfat.com

میں سطریں سیاہ پڑی ہوتی تھیں ان پر لکھنا ہوتا تھا، دوشنبہ اور جمعرات کو گننے والے سپاہیوں کو یا صدر کمیٹی کو لکھے ہوئے لفافے دے دیے جاتے تھے اور سادے لفافے مل جاتے تھے اگر کوئی پوسٹ کارڈ بھیجنا چاہتا تھا تو اس کو خود خریدنے ہوتے تھے جو کہ عموماً بکتے تھے، تین کارڈ ایک ڈاک میں ایک شخص بھیج سکتا تھا، ڈاک خانہ کی اُجرت ان لفافوں اور کارڈوں پر نہ تھی بلکہ بلا ٹکٹ جاتے تھے، اولاً یہ جملہ لفافے اور کارڈ سنسر کے آفس میں جاتے تھے جس میں مختلف زبانوں کے جاننے والے لوگ موجود رہتے تھے وہ ان خطوط کو پڑھا کرتے تھے اگر کوئی بات خلافِ سیاست پاتے تھے تو اس کو کاٹ ڈالتے تھے یا خط ہی کو پھاڑ ڈالتے تھے مگر چونکہ وہاں اردو کا واقف کوئی سنسر نہ تھا اس لیے ہمارے خطوط مصر یا بمبئی میں سنسر ہوتے تھے جو دول متحاربہ تھیں، ان کے خطوط کے لیے مشترک مرکز سوئزر لینڈ میں تھا جہاں خطوط دوسری مرتبہ سنسر ہوتے تھے اور پھر آپس میں مبادلہ ہوتا تھا وہاں پر ہر محارب حکومت کے نمائندے اور افسر موجود رہتے تھے، اسراء کے جو خطوط آتے تھے ان کے لیے کوئی مقدار معیّن نہ تھی وہ بھی کھلے ہوئے آتے تھے ان کا بھی سنسر وہاں ہوتا تھا اگرچہ وہ پہلے بھی دو تین دفعہ مختلف مقامات پر سنسر ہو چکے ہوتے تھے اس کے بعد اس ڈاک خانہ میں یہ خطوط بھیج دیے جاتے تھے جس کو خود اہل کمپ نے قائم کر رکھا تھا ہر بڑے کمپ میں جیسا کہ انتظام صدر کمیٹی کا تھا ایسے ہی اہل کمپ کی طرف سے ڈاک خانہ کا انتظام تھا اہل کمپ اپنے میں سے ایک یا زیادہ آدمیوں کو ماہوارا انتخاب کرتے تھے جو کہ نوبت بہ نوبت اس کام کو انجام دیتا تھا جنکے خطوط اس کے پاس آفس سے آتے تھے ان کو وہ تقسیم کرتا تھا اس طرح پر کہ

Marfat.com

اصحاب خطوط کے نام لکھ کر ایک پرچہ پر اشتہار کی اس جگہ میں جہاں خاص ڈاک خانہ کے اشتہار لگائے جاتے تھے، مخصوص تختی پر چسپاں کر دیا کرتا تھا، وقت معین پر جن صاحبوں کے نام ہوتے تھے اپنے اپنے خطوط لے آتے تھے، چھوٹے کیمپوں کے خطوط کو گنتی کرنے والے سپاہی کے ذریعہ سے وہاں بھجوا دیتے تھے یا آفس والے مستقل طور پر وہاں بھیج دیتے تھے ہر خط پر ہر اسیر کو اپنے نمبر لکھنے ضروری ہوتے تھے اس نمبر اور کیمپ کے نام کے ذریعہ سے وہ پہچانا جا سکتا تھا، چونکہ ہندوستان سے ہمارے ہی خطوط آتے تھے لہٰذا اہلِ آفس ان سبھوں کو ہمارے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

اسراء کی تعداد اور نمبر

مجموعہ اسراء کا تقریباً تین ہزار تھا جن میں اکثر جرمنی تھے یعنی تقریباً نصف حصہ جرمن تھے جو کہ عموماً سویلین تھے اور مصر و سوڈان وغیرہ سے پکڑے گئے تھے اور باقی فوجی تھے جو مختلف افریقہ کے میدانوں وغیرہ سے ہاتھ آتے تھے۔ انھی میں ایڈن جہاز کے لوگ بھی تھے اور باقی ماندہ آسٹرین بلغاری ترکی، مصری شامی وغیرہ تھے، عموماً جو لوگ مشرقی محاذ سے پکڑے جاتے تھے، وہ قبرص اسکندریہ مصر وغیرہ اور جو لوگ عراق (ماسوپوٹامیا) سے پکڑے جاتے تھے وہ برہما ہندوستان کے مختلف مقامات میں بھیجے جاتے تھے، مگر ان لوگوں میں جن کو زیادہ خطرناک شمار کیا جاتا تھا ان کو مالٹا میں بھیجا گیا تھا، چناق قلعہ (درہ دانیال) سے بھی لوگ یہاں لائے گئے تھے، ان کو جب داخل کیا جاتا تھا تو ان کو نمبر بتلا دیا جاتا تھا اور ایک کاغذ ان کے نمبر کا دے دیا جاتا تھا تاکہ بوقت ضرورت تمیز ہو سکے چنانچہ ہمارے ساتھ بھی یہی کیا گیا اور ہمارے نمبر حسب ذیل تھے۔ مولوی عزیز گل

Marfat.com

صاحب ۲۲۱۵/ حکیم نصرت حسین صاحب ۲۲۱۶/ حسین احمد ۲۲۱۷/ وحید احمد ۲۲۱۸/ حضرت مولانا مرحوم ۲۲۱۹/

اسراء کی تفریح

ان جملہ اسراء کو خواہ وہ سویلین ہوں یا فوجی افسر ہوں یا سپاہی اسارت گاہ سے باہر جانے کی کسی وقت میں اجازت نہ تھی البتہ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا آپس میں دو گھنٹہ کی مقدار دس بجے سے بارہ بجے تک مل سکتے تھے۔ ہاں بعض لوگوں کو خاص طور سے دوسرے وقت بھی اجازت دو بجے سے چار بجے تک دی جاتی تھی جن کو کوئی تحریر آفس سے دے دی جاتی تھی یا اس کیمپ کے سارجنٹ سے کہ دیا جاتا تھا کہ ہفتہ میں دو چار دن یا پورے ہفتہ بھر اس کو دو بجے سے چار بجے تک فلاں کیمپ میں لے جایا کرو، چنانچہ ہم لوگوں کو بھی اخیر میں ہفتہ میں تین دن کی اجازت اس طرح پر مل گئی تھی، علاوہ اس کے تفریح کے لیے بھی روز ایک مقدار اسیروں کی جایا کرتی تھی جس کی حیثیت سے ہفتہ میں ایک مرتبہ نوبت آتی تھی سویلین اور سپاہیوں کو سنگینوں کی قطار کے بیچ میں چلنے کا حکم تھا یعنی دونوں طرف حفاظت کے لیے سپاہی کھلی ہوئی سنگین و بندوق لیے ہوئے چلتے تھے اور بیچ میں نہتے اسیر لوگ اسی طرح ان کو تین چار میل کی مسافت تک لے جاتے اور پھر واپس لاتے تھے کہیں کہیں دس پندرہ منٹ راحت کرنے دیتے تھے مگر عموماً شہر میں نہیں لے جاتے بلکہ بیرون شہر جنگل کی طرف جاڑوں کے دنوں میں دو بجے دن سے چار ساڑھے چار بجے دن تک اور گرمیوں میں پانچ ساڑھے پانچ بجے صبح سے آٹھ بجے تک یہ تفریح ہوتی تھی، مگر گرمیوں میں سمندر پر لے جاتے تھے اور وہاں پہ دریا میں جن لوگوں کو شوق ہوتا تھا نہاتے تھے تقریباً پندرہ منٹ

Marfat.com

یا بیس منٹ وہاں ٹھہرتے تھے اور پھر واپس ہو جاتے تھے جن لوگوں کو دریا میں تیرنے یا نہانے کا شوق نہیں ہوتا تھا وہ کنارے پر بیٹھے رہتے تھے، سپاہی چاروں طرف حفاظت کے لیے کھڑے رہتے تھے دریا میں بھی حد مقرر ہوتی تھی جس پر چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھوڑی تھوڑی دور کھڑی رہتی تھیں اور ان میں سپاہی مع آلاتِ جنگ موجود رہتے تھے۔ افسروں کے ساتھ عام سپاہی نہیں جاتے تھے اور نہ اس طرح قطار کے اندر وہ جاتے تھے بلکہ ان کے ساتھ سارجنٹ یا کپتان وغیرہ ریوالور لیے ہوتے ساتھ رہتا تھا ان کے لیے گھوڑے گاڑیاں لائی جاتی تھیں جن کا کرایہ خود اسیر افسروں کو اپنی تنخواہ میں سے دینا ہوتا تھا اور اگر کوئی افسر اپنے پیروں چلنا چاہتا تھا تو اس کو کوئی روک ٹوک نہ ہوتی تھی اس کے ساتھ وہی سارجنٹ یا کپلر ریوالور لیے ہوئے جاتا تھا، عام اسراء اگر ضعیف العمر یا کمزور ہوں تو ان کے لیے بھی سواری منگا دی جاتی تھی بشرطیکہ کرایہ وہ اپنے پاس سے ادا کریں اس لیے چند ضعیف العمر ایک گاڑی منگا لیتے تھے، وہ گاڑی اسی قطارِ فوج میں ساتھ ساتھ چلتی تھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ اصرار پر فقط ایک مرتبہ اس تفریح میں تشریف لے گئے تھے۔ عموماً مولوی عزیر گل صاحب اور وحید جایا کرتے تھے اور کبھی کبھی مولوی حکیم نصرت حسین صاحب بھی۔

اسراء کے لیے اخبار اور تار

اسراء کے لیے اخباروں میں سے فقط ٹائمز لندن اور ماتان پیرس اور اٹلی کے ایک اخبار کی اجازت تھی اور مصر کے اخباروں میں سے الاہرام اور المقطم کی اجازت تھی۔ دوسرے اخبار نہیں آسکتے تھے، ریوٹر کا تار بھی روزانہ آتا تھا جن لوگوں کو اس تار کی یا کسی اخبار کی ان میں سے ضرورت ہوتی تھی وہ آفس میں عرضی دیتے تھے آفس ان کی ایجنسیوں سے گفتگو کر کے مقرر کرا دیتا تھا اور قیمت ماہوار وصول کر لیتا تھا، او

Marfat.com

اخباروں اور تاروں میں جو خبریں ہوتی تھیں وہ اسی وقت مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو جاتی تھیں۔ ہر ہر قوم نے اس کا ایک خاص آپس میں انتظام کر رکھا تھا، چند آدمی منتخب تھے جو کہ ترجمہ کر کے ایک خاص تختی پر سینٹ کلیمنٹ کمپ اور درد والہ براکس میں چسپاں کر دیتے تھے اہل مصر نے بھی اس کا انتظام کر رکھا تھا وہ عربی میں ترک ترکی میں ترجمہ کرتے تھے بسا اوقات ترکی افسر دونوں کے منتظم ہوتے تھے، جرمن اور آسٹرین لوگ اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے لگاتے تھے۔

ہلال احمر اور صلیب احمر کی ہمدردی

جو اسراء عیسائی مذہب کے تھے ان کی ضروریات کے لیے صلیب احمر سے خاص خبر گیری ہوتی تھی ان کے لیے کتابیں پارسل کپڑے ماہوار نقد وغیرہ ان کے ملکوں سے برابر آتے تھے جو کہ ان میں تقسیم کیا جاتا تھا، استنبول سے بھی مسلمان اسراء کے لیے ہلال احمر نے بارہا اشرفیاں اور کتابیں وغیرہ بھیجیں جس کے ذریعہ سے عام طور پر مسلمانوں کی خوراک تعلیم اور دیگر ضروریات وغیرہ کی خبر گیری کی گئی اور اخیر تک جاری رہی اور بوقت واپسی اوطان ان کو تھوڑی تھوڑی مقدار نقد کی بھی دی گئی۔ اس تقسیم میں ترکی افسر کسی ملک کی خصوصیت نہ کرتے تھے بلکہ مسلمان خواہ کہیں کا ہو اور عثمانی رعیت خواہ کسی مذہب کی ہو سب کو علیٰ حسب المرتبہ والحاجۃ دیتے تھے ہم کو بھی دینا چاہا مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ہم سبھوں نے کہا کہ ہم اگر اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ایسے وقت میں دولت علیہ اور خلافت سنیہ کو مدد دے سکیں تو کیا ہم کو کسی طرح مناسب ہے کہ ہم اس نقد کو لیں اور پھر بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس ضرورت کے موافق گورنمنٹ سے نقد بھی ملتا ہے۔ اور کچھ ہمارے پاس بھی ہے بلکہ جب تک یہ مقدار ہلال احمر سے استنبول سے نہ آئی تھی اور کرنیل اشرف بیگ نے چندہ سے اس کا

Marfat.com

انتظام کیا تھا تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نصف پونڈ ماہوار اس چندہ میں برابر دیتے رہے مگر جب وہ مقدار نقد کی ہلال احمر سے آگئی تو کرنیل موصوف مولانا مرحوم سے درخواست کی کہ اب ہم چندہ سے مستغنی ہو گئے اب آپ بند کر دیں۔ استنبول میں خطوط کا بھی انتظام ہلال احمر کا آفس اچھا رکھتا تھا اور اپنی تمام انجمنوں کے ذریعہ سے جو تمام عثمانی ممالک میں موجود تھیں اس کا پورا انتظام قائم کراتا تھا۔

کیمپوں میں اپنے اپنے لکڑی کے مکانات

کیمپوں میں خیمے تو سرکاری تھے مگر ہر خیمہ میں تین آدمی یا کم از کم دو آدمی ضرور رہتے تھے اور گورنمنٹ کو اختیار رہتا تھا کہ اگر اس کو ضرورت ہو تو تیسرا آدمی اس میں رکھے اس لیے علیحدہ مستقل طور پر رہنے کی غرض سے افتادہ جگہ میں کیمپ ہی کے اندر بعضے بعضے اسراء لکڑی کے گھر بنا لیتے تھے، چیڑ کی لکڑی کے صندوق یا تختے شہر سے منگا کر ان کو بطور ستونوں کے بنا کر اس پر ٹاٹ جڑتے تھے اور ٹاٹ پر چونا پھیر کر ایک خوب صورت کمرہ ہو جاتا تھا، جرمنی اور آسٹرین ترکی وغیرہ سفر مینا کے سپاہی یا سویلین کاریگر ایسے موجود تھے جو عمدہ سے عمدہ کام لکڑی اور لوہے اور تعمیر وغیرہ کا جانتے تھے، وہ لوگ نہایت پاکیزہ اور صاف عمارت کھڑی کر دیتے تھے جس میں آدمی نہایت آرام سے بسر کر سکتا تھا اور گورنمنٹ کی طرف سے اس پر کوئی زور دوسرے شخص کے داخل کرنے کا بھی نہ ہو سکتا تھا جن کیمپوں میں پتھر مٹی میسّر ہو سکتی تھی وہاں پر لوگوں نے ایسی عمارت مٹی یا پتھر سے بنائی تھی۔ بعض لوگوں نے یہی پیشہ کر لیا تھا، اپنے ہاتھوں ایسی مختصر سی عمارت بنائی اور اس کو بیچ دیا۔ در دوالا کے بیرونی حصہ میں جس میں دن بھر پھرنے اور بیٹھنے کی اجازت اور رات کو دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہاں کوئی نہیں رہ سکتا تھا، بہت سے لوگوں نے دن کو تفریح اور بیٹھنے کی غرض سے ایسے ایسے مختصر کمرے بنا

لیے تھے اور مختلف قسم کے پھول اور بیلیں اور درخت لگا کر ایک عمدہ چمنستان تیار کر لیا تھا جو کہ حقیقتاً ایک سیر کی جگہ ہو گئی تھی

اسراء کے علمی مشاغل

چونکہ اس عظیم مجمع میں ہر قسم کے اور ہر لیاقت اور مختلف زبانوں کے لوگ جمع تھے اور کوئی کام اور خدمت کسی کے ذمہ نہ تھی اس لیے ترقی پسند لوگوں کو اس کی فکر لازم تھی کہ وہ اپنی عمر کا یہ حصہ ضائع نہ کریں اس لیے عموماً لوگوں نے اپنے اوقات کو علوم کی تحصیل اور زبانوں کے سیکھنے میں صرف کیا، اس مجمع میں بڑے بڑے پروفیسر مختلف زبانوں اور فنون کے موجود تھے، کتابیں یا تو ہر زبان کی وہاں مل جاتی تھیں یا طلب پر مصر یا انگلینڈ، جرمن، اٹالیہ فرانس وغیرہ سے آسکتی تھیں اس لیے یہ اسارت گاہ ایک حیثیت سے ایک اچھا خاصا دار العلوم (یونیورسٹی) بن گیا تھا خصوصاً زبانوں کے لیے ہم نے بہت کم ایسے آدمی دیکھے جنہوں نے علمی مذاق رکھتے ہوئے کم از کم ایک دو زبان نہ سیکھ لی ہو، سیاسی امور اور اقوام کے تاریخی حالات اور خصوصاً ازمنۂ حاضرہ کی سیاست کے لیے تو گویا یہ مقام ایک خالص کالج تھا، پھر جس قدر یہاں آزادی تھی دوسری جگہ کہاں، نہ سی آئی ڈی کا خوف ہے نہ کسی گورنمنٹ کی ناراضی کا خیال ہے نہ کوئی مخالف طبع شخص وقت مکدر کرنے والا ہے بلکہ سب کے سب ایک خیال اور ایک درد اور ایک ہی دکھ والے تھے۔

اسراء کی باہم ہمدردی

سب کے سب اتحادیوں اور خصوصاً برٹش گورنمنٹ اور انگلش قوم کے دشمن تھے۔ اعلانیہ انگریزوں کو برا کہتے تھے۔ اگر انگریزوں کی شکست اور ان پر یا ان کے خلفاء پر کسی مصیبت کی خبر آتی تھی تو خوشیاں مناتے تھے، جھنڈے اڑاتے تھے، شور و شغب مچاتے تھے اور اگر خدانخواستہ جرمن، ترکی، اسٹریا، بلغار کسی کی کوئی بری

خبر آجاتی تھی تو سب کے سب غمگین نظر آتے تھے اگرچہ اس تین ہزار کی جماعت میں کوئی مسلمان تھا کوئی عیسائی کوئی یہودی تھا کوئی کیتھولک، کوئی کالا تھا کوئی گورا کوئی مشرقی تھا کوئی مغربی، کوئی سویلین تھا کوئی فوجی، کوئی ایشیائی تھا کوئی افریقی کوئی یورپین تھا کوئی لڑکی ——— مگر مصیبت نے سب میں ایسا رشتۂ اتحاد جوڑ دیا تھا کہ ہر ایک دوسرے پر جاں نثار او فدا نظر آتا تھا اور حقیقت میں دل سے عموماً ایک دوسرے کی خیر خواہی کا دم بھرتا تھا وہاں پر ایک عجیب منظر دکھائی دیتا تھا گویا کہ تفرق مذاہب و اقوام و اوطان عالم انسانیت سے بالکل اٹھ گیا ہے انسانیت کے رشتۂ اتحاد نے ایک کو دوسرے سے ایسا جکڑ بند کر دیا ہے کہ گویا ہر ایک دوسرے کا حقیقی بھائی اور رشتہ دار ہے۔ اگر ایک شخص کو تکلیف پہنچتی تھی تو سب اس کے ازالہ کی فکر میں متوجہ ہوتے تھے عموماً ہر ایک کو دوسرے کا خیال رہتا تھا۔ سب کے سب انگریزی افسروں اور فوجیوں کو نہایت غصہ اور غضب کی نگاہ سے دیکھتے تھے ہر اسیر کو نہایت عظمت اور وقعت کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے حسب مراتب معاملہ کرتے تھے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے عموماً ہر قوم کے ذی علم اور مقتدر لوگوں کو بہت زیادہ ہمدردی تھی اور بہت زیادہ تعظیم سے پیش آتے تھے، عید کے ایام میں مسلمانوں کے علاوہ جرمنی اسٹرین وغیرہ کے مقتدر اور ذی وجاہت لوگ ملنے اور مبارکبادی دینے کے لیے آتے اور گل دستہ وغیرہ پیش کرتے تھے پرنس جرمنی جو کہ غالباً قیصر جرمن کا بھتیجا تھا اور آمدنی جہاز میں بحری فوجی کپتان کے عہدہ پر تھا اور جملہ جرمنی اسراء میں باعتبار مرتبہ کے یعنی شاہی خاندان ہونے کے بہت بڑی عظمت رکھتا تھا وہ ہمیشہ عید میں مولانا مرحوم کے پاس آتا تھا۔ چند منٹ بیٹھتا اور چاء نوش کر کے چلا جاتا تھا۔ مولانا بھی دو چار دفعہ اس کے بلانے پر اس کے یہاں نہایت مختصر طور پر تشریف لے گئے، جب کبھی راستہ میں مولانا اس

کو نظر پڑ جاتے تھے تو دور سے ٹوپی اتارتا اور سر جھکا کر سلام کرتا تھا، مولانا مرحوم کی صداقت ان کی حقانیت ان کی للّٰہیت تقویٰ طہارت نے فقط احباب ہی کے دل پہ سکہ نہ جمایا تھا بلکہ مخالف بھی ان کی وقعت دل میں بہت زیادہ رکھتا تھا اور معاملہ عظمت ہی کا برتتا تھا، بڑے بڑے فوجی افسر جرنیل اور کرنیل، میجر باوجود انگریز ہونے اور اس بات کے سمجھنے کے کہ مولانا ہمارے سیاسی امور میں مخالف ہیں ہماری موجودہ حکومت کو ہند میں نہیں چاہتے وہ ہندوستان کی آزادی کے خواہاں اور اسلام اور مسلمانوں کی خلافت کے دوست ہیں، جب مولانا کو دیکھ لیتے تھے تو نہایت تعظیم سے پیش آتے تھے ٹوپی اتار لیتے تھے اور بعض بعض تو بہت زیادہ جھک جاتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سچائی اور للّٰہیت ایک ایسی چیز ہے کہ ضرور بالضرور اپنا اثر پیدا کر دیتی ہے، موافق اور مخالف دونوں وقعت کی نظر سے دیکھتے اور دل میں مانتے ہیں۔ اور خود غرضی نفس پرستی، خیانت مذہبی و قومی ایسی قبیح چیز ہے کہ مخالف تو در کنار موافق بلکہ عزیز قریب بھی نہایت تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ

عام اسراء کی تجارت

عام اسراء میں سے بعض لوگ تجارت کرتے تھے جن میں سے بہت سے لوگوں نے قہوہ خانے کھول رکھے تھے اور اس کے ذریعہ سے انہوں نے اچھی مقدار جمع کرلی تھی، بعض لوگ مختلف چیزیں اسراء کی خرید کر دوسرے اغنیاء کے ہاتھ فروخت کرتے تھے اور اس طریقے سے بعض چیزیں مالٹا سے منگا کر خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، بعض اہل صناعت سگار بنا بنا کر فروخت کرتے غرضکہ طرح طرح کے مشاغل لوگوں نے جاری کر رکھے تھے جس کی بنا پہ بہت سے لوگ مال دار ہو کر نکلے۔

Marfat.com

اسراء کی صناعت

عموماً بہت سے لوگ کپڑے دھو دھو کر ایک اچھی خاص مقدار جمع کر لیتے تھے کیونکہ کپڑوں کے باہر جانے کا کوئی انتظام نہ تھا، گورنمنٹ سے صابن ملتا تھا اس لیے بہت سے لوگ اسی پیشہ کو کرتے تھے، بہت سے جن کو کھانا پکانا آتا تھا اچھی اچھی تنخواہوں پہ باورچی خانوں میں نوکری کرتے تھے۔ بہت سے لوگ افسروں کی خدمت کی نوکری کرتے تھے۔ بہت سے لوگ مختلف مصنوعات بنا کر روپیہ کماتے تھے۔

چھوٹے کیمپ مختلف وجوہ سے بڑے کیمپوں کے تابع شمار کیے جاتے تھے روگیٹ کیمپ درد الہ کے تابع تھا۔ عرب کیمپ، روم کیمپ، بلغار کیمپ سینٹ کلیمت کے تابع تھا۔ وال فرسٹہ مستقل تھا، تابع کی ضروریات اس کے مرکز سے پوری کی جاتی تھیں وہیں کا حاکم ان کے امور کا متکفل ہوتا تھا اور دورہ کرنے کو بھی وہی جاتا تھا۔

اسراء کے مقدمات

عموماً اسراء میں باوجود قید اور کثرت اذکار و مصائب آپس میں لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے تھے کیونکہ حسب عرض سابق آپس میں بہت زیادہ ہمدردی تھی اور اگر کبھی کچھ ہوتا تھا تو عموماً اس قوم کے ذی رائے اور مقتدر لوگ انگریزوں اور حکام تک جانے نہیں دیتے تھے اور اپنی بڑی ہتک سمجھتے تھے کہ دشمن کے سامنے اپنے جھگڑوں کو لے جائیں مگر اس پر بھی کبھی ایسے وقائع ضرور پیش آئے ہیں کہ جن میں انگریزی حکام تک آپس کے جھگڑے پہنچے ہیں، بسا اوقات اسیروں کے جھگڑے انگریزی محافظ فوجیوں کیلدوں اور سارجنٹوں سے پیش آئے ہیں غرضکہ ہر دو قسم کے جھگڑے آفس میں پیش ہوتے تھے، اگر کوئی چھوٹا معاملہ پیش ہوتا تھا تو خود کمانڈر یا اس کا نائب فیصل کر دیتا تھا اور مجرم کو سزائے قید محض یا قید با مشقت دیتا تھا۔

Marfat.com

قیدخانہ اسارت گاہ

دروالہ میں چند کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں جن میں تقریباً دو چار پائیاں پڑ سکتی تھیں ان میں قید کر دیا کرتے تھے اور دروازہ بند کر دیتے تھے چارپائی سونے کے لیے نہیں ملتی تھی فقط کمبل ملتا تھا اور رات کو قضاء حاجت بھی وہاں ہی بالٹی میں کرنا ہوتا تھا، دن کو البتہ بوقت ضرورت دروالہ کے پائخانے میں لے جاتے تھے، سپاہی ساتھ جاتا تھا ان کو علی الصباح دروازہ کھول کر قیدی سے دروالہ کی صفائی اور جھاڑو وغیرہ دینے کی یا دوسری خدمت لی جاتی تھی، کھانا اس کے کمپ سے مع چاء وغیرہ کے دونوں وقت کپلر لے جاتا تھا جس کو اس کے احباب بھیجتے تھے یا جس باورچی خانہ میں اس کا کھانا پکتا تھا وہاں سے لے جاتا تھا۔ یہ حالت ان مجرموں کی ہوتی تھی اور جن پر حکم زیادہ کا ہوتا تھا ان کو شہر کے فوجی جیل خانہ میں لے جاتے تھے اور فوجی معاملات ان سے کرتے تھے فقط سویل آدمیوں سے مشقت نہیں کراتے تھے اور اگر مقدمہ کوئی بڑا ہوا ہوتا تو اس کے لیے کورٹ مارشل ہوتا تھا جس میں وکلاء اور فوجی حکام کا مجمع ہوتا تھا اور مقدمہ فیصل کیا جاتا تھا۔

مولانا کا کمپ اسارت میں داخلہ

مولانا مرحوم بندرگاہ سے سالٹر کے ساتھ اکّے پر سوار ہو کر آگے چلے آتے تھے اور ہم لوگ پیدل سپاہیوں کے ساتھ آئے روگیٹ کمپ میں پہلے سے ہمارے آنے کی اسی دن خبر ہوگئی تھی جس دن ہمارا آگ بوٹ اسکندریہ سے روانہ ہوا تھا وہاں پر بذریعہ تار آفس مالٹا کو اطلاع دی گئی تھی آفس نے روگیٹ کمپ میں انتظام کیا اور خبر بھی دے دی کہ پانچ ہندوستانی آرہے ہیں، الغرض دو خیمے وہاں ہمارے لیے نصب کیے گئے تھے اور لکڑی کے تختہ کی پانچ چارپائیاں

ان کے گدّے کمبل وغیرہ جملہ ضروریات مہیا تھیں، چونکہ اس کیمپ میں پہلے سے دو ہندوستانی ایک ڈاکٹر غلام محمد پنجابی آدم پوری اور دوسرے مسٹر سیدار بنگالی ساکن چندر نگر وہاں موجود تھے مسٹر سیدار برہمن تھا فرانسیسی زبان عمدہ جانتا تھا۔ انگریزی اور جرمنی بھی جانتا تھا مگر اردو بالکل نہیں جانتا تھا۔ سنسکرت سے بھی خوب واقف تھا وہ بم بازی کی تہمت میں گرفتار کیا گیا مگر باوجودیکہ اس پر کوئی ثبوت واقعی نہیں پہنچ سکا تھا، گورنمنٹ بنگال نے اس کو مصر بھجوا دیا اور پھر وہاں سے مالٹا روانہ کر دیا گیا تھا، اس پر مصائب اسارت نے اتنا ضرور اثر کیا تھا کہ اس کی عقل میں فتور ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر غلام محمد مصر میں ایک مدت سے مقیم تھے وہاں ان کے والد اور بھائی بھی آ گئے تھے یہاں انہوں نے اپنی شادی بھی کر لی تھی۔ ابتداء جنگ میں ان پر بھی ان کے دشمنوں نے کچھ خبریں اڑا کر گورنمنٹ کو بدظن کر دیا ان کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں اور بالآخر جیزہ کی سیاسی قیدگاہ جس میں ہم بھی ایک ماہ رکھے گئے تھے اس میں یہ بھی گئے وہاں پر مختلف وقائع ایک جماعت سے ایسے ہوئے کہ گورنمنٹ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ بہت زیادہ خطرناک ہیں اس لیے ان سبھوں کو مالٹا بھیج دیا گیا اس میں سے ڈاکٹر موصوف بھی تھے

الحاصل ڈاکٹر صاحب موصوف نے پہلے تو یہ خیال کیا کہ غالباً جیزہ میں جو اور چند ہندوستانی قید تھے جن سے یہ واقف تھے وہ لوگ ہیں اس لیے یہ خوش تھے مگر جب مولانا کو دیکھا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خیال غلط تھا مگر انہوں نے وطنی تعلق کی وجہ سے نہایت تپاک سے مولانا کا استقبال کیا اور اپنے خیمہ میں لے گئے، مولانا تقریباً مغرب کے قریب روگیٹ کیمپ کے دروازہ پہ پہنچے تھے اسی وقت

ان کو وہاں داخل کر دیا گیا، مولانا نے جاکر وضو کر کے نماز ادا کی اتنے میں ہم سب بھی پہنچ گئے ہم نے بھی جا کر نماز پڑھی کچھ مختصر سامان چاء وغیرہ کا اس وقت موجود تھا اس کو تناول کر کے سامان درست کیا، چار پائیوں وغیرہ کو لگایا اور پھر عشا کے بعد سونے کی تیاری کر دی اس روز تھوڑی بارش ہو رہی تھی اور نہایت سرد ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں جس نے اور بھی ہم کو مجبور کیا کہ نہایت جلد آمد و رفت بند کر دیں مگر اتفاق سے اس کمپ میں عموماً وہ لوگ تھے جو کہ مکہ معظمہ سے پکڑے گئے تھے اور اکثر لوگ مکہ کے رہنے والے یا عرصہ سے رہے ہوئے ترکی حکام تھے اور حج سے بہت پہلے پکڑے جا چکے تھے انھوں نے جمع ہو کر مکہ معظمہ کے احوال وغیرہ کے پوچھنے میں بہت بڑا حصہ رات کا لے لیا، ایک خیمہ میں حضرت مولانا مرحوم اور مولوی عزیر گل صاحب اور کاتب الحروف کی چار پائی رکھی گئی اور دوسرے میں حکیم صاحب اور وحید کی تھی۔

صبح کے وقت ہم سبھوں کو آفس میں بلایا گیا ہم کو خیال ہوا کہ غالباً ہم سے کوئی اظہار مثل مصر لیا جاوے گا مگر وہاں معمولی طور سے پتہ وغیرہ پوچھا گیا اور رجسٹروں میں درج کر لیا گیا، ہر ایک کو تولا بھی گیا اور وزن بھی درج کر لیا گیا بعد ازاں ہم کو کمپ میں واپس کر دیا گیا۔ حسب قاعدہ رسد کی چیزیں جاری کر دی گئیں چونکہ گوشت قابلِ اعتبار نہ تھا اس لیے ہم کو اس کے کھانے سے انکار ہوا مگر چونکہ گورنمنٹ نہ اس کو واپس لیتی تھی اور نہ اس کے بدلہ میں دوسری کوئی چیز دیتی تھی ادھر پہلے سے آتے ہوئے مسلمان اپنی کمزوری کی وجہ سے اس کو برابر کھا رہے تھے اس لیے گورنمنٹ کو اور بھی حیلہ مل گیا تھا۔

اس گوشت کے حلال نہ ہونے کی وجہ، چونکہ قرآن شریف میں فرمایا گیا

ولا تاکلو مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق وان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون

(جس حیوان پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو مت کھاؤ وہ حقیقت میں فسق ہو گیا، شیاطین اپنے دوستوں کو سجھاتے اور تلقین کرتے ہیں کہ تم سے ایسے حیوانوں کے بارہ میں جھگڑے اور بحث کریں اگر تم ان کی تابعداری کرو گے تو تم مشرک ہو) اس لیے ہر حیوان حلال کے کھانے کے بارہ میں دو شرطیں ضروری ہیں اول تو شرعی ذبح ہونا دوسرے ذبح کرتے وقت اسم الٰہی کا ذکر ہونا اگر دونوں یا ایک فوت ہو گئی تو حیوان کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا، ہاں اگر مسلمان ذبح کرنے والا ہو اور وہ بھول کر تکبیر ذبح کرتے وقت ذکر نہ کرے تو وہ حسب ارشاد حضور سرور کائنات علیہ السلام حلال ہے جو حیوانات عیسائی ملکوں میں ذبح ہوتے ہیں اور ان کے کارکن عیسائی ہوتے ہیں وہاں نہ ذبح پایا جاتا ہے نہ تکبیر بلکہ بڑے بڑے شہروں اور کارخانوں میں تو حیوانات کو مشینوں کے ذریعہ سے ذبح کیا جاتا ہے ایک طرف سے حیوان کو داخل کیا اور تھوڑی ہی دیر میں دوسری طرف کھال علیحدہ اور جملہ دیگر اشیاء علیحدہ نکلتی ہیں۔ ہاں جہاں یہودی ذبح کرتے ہیں وہ البتہ مشروط ذبح کی رعایت کرتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے کہ کسی چیز کی طہارت اور نجاست وغیرہ میں یا کھانے کی چیزوں میں جب تک نجاست اور حرمت کا یقین یا غلبۂ ظن نہ ہو جاوے، جب تک اس کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ نہیں ہو سکتا اسی طرح سے حکم ذبیحہ کا ہوگا، مگر یہ سخت غلطی ہے، ذبیحہ کا حکم ان دونوں کے خلاف ہے جو خود صحیح حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک شکار پر اپنا شکاری کتا جس کو اس نے تکبیر کہہ کے چھوڑا تھا پایا اور ایک دوسرا کتا

پایا اور نہیں جانتا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ دوسرے کتے کو تکبیر کہہ کر چھوڑا گیا ہے یا نہیں تو حضرت سرور کائنات علیہ السلام اس کو حرام فرما رہے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی نظیریں موجود ہیں جن سے صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیحہ میں شروط ذبح کا جب تک علم نہ ہو جائے حلال نہیں اور یہی مسلمہ فقہاء کا ہے، یورپ کے سفر کرنے والے عموماً ہر جگہ کے مسلمان ایسے محرمات میں مبتلا ہوتے ہیں اور واہی تباہی حیلے کر کے خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم (اہل کتاب، یہود و نصاریٰ) کا کھانا تم کو حلال ہے، اس لیے ہم کو ان کے ذبح کیے ہوئے حیوان میں حرام ہونے کا کوئی شبہ نہیں مگر یہ بہت بڑی غلطی ہے جو چیز مسلمان سے حلال نہیں ہو سکتی وہ اہل کتاب سے کیونکر حلال ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمان ذبح کرتے وقت قصداً تکبیر چھوڑ دے تو وہ کسی طرح حلال نہیں پھر کتابی جب ایسا کرے تو کیونکر حلال ہو سکتا ہے۔ بہرحال وہ مسلمان سے تو کم ہی ہے اور اگر ظاہر الفاظِ آیت پر جائیں تو چاہیے کہ سور بھی حلال ہو جائے کیونکہ وہ بھی نصاریٰ کا طعام اور ان کا ذبیحہ ہے یا شراب میں پکا ہوا کوئی دوسرا کھانا ان کا حلال ہو (والعیاذ باللہ) اور اگر ان چیزوں کے حرام ہونے کا یقین دوسری آیتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو متروک التسمیہ مذبوح نصاریٰ کی حرمت کا بھی قائل ہونا ضروری ہے۔ اس قسم کے مباحث کا وہاں بھی لوگوں سے تذکرہ آیا جن لوگوں کے دلوں میں اسلام کا پاس، خدا کا خوف اور آخرت کا خیال تھا انہوں نے چھوڑ دیا تھا اور جن کے دلوں پر سیاہی جمی ہوئی تھی یا کمزوری بے حد تھی وہ نہ مانے حالانکہ یورپ کے موجودہ نصاریٰ پر کتابی کا اطلاق

اس وقت میں علی العموم آتا ہے یا نہیں یہ بھی ایک مسئلہ قابلِ غور ہے جس میں اکثر اہلِ تحقیق و تجربہ اسی طرف ہیں کہ عموماً نصاریٰ یورپ دہریئے غیر کتابی ہیں ہاں ان کے پادری وغیرہ جن میں اعتقادات ملل سماویہ اور انبیا و رسل کی حقانیت کا یقین صفات الٰہی اور معاد و قیامت کا اعتقاد واثق موجود ہے ان کی نسبت یہ خیال درست ہو سکتا ہے۔

بہت سے لوگوں کا یہ بھی حیلہ تھا کہ ہم مضطر ہیں اور مضطر کے لیے قرآن میتہ (مردار) اور خنزیر وغیرہ سب کو حلال بتلا رہا ہے مگر یہ بھی ان کی سخت غلطی تھی اور ایسے ہی خیالات بعض یورپ کے سفر کرنے والے پکایا کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مضطر اس کو شرعی زبان اور قرآن کی اصطلاح اور عربی لغت میں کہا جاتا ہے کہ جس کو بھوک کا وہ درجہ پہنچ گیا ہو کہ مرنے کا اندیشہ غالب ہو گیا ہو اور بھوک کی تکلیف دفع کرنے کے لیے کوئی حلال چیز نہ ملتی ہو اس وقت میں مردار حلال ہے اور وہ بھی اسی قدر جتنی سے زندگانی محفوظ ہو جائے پیٹ بھر کر نہیں پھر یہاں تو علاوہ گوشت کے سینکڑوں چیزیں حلال ملتی ہیں اور کم از کم روٹی اور نمک تو سب جگہ موجود ہے اس لیے یہ سب حجتیں شیطانی ہیں، بارگاہ خداوندی میں کسی کا اعتبار نہیں۔ چونکہ یہ گوشت حسب قاعدۂ شریعت میتہ (مردار) تھا اس لیے ہم نہ اس کو کھا سکتے تھے اور نہ کسی مسلمان کو کھلا سکتے تھے اب اس میں فکر کرنا پڑی کہ آیا اس کی بیع و شرا بھی جائز ہے یا نہیں، چونکہ قاعدہ ہے کہ جو چیز حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے وہ بیع باطل ہو گی اس کی قیمت بھی حرام ہو گی۔ اس لیے مولانا سے جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہاں اس کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ مگر تم فقہ کی کتابوں کو دیکھو اسیر کے لیے دار الحرب میں بیع باطل اور قمار

وغیرہ کی سب اجازت دی گئی ہے، اسیر کو کافروں سے جس طرح ہو سکے مال لینا جائز ہے اور وہ مال حلال ہے۔ چنانچہ اس وقت شروح کنز موجود تھیں ان کی طرف رجوع کیا، یہ مسئلہ صاف اور واضح طور سے مل گیا، اس وقت سے ہم نے گوشت کو ہمیشہ کافروں کے ہاتھ جس قیمت سے وہ لیتے تھے بیچ دینا شروع کر دیا اور اخیر تک یہی کرتے رہے اس کے پیسوں میں اپنے پاس سے کچھ نقد ملا کر اور دوسری چیزیں خریدتے تھے اور پکا کر کھاتے تھے

کمپ میں حلال گوشت کے طریقے

تمام اسراء کی قیام گاہ میں جملہ حیوانات کا سوائے چڑیوں کے پالنا ممنوع تھا، ان کتے تو البتہ (چونکہ یورپین لوگوں کی جان ان سے متعلق ہے) ماذون بہ تھے اور اعلیٰ ہذالقیاس بڑے جانوروں کا باہر سے لانا اور وہاں ذبح کرنا بھی ممنوع تھا جو لوگ تازہ گوشت کسی حیوان کا چاہتے تھے وہ شہری کا ذبح کیا ہوا آ سکتا تھا جو لوگ مرغی یا کبوتر یا خرگوش منگاتے تھے وہ وہاں سے ذبح کردہ شدہ پیٹ کی آلائش صاف کی ہوئی حالت میں آتا تھا اس لیے ہم کو کوئی طریقہ اس کے استعمال کا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہم نے آفس سے مراجعت کی اور اپنے مذہبی اعذار کو بیان کیا تو ہم کو بعد دشواریوں کے اس قدر اجازت ہو گئی کہ ہم زندہ مرغ یا کبوتر یا خرگوش منگائیں اور اس کو سرکاری سپاہی کے سامنے ہی ذبح کر لیں اور پھر صفائی کے قوانین کا پورا لحاظ رکھیں چنانچہ ہم نے اس کی ذمہ داری کی اور اس کے بعد سے ان زندہ حیوانات کے آنے کی ابتدا ہوئی کچھ دنوں تو یہ ہمارے ہی ساتھ مخصوص رہا پھر اس کے بعد اور لوگوں کو بھی اجازت مل گئی مگر یہ چیزیں اس قدر گراں تھیں کہ الامان۔ کبوتر فی عدد ۸؍ یا ۲؍ میں پڑتا تھا مرغی فی عدد ۸؍ یا ۶؍ یا ۸؍ میں پڑتی تھی، البتہ

Marfat.com

خرگوش سے ۹/۱۲ یا للعہ ۹/۱۲ میں پڑتا تھا، گوشت بھی اس کا زیادہ ہوتا تھا اس لیے اسی پر اعتماد کیا گیا۔

ہفتہ میں اول اول ایک یا دو مرتبہ اس کو کھاتے تھے اور باقی ایام میں دال اور ترکاری وغیرہ سے گزران کرتے تھے، ایک خرگوش کو دو وقت کرتے تھے اس میں آلو یا دوسری ترکاری ڈالتے تھے کبھی کبھی مچھلی منگاتے تھے، مگر وہ بھی نہایت گراں آتی تھی، تقریباً تین روپے سیر یا چار روپے سیر معمولی مچھلیاں آتی تھیں اس لیے ہمیشہ اس کا بھی منگانا دشوار ہوتا تھا۔

دال کے اقسام

دال وہاں پر مسور کی ملتی تھی مگر کچھ دنوں کے بعد وہ بھی ایک عرصہ تک بند ہو گئی، گول مٹر سفید دلی ہوئی اور بے دلی ہمیشہ ملتی رہی، کبھی کبھی بے دلی مسور بھی مل جاتی تھی، مصری فول بھی ملتے تھے دوسری دالیں وہاں نہیں ملتی تھیں۔ البتہ ہندوستان اور مکہ معظمہ سے پارسلوں میں ماش کی دال دھلی ہوئی اور بے دھلی اور بڑیاں وغیرہ آ جاتی تھیں جن کو ہم سب نہایت عظیم الشان نعمت سمجھ کر بہت چاہ سے استعمال کرتے تھے۔

ترکاریاں

ترکاریاں حسب موسم اکثر ملتی تھیں البتہ گوبھی کی تینوں قسمیں اور آلو اکثر اوقات میں بکثرت پائے جاتے تھے، بھنڈی جب بہت سستی ہوتی تھی تو ۳ ؍ درجن بلغیر چھانٹے ہوئے ملتی تھی اسی طرح کدو طویل اور کدو سُرخ چقندر، پالک، فول کی پھلیاں مٹر کی پھلیاں وغیرہ آتی تھیں، مگر نہایت گراں، روزانہ ہم کھانوں کے اقسام بدلتے رہتے تھے تاکہ کھانے والوں کو ایک ہی کھانے کی وجہ سے گھبراہٹ اور بدمزگی نہ پیدا ہو، سالن عموماً ہم ایک ہی پکاتے تھے۔

Marfat.com

اسارت میں کھانے کا ہمارا طریقہ

روزانہ دو وقت کھانا تیار کیا جاتا تھا صبح کو تقریباً نو بجے اور شام کو تقریباً پانچ بجے چونکہ دیگر رفقاء کھانے پکانے سے ناواقف تھے علاوہ ازیں ان کو دیگر مشغولیتیں فرصت بھی نہ دیتی تھیں پھر وہ مداومت بھی نہ کر سکتے تھے اور میرا ہمراہ ہونا فقط اداء خدمت کی غرض سے تھا اس لیے تمام ضروری خدمتوں کے انجام دینے کی کوشش کرنا میرا فرض منصبی تھا جس کے لیے میں نے مالٹا پہنچتے ہی اپنے آپ کو تیار کیا اور ہر کام کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ جدہ یا مصر میں یہ بات کسی طرح ممکن ہی نہ تھی البتہ حجاز میں حتی الوسع میں بھی کوشش کرتا تھا اور دوسرے احباب بھی اعانت کرتے تھے، مالٹا میں دوسرے رفقائے نے معارضہ کیا اور کاروبار کے بعض یا اکثر حصہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا، بعضوں نے نوبت مقرر کرنے کی خواستگاری کی مگر میں نے مخالفت کی اور یہی کہا کہ میرے فرض منصبی میں آپ لوگوں کو دخل نہ دینا چاہیے ہاں جب کبھی اعانت کی ضرورت ہوگی میں آپ لوگوں کو تکلیف دوں گا، روٹی عموماً دوپہر کے وقت آتی تھی اس کا آدھا حصہ شام کے وقت صرف ہوتا تھا اور آدھا صبح کے وقت، چونکہ بہت بڑی اور موٹی ہوتی تھی اس لیے اس کو چھری سے کاٹنا پڑتا تھا، سالن جو کہ حسب عرضِ سابق عموماً ایک ہی قسم کا ہوتا تھا ایک بڑے برتن یا طباق یا لگن میں نکال لیا جاتا تھا اور دسترخوان کے بیچ میں وہ طشت یا طباق رکھ دیا جاتا تھا اور ارد گرد روٹیوں کے ٹکڑے کٹے ہوئے رکھے ہوتے تھے اور پھر ہم سب جمع ہو کر کھاتے تھے، عموماً دسترخوان پر فقط ہم ہی پانچ آدمی نہیں ہوتے تھے بلکہ دو چار آدمی اور بھی زائد ہوتے تھے کیونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت سخاوت اور مہمانداری پر مجبول اور مفطور ہوتی تھی ان کو جس قدر

Marfat.com

مہمانداری اور سخاوت میں لطف آتا تھا کسی حال میں نہ آتا تھا، اکیلے کھانا ان کو سخت ناگوار ہوتا تھا یہی حال ان کا ہمیشہ ہندوستان میں رہا کیا اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مقروض رہے اور عموماً جائداد اپنی بیچ کر قرضہ ادا کرتے رہے مدرسہ کی تنخواہ اور بیرونی آمدنی ان کو کبھی کافی نہ ہوئی مہمانداری کی وسعت دیکھ کر عموماً اہلِ دنیا اور اصحاب ثروت دنگ رہ جاتے تھے مگر ہمیشہ سے یہ خداوندی کارخانہ جاری رہا۔

علی الصباح اندرون خانہ جھاڑو دینا اور اپنے اپنے بستروں کا درست کرنا ضروری تھا کیونکہ کیلپر یا سارجنٹ روزانہ بستروں وغیرہ کو دیکھتا تھا اگر درست نہیں ہوتا تھا تو تاکید کرتا تھا اس کے بعد ڈاکٹر آتا تھا اور کمروں کے باہر اور اندر مکان کا معائنہ کرتا تھا اس کے بعد چاء بنائی ہوتی تھی، مولانا مرحوم کے لیے دو انڈے نیم برشت کر کے پیش کیے جاتے تھے اگرچہ اس میں انہوں نے بارہا سختی کی اور ناک بھوں چڑھایا کیے مگر خدام کسی طرح اس کے ترک کرنے پر راضی نہ ہوئے، مولانا کی خوراک بہت کم تھی اور ضعیف العمری کا زمانہ تھا غذا حسبِ عادت اور طبیعت میسر نہ ہوتی تھی اس لیے تقویت کے لیے اس کا انتظام ضروری خیال کیا گیا تھا، ہندوستان میں بھی اس کا انتظام تھا اس کے بعد سب مل کر کچھ روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ چاء پیتے تھے اس کے بعد کھانا پکایا جاتا تھا جو کہ تقریباً دو گھنٹہ میں تیار ہو جاتا تھا تقریباً نو یا ساڑھے نو بجے صبح کو کھانا کھا لیتے تھے اس کے بعد دوسرا کھانا ظہر کی نماز کے بعد تیار کیا جاتا تھا اور عموماً عصر اور مغرب کے درمیان میں اس سے بھی فارغ ہو جاتے تھے ہمیشہ دونوں کھانوں کے بعد سادی چاء پی جاتی تھی اس لیے روزانہ تین دفعہ چاء لازمی طور سے پکتی تھی اور اگر کوئی مہمان آجاتا تھا تو وہ دوسری بات تھی، شام کا کھانا ایک عرصہ تک اصرار کر کے ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب پکاتے

Marfat.com

رہے اور پھر میں نے اس کا بھی انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا کبھی کبھی مولوی عزیز گل صاحب یا وحید بھی انتظام کر لیتے تھے۔

روگیٹ کمپ کا قیام

روگیٹ کمپ میں قیام تقریباً ایک ماہ کامل رہا وہاں کے لوگوں سے بخوبی واقفیت اور انس بھی ہو گیا مگر تکلیف بہت زیادہ ہوئی وجہ اس کی یہ تھی کہ اگرچہ وہ زمانہ فروری کے آخر کا تھا، مگر مالٹا نہایت سرد جزیرہ واقع ہوا ہے اگرچہ شمالی یورپ کے باشندے جو سخت برفستان کے رہنے والے ہیں اس کو نہایت معتدل خیال کرتے تھے مگر اہل ہند کے لیے تو وہ نہایت آزار دہ ہے پھر چھوٹا جزیرہ ہونے کی وجہ سے اس میں ہوا نہایت تیز چلتی ہے اور چھوٹے چھوٹے پہاڑ برف باری بھی نہیں ہونے دیتے جن ملکوں میں برف باری ہوتی ہے وہاں کی سردی زیادہ آزار دہ نہیں ہوتی جس قدر کہ ان ملکوں میں ہوتی ہے جہاں پر سرد ہوائیں چلتی ہیں اور برف باری نہ ہوتی ہو پھر اس پر طرہ یہ کہ ماہ نومبر سے اور کبھی وسط اکتوبر سے وہاں بارش شروع ہوتی ہے، دریا میں بھی طغیانی اور ہوائیں طوفان انھی دنوں میں ہوتا ہے، دسمبر اور جنوری پورے زور و شور سے سردی، ہوا، طوفان، بارش کے دکھانے والے مہینے ہیں، فروری میں ہوا کی تو کثرت رہتی ہے مگر بارش اور سردی میں خفت ضرور شروع ہو جاتی ہے۔ ادھر دھوپ میں ذرا قوت اور تیزی آجاتی ہے۔

روگیٹ کمپ اگرچہ خندق میں واقع تھا، مگر چونکہ اس میں فقط خیمے تھے اس لیے وہ سردی سے پوری محافظت نہ کر سکتے تھے اور پھر کھلا ہوا میدان تھا، رات کو باوجودیکہ ہم اپنے کپڑوں کو پہنے ہوئے دو کمبل اور ایک چادر اوڑھے ہوئے گدّوں پر ایک کمبل بچھائے ہوئے سوتے تھے مگر تقریباً دو ڈھائی بجے رات سے کثرت سردی کی وجہ سے نہ اٹھنے کی ہمت ہوتی تھی اور نہ نیند ہی آتی تھی، صبح کے وقت

Marfat.com

مجبور ہو کر نماز کے لیے اٹھنا پڑتا تھا تو خیمہ سے سر نکالنا ایک عذاب الیم کا سامنا ہوتا تھا، سرد ہوا کے اس زور کے تھپیڑے لگتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، وضو کرنے کی کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں پر ہوا اور سردی سے محافظت ہو۔ پانی جو ہم بالٹیوں اور برتنوں میں بھر کر رات سے وضو کے لیے رکھ لیتے تھے وہ برف سے زیادہ سرد ہو جاتا تھا، پیشاب اور پاخانہ کی جگہ ایسی نہ تھی جہاں پر ہوا اور سردی سے پوری محافظت ہو جو لوگ نماز کے پابند نہیں تھے وہ تو آفتاب نکلنے سے پہلے اپنے خیموں سے سر بھی نہ نکالتے تھے مگر جس طرح بھی ہو سکتا ہم سب ایک دوسرے کو اٹھاتے اور پانچوں آدمی جماعت سے نماز حضرت مولانا کے خیمہ میں پڑھتے تھے۔

مولانا کی جفاکشی اور استقامت

مولانا مرحوم کو ہندوستان کی سردی بھی سخت اذیت دیتی تھی وہ سردی کے ایام میں دن کو ہمیشہ دھوپ میں سوتے تھے بلکہ بسا اوقات گرمیوں کے زمانہ میں بھی سردیوں میں آگ اور کوئلے سے تاپنے کی اکثر عادت تھی۔ روئی کے کپڑے بہت استعمال فرمایا کرتے تھے، گھٹنوں میں اکثر درد رہا کرتا تھا۔ سردی کے ایام میں ہاتھوں اور پیروں پر ورم ہو جاتا تھا جو سینکنے سے جاتا تھا مگر مالٹا کی اس سخت سردی میں حسب عادت شب کو ۱½ یا دو بجے کا اٹھنا کبھی انھوں نے نہ چھوڑا اسی وقت پیشاب فرماتے وضو کرتے تہجد کی نمازیں ادا فرماتے اور اس کے بعد صبح تک مراقبہ اور ذکر خفی میں وقت گزارتے ہم جوانوں کو تو منھ کھولنا بھی قیامت معلوم ہوتا تھا اٹھنا یا نماز پڑھنا یا وضو کرنا تو ہزار قیامت سے بھی زیادہ تھا مگر ان کی استقامت ان کو اپنے اوقات کی پابندی اور اپنے پروردگار کی عبادت پر مجبور کرتی تھی یہی حالت ہمیشہ سفر اور حضر میں مولانا کی

رہی پھر اس پر طرہ یہ تھا کہ اس طرح اٹھتے تھے اور اس طرح آہستہ آہستہ قدم رکھتے اور دروازہ وغیرہ کھولتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی نہ نیند میں اصلاً فرق آتا تھا باوجودیکہ ہم سب خدام ہی تھے اور سفر وحضر میں ہمراہ اور رفیق تھے مگر ہم سبھوں سے بھی چھپانے کی آخر تک برابر کوشش فرماتے رہے۔ چونکہ پیشاب کا عارضہ تھا اس لیے عموماً شب میں چند مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت پڑتی تھی پانی بھی نہایت سرد ملتا تھا مگر خدا کے فضل وکرم سے باوجود ان سب امور مخالف طبع کے کوئی تکلیف مولانا کو روگیٹ کمپ کے ایک ماہ قیام میں مرض وغیرہ کی نہیں ہوئی۔

روگیٹ کمپ سے عرب کمپ کو انتقال

ہم روگیٹ کمپ سے بہت اچھی طرح مانوس اور وہاں کے لوگوں سے پوری طرح تعارف پیدا کر چکے تھے کہ یکایک کمانڈر کا بلا ہماری درخواست کے حکم آیا کہ تم کو کل کو عرب کمپ میں جانا ہوگا، ہم کو طبعی طور پر نہایت ناگوار معلوم ہوا ہم نے چارہ جوئی کی فکریں کیں سب بے سود ہوئیں۔ اس مدت میں چونکہ ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور مسٹر سیدار سے تعارف ہوگیا تھا اور ڈاکٹر صاحب وہاں کے احوال سے واقف تھے اس لیے ان کے اشارہ پر ہم نے درخواست کی کہ اگر ہم کو بغیر ہماری مرضی کے وہاں منتقل کیا جاتا ہے تو کم از کم اتنا تو کیا جائے کہ ہمارے ساتھ یہ دو ہندوستانی کر دیے جائیں تاکہ ہم سب اہل وطن ایک جگہ بسر کریں، یہ استدعا منظور کر لی گئی ہمارا خیال تھا کہ ہم کو وہ راحت جو کہ روگیٹ کمپ میں ہے عرب کمپ میں نہ ملے گی اسی وجہ سے ہم کو پس وپیش تھی مگر حقیقت میں ہم کو وہاں پہنچ کر بہت ہی زیادہ راحتیں ملیں، وہاں پر ہم کو ایک بہت بڑا کمرہ صاف کر کے دے دیا گیا اور کہا گیا کہ اس میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں رہے گا، یہ کمرہ نہایت وسیع تھا اس کے دو ٹکڑے تھے درمیان

Marfat.com

میں ایک دیوار حائل تھی جس میں دروازہ لگا ہوا تھا، قطعہ ۱ کے بھی دو حصے ہم نے کر دیے تھے یعنی ایک پردہ ڈال کر جس کی صورت (ꝏꝏꝏꝏꝏ) یہ دکھلائی گئی ہے اندرونی اور بیرونی حصہ کو جدا کر دیا تھا۔

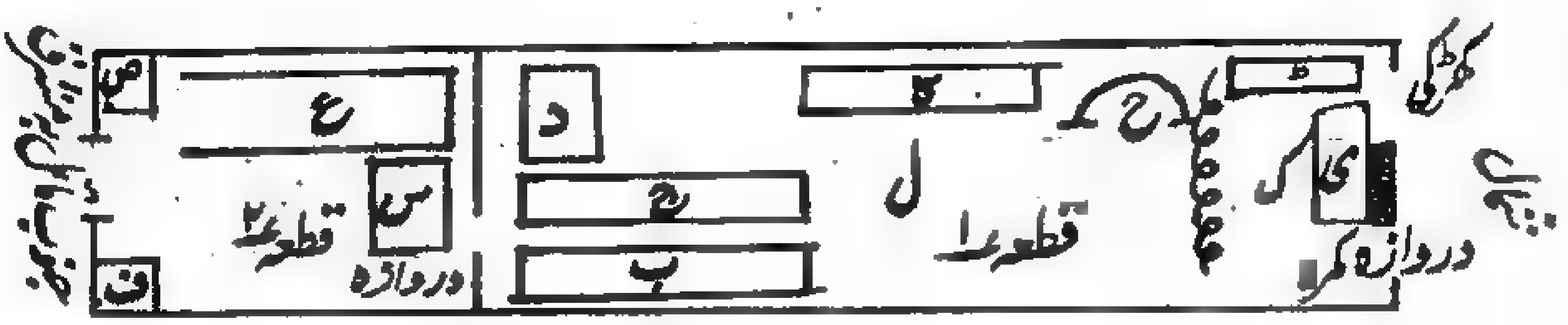

بیرونی حصہ (ک) کی جگہ میں ایک مستطیل ٹیبل (میز) رکھی رہتی تھی جس پر چادر بچھی رہتی تھی اور چند کتابیں چنی رہتی تھیں اس پر دیا سلائی اور سگریٹ بھی اکثر رکھے رہتے تھے اس کے طول میں دونوں جانب اور دروازہ کی طرف عرض میں کرسیاں بچھی رہتی تھیں جن میں سے اکثر آفس سے ملی تھیں اور بعض خود ہم نے بنوائی تھیں، دوسری طرف عرض کی جانب (ط) ایک چارپائی لکڑی کی جس پر گدے اور کمبل اور سفید چادر پڑی رہتی تھی۔ یہ سب باہر سے جو مہمان ملنے کے لیے آتے تھے ان کے لیے انتظام تھا جب مہمان نہیں ہوتے تھے ہم سب کتابوں کے دیکھنے یا خطوط وغیرہ لکھنے کے لیے یہاں بیٹھتے تھے (ی) یہ ایک بڑی کھڑکی لگی ہوئی تھی جس میں لوہے کی سلاخیں تھیں اور شیشے کا دروازہ سردی کے روکنے کے لیے لگا ہوا تھا، دیوار کا وہ حجم جو کہ کھڑکی میں سطح زمین سے بقدر ایک کرسی کے اونچا تھا اس کے ساتھ ایک تختہ لگا کر اس پہ گدا ڈال دیا گیا تھا یہاں پر مولانا اکثر اوقات میں بیٹھتے اور تحریر وغیرہ کرتے تھے اپنے درود و وظائف بھی سردی کے ایام اور اوقات میں یہاں ہی پڑھتے تھے گرمی کے اوقات میں بیٹھتے تھے اس

کا ثیلشنے کا دروازہ کھول دیا جاتا تھا اور خوب ہوا دیتا تھا مولانا کو روشنی اور ہوا کی وجہ سے یہ جگہ زیادہ مرغوب تھی یہاں ہی بیٹھ کر ترجمہ قرآن شریف لکھتے اور تصحیح فرمایا کرتے تھے اس کھڑکی کے باہر صحن میں گرمیوں کے ایام میں ایک چارپائی دیوار سے متصل بچھا دی جاتی تھی عصر کے بعد سے مولانا وہاں بیٹھتے تھے اور شب کو بھی اس پر ہی آرام فرماتے تھے۔

قطعہ ۲ کا اندرونی حصہ (ب) مولانا کی لکڑی کی چارپائی ہے اس پر ہمیشہ آرام فرماتے تھے اور (ج) مولوی عزیر گل صاحب کی چارپائی ہے یہاں ہی اخیر تک آرام کرتے رہے اور (د) حضرت مولانا کی لوہے کی چارپائی ہے یہ چارپائی مکلف تھی مگر اس پر مولانا فقط ایک دو شب ہی سوتے حالانکہ اس میں راحت زیادہ تھی ہم سبھوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو حضرت سرور کائنات علیہ السلام کا وہ قصہ یاد دلایا جبکہ آپ کے لیے بستر کی کئی تہ بنا دی گئی تھی، اور اس وجہ سے آپ کے شب میں اُٹھنے میں ذرا سی دیر ہو گئی تھی یہ چارپائی اخیر تک فقط بچھی رہی کسی نے اس کو استعمال نہیں کیا (ہ) حسین احمد (کاتب الحروف) کی چارپائی ہے (ل) درمیان میں ایک جگہ بچی رہتی تھی، اطراف میں گدے پڑے رہتے تھے یہاں ہی بیٹھ کر کھانا دونوں وقت کھایا جاتا تھا یہ تمام میدان پردے تک بچا رہتا تھا اور اگر کبھی مجمع زیادہ ہوتا تھا تو سب لوگ اسی پر بیٹھتے تھے (ح) یہ جگہ لوہے کے بڑے چولہے کی ہے جس میں سردی کے زمانہ میں کوئلہ جلایا جاتا تھا اور دیوار میں اوپر تک دھواں نکلنے کا راستہ بنا ہوا تھا اس میں کھانا پکانے اور گرم کرنے کا بھی موقع بنا ہوا تھا، یورپ میں سردی کی وجہ سے مکانوں میں یہ ضرور لگایا جاتا ہے۔

قطعہ ۳ میں (ع) حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کی چارپائی کی جگہ ہے اور

Marfat.com

(س) وحید کی چارپائی ہے اور (ف اور ص) دو بہت چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں ہیں جن میں مختلف سامان صندوق وغیرہ رکھا کرتے تھے۔ اسی قطعہ ۳ میں سب اسباب صندوق وغیرہ بھی رہتا تھا اور اس میں کھانے اور پکانے کا سامان الماریوں وغیرہ میں رہتا تھا اس میں دو کھڑکیاں بھی جانب جنوب کو تھیں جن سے ہوا خوب آتی تھی اور اس میں چونکہ شیشے کا مضبوط دروازہ لگا ہوا تھا اس لیے وہ سردی سے پوری حفاظت بھی کرتا تھا اس بڑے کمرہ کے مشرق کی جانب اسی طول اور عرض کے دو اور بڑے کمرے تھے جو آپس میں ملے ہوتے تھے اس میں قصبہ صیدا ملک شام (سوریہ) کے مسلمان بحری سوداگر اور ملاح تھے اور مغربی جانب میں اس سے ملا ہوا ایک اسی طول کا کمرہ تھا جس میں دو حصے تھے جو حصہ ۲ کے برابر تھا اس کو ہم نے کمبلوں سے بچھا کر مسجد بنا لیا تھا، گورنمنٹ نے کچھ کمبل دے دیے تھے باقی ان صیدا والے عربوں نے اپنے پاس سے ڈال کر بچھاتے تھے، سب مل کر یہاں نماز پڑھتے تھے۔ یہ عرب تقریباً بیس یا پچیس آدمی تھے اس بڑے کمرہ کے بیرونی حصہ میں جو کہ ہمارے ۲ کے مقابل تھا پانی کا نل لگا ہوا تھا اسی کے پاس ایک بڑا تختہ لانبا بنا ہوا تھا تاکہ اس پر کپڑے زمین پر آدمی کھڑا ہو کر دھو سکے اسی نل سے سب وضو کرتے تھے۔ ان کمروں کے سامنے ایک مختصر سا صحن تھا جس کا احاطہ کانٹے دار تاروں سے کیا گیا جس کی صورت نقشہ میں یہ ∞∞∞∞∞∞∞∞ دی گئی ہے، تین قطار ایسے تاروں کی تھی تار کے باہر مختصر راستہ فوجیوں کے باہر سے آنے کا تھا تار کے پاس ان شامی صیدادی عربوں نے مٹی صاف اور جمع کر کے چھوٹے چھوٹے باغیچے لگا لیے تھے ان میں سے ایک یا دو باغیچہ مولوی عزیر گل صاحب کا بھی تھا اس میں مرچ، پودینہ، دھنیا، مولی وغیرہ بوتے رہتے تھے، لعضے لعضے درخت

نقشہ

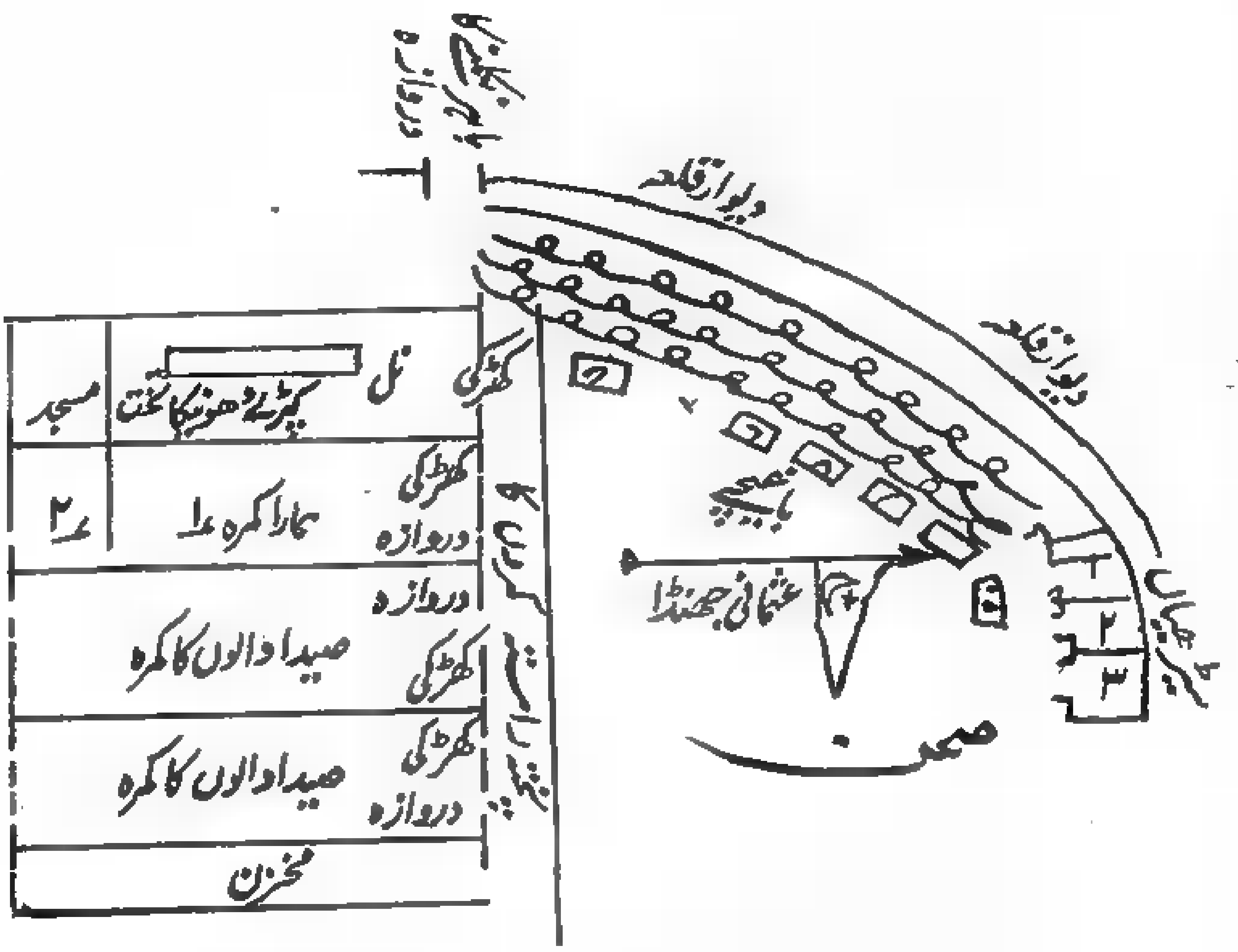

پھول یا انڈے بھی تھے۔ اس صحن کے وسط میں ایک بڑا عمود ان لوگوں نے گاڑ رکھا تھا جس پہ ہر جمعہ اور عید کو یا جب کبھی کوئی خوشخبری ترکوں اور ان کے حلفاؔ کی آتی تھی تو ترکی پھریرا اور ہلال اڑایا جاتا تھا، گرمیوں میں اس صحن میں سب سوتے تھے(۱، ۲، ۳) چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں تھیں جن میں مختلف سامان کمپ کا رہتا تھا، یہ کوٹھڑیاں صحن کے کنارہ واقع تھیں جن کی چھت پہ بالائی سڑھیاں تھیں انہی میں سے بیچ کی کوٹھڑی کو مولانا مرحوم کے لیے گورنمنٹ نے خالی کرا کر ایک بالٹی اور چوکی رکھوادی تھی کیونکہ جب حکّام نے مولانا سے دریافت کیا کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں جس کا مفصّل تذکرہ ہم آگے کریں گے تو ان سے پاخانہ کی دوری کی شکایت کی گئی اور یہ کہ سردی اور بارش کے ایام میں رات اندھیرے میں وہاں جانا بہت اذیت دیتا ہے اور مولانا کو پیشاب کی ضرورت ہمیشہ رات کو کئی دفعہ ہوتی تھی تو انہوں نے

Marfat.com

چینی کا برتن دیا کہ رات کو اس میں پیشاب کر کے صبح کو پھینک دیا کرو۔ مولانا اس پر راضی نہ ہوئے تو انہوں نے اس کوٹھڑی میں بالٹی اور چوکی رکھوا دی جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی بہت آرام ہو گیا۔

انتظام پارچہ شوئی و دیگر خدمات خارجیہ

چونکہ ہر اسیر پر اپنے کیمپ کا صاف کرنا پاخانہ کا دھونا اور باہر سے رسد وغیرہ کا لانا ضروری تھا اس لیے ہم نے اس کام کے لیے و نیز کپڑوں کے دھونے اور جھاڑو دینے کے لیے ہم پانچوں اشخاص بلکہ ابتداء میں تو ساتوں ہندوستانیوں کی طرف سے ایک شخص کو انہی صیداوی عربوں میں سے نوکر رکھ لیا تھا اس کو نصف پونڈ ماہوار دیا کرتے تھے ہفتہ میں ایک دفعہ یہ سبھوں کے کپڑے دھوتا تھا صابن وغیرہ ہم دیتے تھے اور جب ہماری باری دوسری بیرونی خدمات کی آتی تو ان کو بھی انجام دیتا تھا اگرچہ اس میں کھانا کھلانا شرط نہ تھا مگر چونکہ یہ شخص نہایت امانت دار اور دیانت دار تھا، اس لیے ہم نے اس کو کھانے میں بھی شریک کر دیا تھا اس نے بھی غیر مشروط امور میں ہماری بہت زیادہ مدد کرنی شروع کر دی تھی اور اخیر تک اس نے بہت سے کاروبار میں نہایت ہمدردی سے حصہ لیا جس کے صلہ میں ہم نے بھی علاوہ مقررہ تنخواہ کے اپنی طاقت کے موافق خبر گیری میں کمی نہیں کی۔

ان صیداوی عربوں کے حالات

شہر صیدا سوریہ (ملک شام) میں ایک پرانا شہر ہے جو کہ بر لب سمندر بیروت اور حیفا کے درمیان واقع ہے۔ بیروت سے خشکی میں بھی سڑک جاتی ہے اور گھوڑے گاڑیاں وغیرہ آتی جاتی ہیں۔ عکہ اور حیفا کو یہاں سے راستہ جاتا ہے یہ شہر قدیمی تاریخ میں بہت بڑا اور پرانا دکھایا جاتا ہے مگر زمانہ کے تقلبات نے اس

Marfat.com

کو اس قدر بڑے پیمانہ پر باقی نہیں رکھا بلکہ بیروت جو قدیم زمانہ میں اس قدر بڑا شہر نہ تھا اب بڑا مرکز اور تمام سوریہ کا بندر ہو گیا ہے صیدا میں مسلمانوں کی آبادی بہ نسبت عیسائیوں اور یہودیوں کے زیادہ ہے اس میں باغات نہایت کثرت سے ہیں۔ سنگترے، لوکاٹ، سیب انگور وغیرہ میوہ جات عمدہ اور بکثرت پیدا ہوتے ہیں، یہاں کے لوگ بعضے زراعت اور باغبانی کرتے ہیں اور بعضے تجارت پیشہ ہیں جو کہ میوہ جات یہاں سے خرید کر کے مصر لے جاتے اور وہاں سے غلہ وغیرہ لاتے ہیں بہت سے لوگوں نے کشتی بانی اپنا پیشہ اختیار کر رکھا ہے بادبانی بڑی بڑی کشتیاں چند شخصوں کی کمپنی بنا کر حصوں پر تیار کرتے ہیں اور ان پر تجارتی مال لادتے ہیں سوریہ اور افریقہ اور یورپ کے قریب کے بندروں سے اپنے تعلقات قائم رکھتے ہیں اور سردی کے وہ زمانے جن میں دریا میں طوفان ہوتا ہے اپنے گھروں میں بسر کرتے ہیں کیونکہ ان ایام بادبانی جہاز کام نہیں دیتے ان لوگوں کو دریائی سفر اور اس کے احوال کی واقفیت موسموں اور پانی کے احوال کی اطلاع میں بہت زیادہ کمال ہے ان میں اکثر لوگ پانی میں اسی طرح آنکھوں سے دیکھتے ہیں جیسے کہ باہر غوطہ لگانا، تیرنا کمال درجہ کا جانتے ہیں پھر صحت بھی ان کی اچھی ہے، جفاکش دیندار لوگ ہیں، جن ایام میں دریا قابل سفر نہیں رہتا مچھلی کا شکار کھیلتے ہیں اور بعضے لوگ ہمیشہ مچھلی ہی کے شکار پر بسر کرتے ہیں، مختلف طریقوں سے بڑی بڑی مقدار شکار کر کے اپنے مصارف نہایت وسعت سے چلاتے ہیں جو لوگ مالٹا میں ہمارے ساتھ اسیر تھے یہ سب وہی تجارت پیشہ اور جہاز راں لوگ تھے جو کہ قبل از اعلان جنگ اپنے اپنے مال اور جہازوں کو مصر میں لائے ہوئے تھے اور قصد تھا کہ مال فروخت کر کے اس کے بدلے میں وہاں سے مال خرید کر کے واپس ہوں گے کہ ایکایک ترکی

Marfat.com

اور اتحادیوں کے درمیان اعلان جنگ ہوگیا، انگریزی حکومت نے ان لوگوں کو بغیر مہلت دینے اور خبر کرنے کے یکبارگی پکڑ لیا، جہازوں اور جملہ مال اور نقد کا مصادرہ کرلیا، ان کو قید کر کے مالٹا روانہ کر دیا۔ بیچارے ابتداء جنگ سے اخیر تک تقریباً چھ برس تک اسیر رہے، ان کے اہل وعیال اکثر ہلاک ہو گئے۔ طرح طرح مصیبتوں کے شکار ہوئے۔ التواء جنگ کے بھی تقریباً ایک برس یا اس سے زیادہ کے بعد یہ لوگ چھوٹے۔ ان لوگوں کی جملہ مقدار تیس یا پینتیس آدمیوں کی تھی جن میں سے بعض بلغار کیمپ اور روگیٹ کیمپ میں بھی رہتے تھے ہمارے کیمپ میں تقریباً پچیس آدمی تھے، بیچارے عموماً نہایت نرم اخلاق والے اور دیانتدار تھے ہم لوگوں سے عموماً اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصاً ان کے معاملات نہایت ہی شریفانہ رہے ہر ایک ہماری ہمدردی اور غمگساری کے لیئے تیار رہتا تھا، ان لوگوں کے ساتھ اور ہمارے ساتھ ان کو نہایت زیادہ تعلق ہو گیا تھا، ان کو دینی باتیں جو کچھ بتائی جاتی تھیں نہایت بشاشت سے قبول کرتے تھے ان میں سے بہت سے لوگوں نے جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ گوشت جائز نہیں بالکل چھوڑ دیا تھا، ڈاڑھی منڈاتے کی عادت تھی حکم شرعی جان کر ڈاڑھیاں چھوڑ دی تھیں، جماعت سے ہمیشہ نمازوں کی پابندی کرتے تھے۔ اذان تکبیر وغیرہ سب کے یہی لوگ متکفل تھے ان میں سے چند آدمی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی ہوئے تھے اور خط وکتابت وغیرہ بھی ہم لوگوں سے سیکھی، علمی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اوقات

مولانا عشا کی نماز کے بعد بہت تھوڑی دیر جاگتے تھے کچھ اپنے اوراد پڑھتے تھے اور پھر پیشاب وغیرہ سے فارغ ہو کر اکثر وضو فرماتے کبھی کبھی کچھ باتیں

بھی فرماتے اور پھر سو جاتے تھے کیونکہ دس بجے کے بعد حکماً روشنیاں بجھا دی جاتی تھیں جہاں دس بجے اسی وقت سپاہی آواز دیتا تھا سب چراغ اور موم بتیاں بجھانی پڑتی تھیں اور پھر تمام شب جلانے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ جہاں جہاں کمروں میں برقی روشنیاں تھیں وہاں پر خود ہی بجھ جاتی تھیں البتہ وہ برقی روشنیاں جو لمپ اور راستوں کی روشنی کے لیے تھیں وہ تمام رات جلا کرتی تھیں ان کا تار برقی کمروں کی روشنی کے تار سے علیحدہ تھا۔ الغرض دس بجے سے سب لوگ سو جاتے تھے مولانا رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ایک بجے یا ڈیڑھ بجے شب کو اُٹھتے تھے، نہایت دبے دبے پیروں نکلتے دروازہ سے باہر تشریف لے جاتے۔ پیشاب سے فارغ ہو کر وضو فرماتے تھے گرمیوں میں تو گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہی نہ تھی نل کا پانی مناسب ہوتا تھا۔ سردی کے زمانہ میں ہم نے یہ خاص انتظام کیا تھا کہ چولہے پر کھانے کے بعد ایک بہت بڑے ٹین کے لوٹے میں جو کہ چاء کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے ملتا تھا اور اس میں نیچے ٹلٹو پیچ دار لگی ہوتی تھی اور اس میں ہمارے معمولی دس بارہ لوٹے پانی آجاتا تھا، پانی خوب گرم کر لیا جاتا تھا اور پھر اسی پاس والے کمرہ میں جہاں پر نل لگا ہوا تھا اس لکڑی کے تخت پر جس پر سب کپڑے دھوتے تھے ایک کمبل میں لپیٹ کر عشاء کے بعد رکھ دیتے تھے یہ پانی صبح تک خوب گرم رہتا تھا حالانکہ سردی بہت ہی زیادہ پڑتی تھی۔ الغرض مولانا کو شب میں جتنی دفعہ وضو کی ضرورت ہوتی تھی اسی سے پانی گرم لیتے تھے اور وضو فرماتے تھے اور مسجد کے کمرہ میں محراب کی دائیں جانب مولانا کی سفید اونی جانماز کمبلوں پر ہمیشہ بچھی رہتی تھی۔ اندھیرے ہی میں جا کر اس پر نماز تہجد ادا فرماتے تھے جب اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر آ کر اپنی چارپائی پر بیٹھ جاتے تھے اور صبح تک مراقبہ

Marfat.com

اور ذکر خفی میں مشغول رہتے تھے۔ ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی، اسم ذات کی کوئی مقدار معیّن فرما رکھی تھی اس کو ہمیشہ بالالتزام پورا فرماتے تھے مراقبہ کا اس قدر انہماک ہو گیا تھا کہ اکثر حصہ دن رات کا اس میں گزرتا تھا، استغراق بعض اوقات میں غالب ہو جاتا تھا۔ ہم بعض اوقات میں دو دو تین تین دفعہ باتیں ہراتے تھے مگر سمجھتے نہ تھے صبح کی نماز سے پہلے اکثر پیشاب کرتے تھے وضو کی تجدید فرما کر نماز با جماعت ادا فرما کر وہیں مصلے (سجادہ) پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقب رہتے تھے اس کے بعد اشراق کی نماز ادا فرما کر اپنے کمرہ میں تشریف لاتے اس وقت مولانا کے لیے ابلے ہوئے انڈے اور چاۓ تیار ہوتی تھی ▪▪ پیش کر دی جاتی تھی اس کو نوش فرما کر دلائل الخیرات اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے، اس سے فارغ ہو کر کچھ ترجمہ قرآن شریف تحریر فرماتے یا اس پر نظر ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے یا وحید کو سبق پڑھاتے اتنے میں کھانے کا وقت آ جاتا کھانا تناول فرما کر چاۓ نوش فرماتے تھے اس کے بعد اگر کسی سے ملنے کے لیے وردوالا یا سینٹ کلیمٹ کیمپ یا بلغار کیمپ میں جانا ہوتا تو وہاں کا قصد فرماتے اور کپڑے پہن کر تیار ہو جاتے تھے اور اگر جانے کا قصد نہ ہوتا تو آرام فرماتے اور اگر کوئی ملنے لیے دوسرے کیمپ میں سے آ جاتا تو اس سے باتیں کرتے اگر تیز گرمی کا زمانہ ہوتا تھا تب تو وہیں اپنی چارپائی پر اور اگر کچھ بھی سردی ہوتی تھی تو صحن میں دھوپ میں قیلولہ فرماتے تھے وہاں پر ہم سب دو تین گدے ڈال دیتے تھے اور اس پر کمبل اور تکیہ پہنچا دیا جاتا تھا اور اگر کسی نے غفلت کی تو خود تکیہ لے جاتے اور ان گدّوں اور کمبل کو بچھا کر آرام فرماتے تھے دو تین گدے ہم نے زائد اسی واسطے لے رکھے تھے جو کہ ہمیشہ علیحدہ رکھے رہتے تھے اور جب تک وہ حاصل نہ ہوئے تھے

Marfat.com

تو بعض چارپائیوں کے گدے اٹھائے جاتے تھے۔ گاڑھے کی ببول سے رنگی ہوئی چادر اوڑھ کر دھوپ میں آرام فرمایا کرتے تھے یہی عادت مولانا کی وطن میں بھی تھی، تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹہ اس طرح آرام فرمانے کے بعد قضاء حاجت کے لیے تشریف لے جاتے اور پھر وضو فرمانے کے بعد تلاوتِ قرآن شریف اور دلائل الخیرات حزب الاعظم وغیرہ میں مشغول ہوتے تھے مگر قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھا کرتے تھے۔ ظہر کی اذان تک اسی حالت میں مشغول رہتے تھے پھر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہو کر اگر وحید کا سبق ہوتا تو کبھی اس وقت میں اور کبھی صبح کو اپنے اوراد سے فارغ ہو کر کھانے کے وقت تک پڑھاتے تھے بلکہ اکثر صبح ہی کو پڑھاتے تھے، چونکہ عربی کتابوں میں فقط مشکوٰۃ اور ترمذی پاس تھیں اس لیے انہی دونوں کو پڑھاتے رہے یہاں تک کہ دونوں ختم ہو گئیں۔ جلالین شریف بھی ساتھ تھی وہ بھی غالباً ختم ہو گئی تھی اس کے بعد کتابوں کے نہ ہونے، وحید کی بے شوقی، مدتِ اقامت کی لاعلمی کی وجہ سے اور کتابیں شروع نہ ہوئیں اس کے بعد اکثر ترجمہ قرآن پر نظر ثانی فرماتے تھے اور کبھی کبھی مولوی نصرت حسین صاحب مرحوم اور مولوی عزیر گل صاحب کو ترجمہ سناتے تھے کچھ دنوں تک میں بھی اس میں شریک ہوتا رہا مگر چونکہ مجھ کو تمام دن میں قرآن کے دور کرنے کے لیے یہی وقت فارغ ملتا تھا اس لیے میں نے شرکت اس میں چھوڑ دی تھی دونوں حضرات کی بحثیں بھی ترجمہ کے متعلق مولانا مرحوم سے ہوتی رہتی تھیں اگر کوئی تاریخ ایسی ہوتی جس میں ظہر کے بعد دوسرے کیمپ میں جانا ہے جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ ہم کو بھی ہفتہ میں تین دن دوسرے کیمپوں میں ظہر کے بعد جانے کی اجازت تھی تو وہاں تشریف لے جاتے اور ہم سب یا بعض ضرور ساتھ ہوتے

Marfat.com

مجھے اس لیے یہ انتظام تھا کہ ہفتہ میں ظہر کے بعد ایک دن روڈگیٹ کیمپ میں جاتے ایک دن سینٹ کلیمنٹ کیمپ میں اور ایک دن بلغار کیمپ میں، عصر کی نماز کے بعد اکثر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ذکر خفی لسانی میں مشغول ہوتے وہ ایک ہزار دانے والی تسبیح کو چادر یا رومال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے اور ذکر کرتے رہتے ہاں اگر ورد کسی وجہ سے رہ گیا ہوتا تھا تو اس کو وقت میں پورا فرما لیتے۔ اکثر جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس وقت کھانا تیار ہو جاتا تھا تو جب دسترخوان چن لیا جاتا تھا اس وقت مولانا سے عرض کیا جاتا تھا کہ تشریف لایئے کھانا نوش فرما کر پھر اپنی جگہ پہ جا بیٹھتے اور اپنے کام میں مشغول ہو جاتے چاے وہیں پیش کر دی جایا کرتی تھی مغرب کے بعد بھی نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر ذکر اسم ذات میں خفیہ طور پر اسی بڑی تسبیح کو لے کر عشا تک مشغول رہتے اس درمیان میں اگر ہم میں سے کوئی کسی بات کے لیے پاس جا بیٹھتا تو کچھ بات بھی کر لیتے ورنہ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے کبھی کبھی صبح کو دس بجے سے بارہ بجے تک اور کبھی کبھی ظہر کے بعد ۲ بجے سے ۴ بجے تک بعض ترکی احباب وغیرہ تشریف لاتے تھے تو اس وقت مولانا اپنے کام کو چھوڑ کر ان کے پاس آ بیٹھتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ حقیقت میں مولانا کو اپنے روحانی کاروبار اور باطنی ترقی اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز کرنے کا فارغ وقت تمام عمر میں کبھی ایسا نصیب نہیں ہوا تھا جیسا کہ مالٹا کی اقامت کے ایام میں ہوا۔ دن رات ان کو یہی دھن تھی اور یہی مشغلہ تھا نہ کبھی ان کی طبیعت گھبراتی تھی اور نہ کسی دوسری طرف کو رغبت ہوتی تھی بسا اوقات تو ان کو ہم لوگوں سے بات کرنا بھی ناگوار ہوتی تھی، یہ ایک واقعی اور حقیقی انعام خداوندی تھا جس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ترقی معنوی کے مدارج طے

Marfat.com

کرانے تھے، کاتب ازلی نے جو مقامات ازل سے مقرر فرما دیے تھے ان کے طے کرنے کا ذریعہ یہ سفر اور یہ اسارت قرار دی گئی، طے ہو جانے کے بعد ان کو وطن بھجوا کر بہت جلد بلا لیا گیا ؎

این سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا اور آخرت کی سرخ روئی اہلِ زمین اور اہلِ آسمان میں نیک نامی اور رفعت ذکر معنوی اور مادی ترقی، قبولیت حقیقی اور بے نہایت اجر و ثواب قیامت تک کے صدقہ جاریہ اور ذکر محمود، نشر علم حدیث اور تفقہ فی الدین جہاد فی سبیل اللہ اور خدمتِ دین اخلاص وللّٰہیت اور زہد فی الدنیا، خدمت قرآن اور ریاضات باطنیہ، استقلال وثبات اور تحمل و تواضع خالص، عشق حقیقی اور معرفتِ کاملہ وغیرہ وغیرہ کمالات قسام ازل نے اس پردہ میں مولانا کے پیشتر سے دوبالا بلکہ اضعافاً مضاعفۃً کر کے اپنا خاص مقرب بندہ بنا لیا اور آنے والوں کے لیے مثال اور نمونہ چھوڑ دیا یہ وہ فضائل ہیں کہ جن کا مجموعہ قرنوں میں بھی کسی ہی کسی فرد میں پایا جاتا ہے ازمنہ حاضرہ میں چراغ لے کر ڈھونڈھیے اور مشرق سے مغرب تک کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر کو چھانیے تو ایسے مجموعہ کا وجود ہاتھ نہ آئے گا بلکہ غالباً انفرادی حیثیت بھی کبریت احمر کا سماں دکھلائے گی ؎

فضائل ہائے شتّی میں سے کوئی ایک دکھلا دے　　کیے تھے حق تعالیٰ نے جو مولانا کو ارزانی

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں　　عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

مالٹہ میں پہنچنے پر نقد میں تنگی

ہمارے پاس جو کچھ نقد تھا یعنی (۸۱) پونڈ انگریزی اور وہ جیزہ میں ہم سے لے لیا گیا تھا اور اس میں سے چار پونڈ ہم کو مصاریف کے لیے وہاں دیا گیا تھا جس میں

Marfat.com

سے تقریباً ڈیڑھ پونڈ ہم نے راستہ کے خرچ کے لیے اپنے پاس رکھ لیا تھا باقی (۷۷) پونڈ کے لیے جیزہ کے انگریزی افسر نے بوقت روانگی یہ کہا کہ یہ نقد روپیہ وہیں مالٹا میں مل جائے گا ہم نے اس سے کوئی رسید وغیرہ نہ مانگی اور اس کے قول پر اطمینان کر کے یقین کر لیا کہ ابھی ہمارے ساتھ بذریعہ ڈاک وہاں یہ خبر بھیج دی جائے گی مگر مالٹا پہنچنے پر جب ہم کو ضرورت ہوئی تو ہم نے کمانڈر سے طلب کیا اس نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اطلاع نہیں آئی اس کی وجہ سے ہم کو سخت کلفت کا سامنا ہوا اس نے ایک مرتبہ جبکہ ہماری خاطر داری کو کہا کہ اگر کوئی تکلیف ہو تو اطلاع دو تو ہم نے ان نقود کی نسبت پھر تذکرہ کیا اس نے کہا کہ مجھ کو کوئی اطلاع نہیں ملی اور میں نہایت افسوس کرتا ہوں کہ میں اس کے متعلق کوئی انتظام نہیں کر سکتا، تب ہم نے درخواست کی کہ آپ مصر میں تحریر کریں اور استفسار کر کے منگائیں اس نے قبول کیا ہمارے آنے کے دوسرے دن میجر حسن عزت بیگ کا دروالے سے پیام پہنچا کہ میں مولانا سے ملنے کا شائق ہوں۔

میجر حسن عزت بیگ

میجر حسن عزت بیگ ایک نہایت خلیق شریف وضع علمی خاندان کا دیانتدار شخص تھا جس کے ہر ہر عمل اور حرکت سے مروّت اور انسانیت ٹپکتی تھی اصل میں اس کا وطن دمشق شام تھا اس کا رتبہ فوجی بیگباشی (میجر) تھا وہ عرصہ دراز سے مختلف مرتبوں پر موظف ہو کر حکومت عثمانیہ کے مختلف ممالک میں ہمدردی اور اخلاص کے ساتھ خدمت کر رہا تھا اور اسی وجہ سے اپنے افسروں اور حکومت کے ذمہ داروں میں نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، جنگ کے زمانہ میں وہ یمن میں عہدہ دار تھا اس کو گورنر یمن کا حکم ملا کہ وہ حجاز میں بحری راستہ سے جاتے اور احکام فوجی

پورے کرنے کی کوشش کرے چنانچہ وہ حسب ہدایت یمن کے بعض بندرگاہوں سے مع اپنے سامان وغیرہ کے بادبانی کشتی پر سوار ہو کر جدہ کو روانہ ہوا کیونکہ بحر احمر (قلزم) میں ان دنوں دخانی آگ بوٹ کا ملنا ممکن نہ تھا بادبانی کشتی سمندر میں سفر کر رہی تھی کہ انگریزی جنگی جہاز نے اس کو دور سے دیکھ لیا کشتی کو پکڑا اگرچہ میجر موصوف اپنے رسمی اور ترکی لباس میں اس وقت نہ تھا مگر جہاں تک معلوم ہوا کہ جس بندر سے وہ سوار ہوا تھا وہاں پر انگریزی سی آئی ڈی کے لوگ موجود تھے۔ انہوں نے خبر پہنچا دی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ امور شریف حسین کے ذریعہ سے یمن کے قریب کے بندروں پر تکمیل دیے گئے تھے غرضکہ انگریزی آگبوٹ نے جبراً میجر موصوف کو گرفتار کر لیا تمام اسباب لے لیا اور جا کر عدن کے قید خانہ میں ڈال دیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے مصر کو منتقل کر دیا گیا، وہاں بھی ایک عرصہ تک قید میں رہنا پڑا پھر مالٹا بھیج دیا گیا اور اخیر وقت تک ممدوح کو وہاں کے ایّام کاٹنے پڑے۔

مولانا مرحوم لگے روز وہاں گئے اور ملاقات کی نہایت اخلاق سے پیش آیا اور درخواست کی کہ آپ ابھی آئے ہیں اس لیے غالباً مصارف کی ضرورت ہو گی ہم سب آپ کے ہمدرد اور خادم ہیں جس قدر کی ضرورت ہو بلا تمرد آپ ہم سب سے ظاہر فرمائیں ہم نے کہا کہ ہم سب آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں ہمارے پاس ایک مقدار معتد بہ موجود ہے جس کو حکومت نے ہم سے لے لیا تھا اور یہاں بھیجنے کا وعدہ کیا تھا غالباً دو چار دن میں یہاں آ جائے گی اس نے ہمارے احوال وغیرہ پر نہایت ہمدردی کا اظہار کیا اور کمال توجہ سے ہمیشہ پیش آتا رہا چلتے وقت ڈاکٹر غلام محمد سے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ اپنی حاجت ظاہر کرتے ہوئے شرمائیں اس لیے تم جو اُن کی ضرورت ہو مجھ سے بیان کر دینا۔ جب ہم کو کچھ عرصہ گزر گیا اور نقد کی کوئی خبر نہ ملی کمانڈر

Marfat.com

اسراء نے بھی باوجود تقاضوں کے صاف جواب دیئے تو بہت دقت کا سامنا پیش آیا اس لیے رائے یہی ہوئی کہ میجر موصوف سے قرض لے لیا جاوے چنانچہ موصوف سے مختلف اوقات میں تقریباً پانچ پونڈ لینا پڑا علاوہ ازیں اور بھی بعض آدمیوں سے قرض لینا پڑا کیونکہ ہمارے جانے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یعنی تقریباً بیس یا پچیس دن کے بعد میجر موصوف کے افسر کرنیل علی فطری بیگ نے ان کو اپنے پاس والی فرسٹہ میں منتقل ہونے کو فرمایا اس لیے وہ وہاں چلے گئے۔

افسروں کی تنخواہ

حسب قواعد مقررہ دول متمدنہ فوجی افسروں کو ایام اسارت جنگ بہت زیادہ حقوق دیئے جاتے ہیں ان کے لیے تنخواہیں بمقدار کفایت دی جاتی ہیں جن کا بوقت صلح حساب کیا جاتا ہے، ہر بادشاہت نے جس قدر خرچ کیا ہے اپنی مقابل بادشاہت سے وصول کرتی ہے اگر دونوں برابر سرابر ہو جاتے ہیں جب تو خیر ورنہ زائد مصاریف والی حکومت مقدار زائد کو وصول کرتی ہے۔ چھوٹے افسروں کو یعنی کرنیل جرنیل وغیرہ کو سات پونڈ ماہوار دیا جاتا تھا جس میں سے خوراک کی رسد ہیں تقریباً ڈیڑھ پونڈ ماہوار محسوب ہو کر باقی ماندہ دو تین ہفتوں میں پورا کر دیا جاتا تھا کیونکہ مقرر تھا کہ کسی اسیر کو خواہ اس کی تنخواہ ہو یا اس کی مقدار جمع ہو دو پونڈ فی ہفتہ سے زائد نہیں دی جا سکتی۔ افسروں کے لیے علاوہ اس کے پلنگ لوہے کے گدے عمدہ اور صاف، چادریں اور کمبل بھی عمدہ قسم کی الماریاں، آئینے چینی کے استعمالی برتن، عمدہ کمرے، کرسی، میز وغیرہ دیئے جاتے تھے جو کہ سول بڑے بڑے عہدہ داروں کو نہیں ملتے تھے، ہاں اگر بڑی کمیٹی سے جو کہ اسراء کے انتظام کی ذمہ دار تھی کسی سویلین افسر کے لیے حکم ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ ملٹری افسر کا

معاملہ کیا جاوے تو اس کے حقوق ویسے ہی ہوتے تھے۔ مذہبی لوگوں کے بھی حقوق زائد شمار ہوتے تھے تقریباً دو مہینہ تک ہم کو یہ انتظار اور تکلیف اٹھانی پڑی۔ معلوم یہ ہوا کہ وہ روپے ہم سے لے کر فوراً برٹش بنک میں جمع کر دیے گئے تھے اور پھر چونکہ بنکوں کو اپنا نفع ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ خصوصاً انگریزی بنکوں کو اس لیے اس کے حوالہ کرنے اور پہنچنے میں تاخیر کی گئی۔ اس مدت میں جب ہم نے تقاضا زیادہ کیا تو آفس کی طرف سے قطین (دوکان) والے کو کہہ دیا گیا کہ تم ان کو جن چیزوں کی ضرورت ہو دے دیا کرو ان کے روپے مل جائیں گے چنانچہ وہاں سے بھی ہم نے تقریباً ساڑھے چھ پونڈ کا سودا خریدا تھا اور بعض اور دوسرے لوگوں سے بھی قرض لینے کی نوبت آئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ ۲۵ اپریل ۱۹۱۷ء مطابق ۴ رجب ۱۳۳۵ھ کو ہم کو فی کس دو پونڈ کے حساب سے دس پونڈ وصول ہوتے جس سے اکثر قرضہ ادا کر دیا گیا فقط میجر عزت حسن بیگ کا قرضہ اس ہفتہ میں ادا نہیں کیا گیا۔ چونکہ مالٹا میں قیمتیں چیزوں کی اس قدر گراں تھیں کہ ذرا ذرا سی چیزوں میں دس بارہ شلنگ خرچ ہو جانا معمولی بات ہوتی تھی (ایک پونڈ ۲۰ شلنگ کا ہوتا ہے) اس لیے بہت زیادہ مصاریف واقع ہوتے خصوصاً ابتدا میں اس لیے کہ آئندہ کے انتظامات کے لیے بہت ضروریات کا انتظام کرنا پڑا جیسے کہ کسی کو نیا گھر بنانا پڑتا ہے اور کچھ بدانتظامیاں بھی ناواقفیت اور نالائق واسطوں کی وجہ سے پیش آئیں، ۴ شعبان تک یہ تمام مقدار (۷۰) پونڈ کی آفس سے وصول ہو گئی جو کہ مولوی عزیر گل صاحب کی تحویل میں رہتی تھی ہفتہ وار خرچ کے لیے ان سے حسب حساب لیا جاتا تھا۔ یہ مقدار نقود کی برابر خرچ میں آتی رہی اگرچہ ہم نے بہت زیادہ کفایت شعاری سے انتظام کیا مگر گرانی اشیاء اور گوشت کے

نہ ہونے اور دیگر ضروریات کی وجہ سے ہر مہینہ پانچ چھ گنی کا خرچ پڑتا ہی رہا چونکہ
ہندوستان بہت دور تھا چھوٹنے کی کوئی خبر نہ تھی مقدار موجودہ تھوڑی تھی اس لیے
پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا۔ غرضکہ ابتداء ماہ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ سے
(جو کہ اگلا دن دخول مالٹا کا ہے) اواسط ربیع الاوّل ۱۳۳۶ھ تک ہم نے اس (۶۷)
پونڈ کی مقدار کو خرچ کر ڈالا۔ اس مدت میں ہم نے جب خرچ کی حالت یہ دیکھی
اور اسارت کی نہایت کی کوئی اطلاع نہ پائی تو مکہ معظمہ کو لکھا کہ بقیہ ہمارے نقود جو کہ
تقریباً ۴۰ پونڈ یا کچھ اس سے کم ہوتے ہیں ہمارے پاس بذریعہ حوالہ بھجوا دو چنانچہ
منشی محمد حسین صاحب نے ۳۵ پونڈ نقد اور دیگر ضروری اشیاء پان چھالیا وغیرہ
بذریعہ معتمد برطانی مقیم جدہ بھجوایا جس کی صورت یہ واقع ہوئی کہ اگرچہ اولاً جدہ کی
حکومت قبول نہیں کرتی تھی مگر جب ہم نے بذریعہ آفس گورنر مالٹا سے خواستگاری
کی کہ ہماری ضروری پارسلیں اور نقود مکہ معظمہ سے بذریعہ معتمد برطانی مقیم جدہ منگائی
جائیں اس وقت وہاں سے حسب قاعدہ حکم کیا گیا اور ہمارے نقود وغیرہ آگئے
چنانچہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۷ء مطابق ۷ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ سے یہ مقدار دو تین ہفتہ میں
ہم کو وصول ہو گئی جس کو بطور امانت علیحدہ مولوی عزیز گل صاحب کے پاس
رکھا گیا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ سے اس مقدار میں سے خرچ کرنا شروع کیا گیا
۱۹ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۱۸ء تک یعنی تقریباً تین ماہ تک
اس مقدار میں سے صرف ۷ پونڈ خرچ کیا گیا اور نہایت کفایت شعاری کو کام
میں لایا گیا اس کے بعد اپریل ۱۹۱۸ء سے نقد گورنمنٹ کی طرف سے مقرر
گیا جس کی تفصیل آئندہ ذکر کی جاوے گی۔

مسٹر سیدار اور ڈاکٹر کی علیحدگی، مسٹر سیدار اور ڈاکٹر غلام محمد جیسا کہ میں پہلے

Marfat.com

کر چکا ہوں ہمارے ساتھ ہی روگیٹ کمپ سے عرب کمپ کے کمرہ میں آ گئے تھے مگر چونکہ ہم سب تو حضرت مولانا کے زیر اثر تھے، اگر خلاف طبائع امور پیش آتے تھے تو ہم پر قوت حاکمہ اور جامعہ موجود تھی مگر ان دونوں کی وہ حالت نہ تھی کچھ ہی دنوں کے بعد رفقاء میں خلاف طبع امور ظاہر ہونے سے کشیدگیاں پیدا ہو گئیں ہم نے ہر طرح اصلاح کی کوشش کی ان دونوں حضرات کو مصاریف زائدہ کی گرانباری کا بھی متحمل نہ کیا، خدمات وغیرہ میں بھی حتی الوسع ان کی خبرگیری اور ہمدردی پوری طرح کی گئی، مگر آخر کار کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ ماہ رمضان ۱۳۳۵ھ مطابق اوائل جولائی ۱۹۱۷ء میں مسٹر بیدار علیحدہ ہو کر روگیٹ کمپ کو چلا گیا اور پھر ڈاکٹر غلام محمد ماہ اکتوبر ۱۹۱۷ء مطابق اواخر ذی الحجہ ۳۵ھ میں روگیٹ کمپ میں چلے گئے۔

علی بیگ کا واقعہ

ہمارے مالٹا پہنچنے سے پہلے ترکی دو افسروں میں کچھ اختلافات روگیٹ کمپ میں واقع ہوئے۔ یہ دونوں ٹرکی گورنمنٹ کے مجرم تھے اور فرار ہو کر مصر میں موجود تھے کہ اعلان جنگ ہوا حکومت انگریزی نے دونوں کو مع دیگر اسراء کے یہاں مالٹا میں بھیج دیا تھا۔ علی بیگ ٹرکی حکومت میں یوز باشی (کپتان) فوجی تھا اور دوسرا ڈاکٹر تھا، ایک شب دونوں میں سخت ناچاقی ہوئی، شب میں سوتے ہوئے علی بیگ نے ڈاکٹر پر حملہ کیا اور چھری سے سخت زخمی کر دیا، ڈاکٹر کو ہسپتال پہنچایا گیا اور علی بیگ کو قید خانہ میں پہنچا دیا گیا ڈاکٹر کو ایسا زخم کاری لگا تھا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا، مقدمہ قائم کیا گیا، حکام نے اس کی نسبت پھانسی کا فیصلہ کیا، ٹرکی گورنمنٹ کو حسب قاعدہ خبر کی گئی وہاں سے بھی اجازت آ گئی آخر کار علی بیگ مرحوم کے لیے پھانسی کی تاریخ مقرر ہو گئی جبکہ اس کی تاریخ کو تقریباً ڈیڑھ ماہ باقی تھا ہم سب مالٹا پہنچے،

Marfat.com

حضرت مولانا مرحوم کے تقدس کی خبر اس کو پہنچی اس نے وہیں جیل خانہ میں درخواست
کی کہ میں مولانا سے ملنا چاہتا ہوں غالباً یہ درخواست اس کی پھانسی سے پانچ چھ دن
پہلے ہوئی تھی چنانچہ آفس نے مولانا کو موٹر پر وہاں پہنچایا، یہ شخص چونکہ اصلی باشندہ
ٹونس یا الجیریا کا تھا اس لیے عربی زبان خوب جانتا تھا اس نے مولانا مرحوم سے باتیں
کیں اور بہت زیادہ گرویدہ ہوگیا، دوسرے دن پھر طلب کیا اور مجھ کو (کاتب الحروف)
کو بھی طلب کیا اور اپنی وصیتوں میں لکھا کہ مولانا میری پھانسی کے وقت بھی موجود رہیں
اور میرا دفن کفن نماز جنازہ وغیرہ سب مولانا فرمائیں۔ اگرچہ مولانا مرحوم کو ان امور
سے کوئی سابقہ خاص طور سے نہ پڑا تھا اور نہ ان کو ایسی باتوں سے دلچسپی تھی مگر
اس وقت میں اس کے سامنے انکار کرنا بھی غیر مناسب معلوم ہوا اس نے علاوہ
کاتب الحروف اور مولانا مرحوم کے اور بھی مصر اور ٹرکی کے بعض آدمیوں کو اپنی تکفین
وغیرہ کے لیے طلب کیا تھا چنانچہ پھانسی کے دن صبح صادق کے وقت ہم سبھوں کو
آفس میں لے گئے وہیں ہم سبھوں نے نماز فجر ادا کی اور پھر موٹر میں قید خانہ میں پہنچے
تقریباً سات یا آٹھ بجے پھانسی کا وقت آگیا وہاں ہی سبھوں کے لیے چاء حاضر کی
گئی تھی سبھوں نے اور خود علی بیگ نے بھی چاء پی اور پھر کچھ وصیتیں کیں اور جب
وقت پھانسی کا آگیا اور اس کو ہتھکڑیاں پہنائی گئیں اس وقت اس نے مولانا سے
درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ پھانسی کے چبوترہ اور تختہ تک رہیں، چنانچہ
اس نے مولانا کے ہاتھ پکڑ لیے اور پھانسی کے تختہ تک برابر لے گیا باقی لوگ سب
کے سب چبوترہ کے نیچے کھڑے تھے، جب اس کو تختہ پر کھڑا کیا گیا تب اس نے
ہاتھ چھوڑا، مولانا مرحوم اس کے قریب وہاں ہی رہے اسی دم اس کو حلقہ پھانسی
کا پہنا دیا گیا اس نے کلماتِ شہادت ادا کیے اور تختہ ہٹا دیا گیا اس کے بعد سب

لوگ باہر کر دیے گئے تھوڑی دیر کے بعد مرحوم کی نعش لکڑی کے صندوق میں لائی گئی اور ایک خاص گاڑی میں جو اسی نعش کے ڈھونے کے لیے گھوڑوں کی وہاں ہوتی ہے رکھ دی گئی اور ہم سبھوں کو موٹر میں زیر حراست قبرستان اسلام میں پہنچا دیا گیا۔

اسلامی قبرستان

سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم نے مالٹا میں اس وجہ سے کہ اب اس میں کوئی اسلامی مقبرہ نہیں رہا تھا اور لوگ اسلامی مذہب کے وہاں مرتے تھے کیونکہ وہ ایک جہازوں کا مرکز ہے بعض مسلمان تاجر بھی وہاں رہتے تھے، جہازوں میں بعض مسلمان مریض ہوتے اور وہاں برائے مداوات اتار دیے جاتے ہیں پھر ان میں سے بعض مر بھی جاتے ہیں بعض جہازوں کے مردے بھی وہاں اتار دیے جاتے ہیں ایک بڑا قطعہ زمین کا برٹش گورنمنٹ سے خرید کر یا بلاقیمت لے کر اس کا بڑا احاطہ اور حسب ضرورت اس میں تعمیر بنوائی ہے۔ تعمیر فقط احاطہ کے آخری حصہ میں ہے جس میں ایک طرف کے حصہ میں غسل دینے کا سفید پتھر کا چبوترہ بنا ہوا ہے اور دیگر ضروریاتِ غسل بھی وہاں مہیا ہیں اور دوسرے سامنے کے کمرہ میں بعض ضروریات نماز جنازہ و فرش وغیرہ رکھے ہوئے، بیچ کا دالان نمازِ جنازہ کے لیے ہے، دروازہ کے پاس ایک کونہ میں اس قبرستان کا محافظ ایک عیسائی مع اپنے اہل وعیال کے رہتا ہے جو ٹرکی حکومت کی طرف سے تنخواہ پاتا ہے، قبروں کا کھودنا اور غسل کے لیے پانی وغیرہ حاضر کرنا ان کا منصبی فریضہ ہے چونکہ مالٹا میں کوئی مسلمان نہیں دو ایک باہر کے تجارت کرنے والے اگر ہیں بھی تو وہ ایسے کاروبار نہیں کر سکتے اس لیے بمجبوری اس کام کے لیے عیسائی کو رکھنا پڑا۔ ٹرکی حکومت کی

Marfat.com

طرف سے ہمیشہ ایک عالم امام یہاں رہتا ہے جو کہ اپنے ہاتھ سے ہر مسلمان مردہ کی تجہیز و تکفین غسل اور جنازہ وغیرہ کے فرائض کو ادا کرتا ہے وہ ایک بڑی تنخواہ ٹرکی گورنمنٹ کی طرف سے پاتا ہے اس کی جائے قیام ٹرکی سفیر کا بنگلہ ہے۔ جب کوئی مسلمان مرتا ہے تو گورنمنٹ مالٹا کی طرف سے اس کو اطلاع دی جاتی ہے وہ گورکن کو اطلاع دیتا ہے اور حسب قاعدہ شرعیہ عمل کرتا ہے گورنمنٹ مالٹا کی طرف سے بھی اس کو ایک پونڈ فی کس ملتا ہے اور غالباً گورکن کو بھی کچھ ملتا ہے، ایام جنگ میں وہاں کے امام جلال الدین آفندی دیار بکری تھے، سفیر تو حسب قاعدہ اعلان جنگ سے پہلے ہی چلا گیا تھا مگر امام موصوف کو انگریزوں نے پکڑ لیا اور اسیر کر دیا گیا بدیں حیلہ کہ ترکوں نے ہماری ایک عورت کو اسیر کر لیا ہے اس لیے ہم اس کے بدلہ میں تم کو بھی اسیر کرتے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ اسی قسم کا انتظام خلافت ٹرکی کی طرف سے یورپ کے جملہ ان مقامات میں ہے جہاں مسلمانوں کی آمد و رفت ہو یا سفراء دول وہاں رہتے ہوں جیسے لندن، پیرس، مارسیلیا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے قبرستان میں پہنچنے کے بعد ہی تھوڑی دیر میں جنازہ پہنچا اسی وقت پانی وغیرہ منگایا گیا موجود لوگوں میں سے ایسے لوگ نہ تھے جن کو قواعد شرعی کے موافق غسل دینے کی نوبت آ چکی ہو اس لیے کاتب الحروف نے اس طرف توجہ کرنی ضروری سمجھی اور شیخ عبدالحمید مصری اور علی آفندی فہمی وغیرہ کو معین لے کر مرحوم کو غسل دے کر کفنایا حضرت مولانا نے نماز پڑھائی اور دفن کر کے واپس ہوئے۔

قبرستان کا بڑا ہوا نقشہ تقریباً بصورت مذکورہ ہے مگر چونکہ رخ قبلہ کا ذرا ٹیڑھا ہے اس لیے قبریں عمارت کے لحاظ سے ذرا ٹیڑھی بنائی جاتی ہیں حضرت مولانا کو علی بیگ مرحوم کا خیال رہتا تھا اس کے بعد جب کبھی قبرستان میں جانا ہوا

Marfat.com

ہے تو اس کی قبر پر ضرور جاتے اور کچھ پڑھتے تھے۔

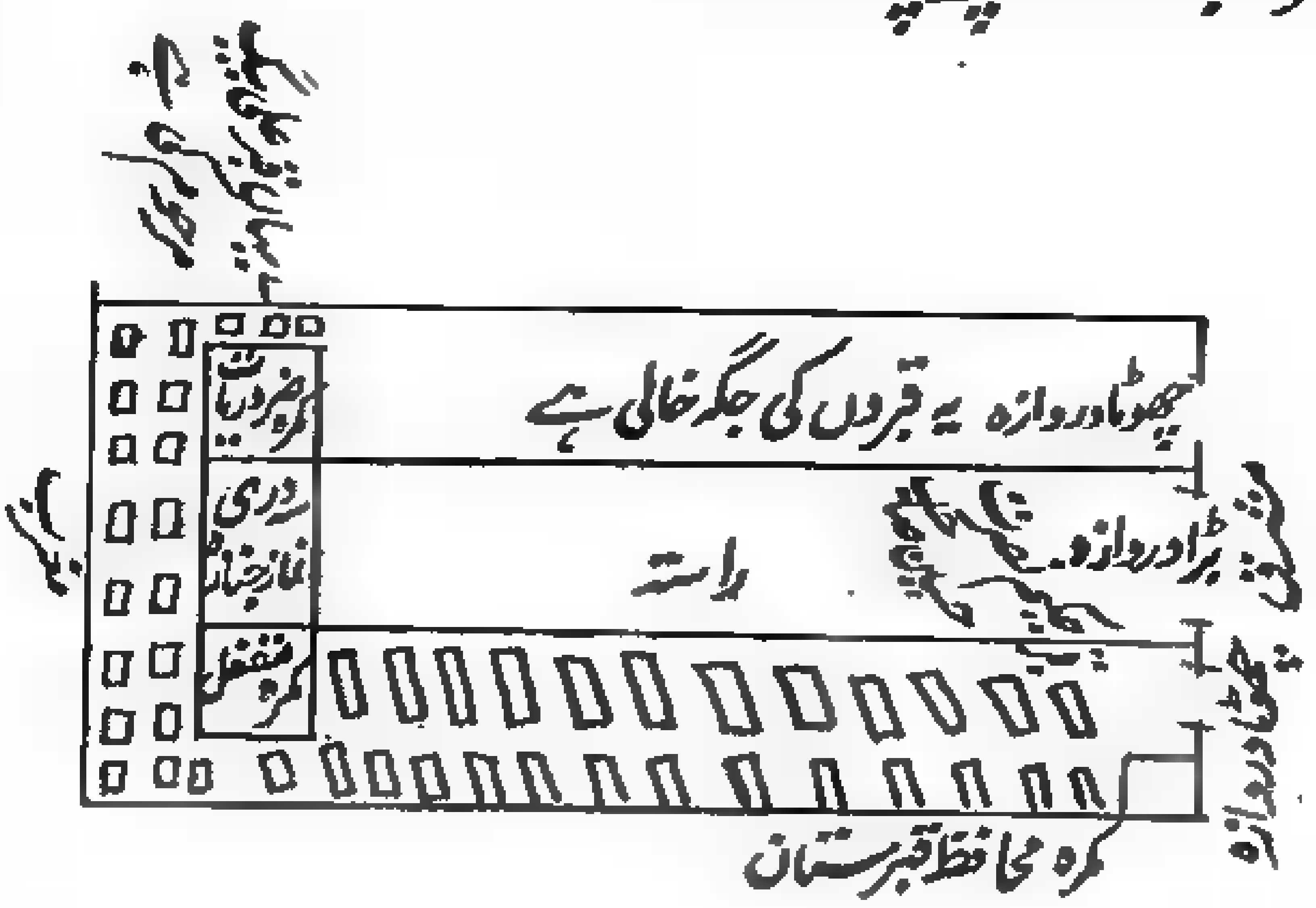

اسلامی قبرستان
مالٹہ
بنا کردہ سلطان
عبدالعزیز مرحوم

مولانا کی مراعات کا حکم

غالباً ستمبر یا اکتوبر ۱۷ء میں ایک روز مولانا کو آفس میں بلایا گیا اور کمانڈر نے کہا کہ ہمارے پاس آپ کے لیے خاص طور سے حکم آیا ہے کہ آپ کی خاطرداری غایت درجہ کریں اور جو مراعات اور حقوق فوجی کپتان کے لیے کیے جاتے ہیں وہ آپ کے ساتھ ملحوظ ہوں اس لیے ہم آئندہ ان کا اہتمام کریں گے مگر آپ کو کوئی ضرورت یا شکایت ہو تو بیان فرمائیے مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں کمپ میں جا کر کل کو لکھ کر بھیجوں گا، اس نے کہا کہ اپنے قیام کے لیے جس کمپ اور جس کمرہ کو آپ چاہیں پسند فرمائیں ہم وہاں انتظام کر دیں گے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں اسی کمپ ہی میں رہنا پسند کرتا ہوں میں یہاں سے دوسری جگہ جانا نہیں چاہتا اس نے کہا کہ وردالا اور ودال فرسٹہ میں اچھے اور آرام کے مکانات ہیں مولانا نے فرمایا کہ میرے لیے پیشاب کی سخت تکلیف ہے اس کا کوئی انتظام کر دیجئے۔ باقی امور کو میں کل لکھوں گا۔

عرب کمپ کو پسند کرنے کی وجہ

مولانا مرحوم کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غربا اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے

Marfat.com

اور اپنی عادت، لباس، چال، معاملات وغیرہ اسی قسم کا رکھنا چاہتے تھے اہل دنیا اور امراء اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے، طالب علموں سے بے حد انس تھا ریل میں تیسرے درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے مگر بااین ہمہ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی، سفر میں عموماً کافور ساتھ رکھتے تھے کیونکہ بہت سے میلے کچیلے آدمیوں کی بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا، سادگی اور سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور ان سے مجالست نہایت زیادہ محبوب تھی، اپنے آپ کو بنانا وضع داری، تکلف سے طبعی نفرت تھی بارہا حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے کہ "عوام الناس کا پائخانہ (قضاء حاجت کی جگہ) بھی برکت والا ہے" یعنی وہ پائخانے جو خواص اور امراء کے لیے بنائے جاتے ہیں اگرچہ وہ صاف اور ستھرے اور بدبو سے منزہ بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر ان میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے بخلاف عوام کے پائخانوں کے حقیقت یہ ہے کہ نفس کو اپنی تعلّی مرغوب ہے وہ اپنی رفعت اور بڑائی کا از حد خواہاں ہے اور یہی تمام برائیوں اور دنیا و آخرت کی سیاہ روئیوں کی جڑ ہے اس لیے اہل اللہ اور روحانی کامل حضرات جن امور میں تھوڑی سی بھی نفس کی تعلّی اور اس کا تمیز احساس کرتے ہیں اس کو برائی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس میں کسر نفسی اور ذلّت ظاہری نظر آتی ہے اس کو محبوب رکھتے ہیں، ظاہری بدبو اور کثافت مادّی، معنوی بدبو اور کثافتِ روحانی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی ہستی رکھتی ہے. امراء کا پائخانہ نفس میں عجب اور رعونت پیدا کرتا ہے اور عوام الناس کا پائخانہ اس کو نہیں پیدا کرتا بلکہ برخلاف اس کے تواضع اور نفس کی حقارت دکھلاتا ہے اور انسانوں کو قدرے اپنی حالت اور نجاست کو بھی یاد دلاتا ہے جبکہ پائخانہ کی یہ حالت ہے تو

Marfat.com

دوسرے اوضاع، اطوار، مکانات اَلْبِسہ وغیرہ کو اسی پر قیاس فرمالیجیے فرماتے تھے کہ فقہانے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے شراح فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ ہے کہ معتزلہ کا خلاف ہوا اور ان کی دل شکنی کی جائے مگر کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے حوض سے وضو کرنے پر کسی قسم کا انکار کیا ہو، میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ نفس کی اصلاح اس میں بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر نہایت شاق بھی گزرتا ہے کیونکہ ایک ہی جگہ سے ایک شخص نے پاؤں دھویا ہے دوسرا آتا ہے اور اسی پانی کو منھ میں اور ناک میں ڈالتا اور اس سے چہرہ کو دھوتا ہے اس لیے نفس امارہ والے اور بڑے بڑے دنیا دار اس سے وضو کرنے میں اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھیں گے غالباً حوض میں وضو کرنا اسی بنا پر نہایت افضل ہے۔ واقعیت تو یہ ہے کہ یہ دونوں استاد شاگرد یعنی حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالےٰ اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات میں فروتنی، نفس کشی، خمول، تواضع، انکساری ہوتی ہے اس کے لیے از حد کوشاں ہوتے تھے اور جس چیز میں رعونت، جاہ طلبی، نفس پرستی، شہرت، تعلّی خود داری ہوتی تھی اس سے کوسوں بھاگنے کی فکریں کرتے تھے پھر یہ نہ تھا کہ عام قاعدہ کے موافق زبانی اور ظاہری جمع خرچ ہو یوں تو ہم سبھوں کی حالت ہے کہ اپنے آپ کو زبان سے کمترین خلائق، سگ دنیا، ذرہ بے مقدار، نابکار، ننگ خلائق وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں، مگر یہ سب کارروائی منافقانہ اور ریاکاری کی بنا پر ہوتی ہے، قلب میں اس کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہی خیال دل میں جاگزیں ہوتا ہے کہ ہمچو من دیگرے نیست اور اسی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی ان کی نکتہ چینی غیبت وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ کسی اپنے معاصر

کی بلکہ بسا اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی بھلائی سن لیتے ہیں تو بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے اس میں عیب نکالے جاتے ہیں، کوشش کی جاتی ہے کہ یہ شخص لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے اگر کوئی ہم کو جاہل نالائق، احمق گدھا، کتا سور وغیرہ کہہ دیتا ہے تو آگ بگولا ہو جاتے ہیں، اگر ہم کمترین خلائق کہنے میں سچے تھے تو گدھا کتا، وغیرہ کہنے سے کیوں برا مانتے ہیں آخر خلائق میں سے تو وہ بھی ہیں۔

الغرض مولانا نے اپنے نفس کو ریاضتوں وغیرہ سے اس طرح مہذب بنا لیا تھا کہ صادقین کے زمرہ شریفہ میں داخل ہو کر منصب عظیم حاصل کر لیا تھا ان کی یہ فروتنی کسر نفسی حالی تھی قالی نہ تھی ان کا قلب اسی بات کو دیکھتا تھا جس کو ان کی زبان اور آنکھ ظاہر کر رہی تھی وہ اپنے آپ کو واقع میں ایک معمولی مخلوق اور ایک ادنیٰ درجہ کا انسان دیکھتے تھے۔ مجھ کو اس وقت مولانا عبدالصمد مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند کا مقولہ یاد آتا ہے وہ مولانا مرحوم کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ غالباً اس شخص کے دل پر کبھی خطرہ بھی نہیں گزرتا ہے کہ میں کوئی چیز یا عالم ہوں، جن لوگوں نے مولانا کے احوال اور ان کی لائف پر تھوڑی سی بھی نظر ڈالی ہوگی وہ اس کو صحیح اور واقعی بات سمجھیں گے وہ ہر ایک کو اپنے سے بڑا اور افضل دیکھتے اور ایسا ہی اس سے معاملہ کرتے تھے یہ حالت انکی طبیعت بن گئی تھی جس میں ذرا بھی تکلف کرنا نہ پڑتا تھا۔

الحاصل یہ شام کے عرب لوگ چونکہ اہلِ منصب نہ تھے، اہلِ مال نہ تھے اہلِ علم نہ تھے بلکہ عوام الناس میں سے تھے، مگر قلوب میں ان کے ایمان تھا، دماغ میں ان کے انکساری تھی سینہ میں ان کے اسلام کا روشن چراغ تھا ان کے جگر میں سادگی اور مذہبی درد تھا اس لیے مولانا مرحوم کو ان کے ساتھ زندگی بسر کرنا لاکھوں اور کروڑوں اصحابِ منصب و دولت کے ساتھ بسر کرتے اور کروڑوں سامانِ راحت

ے زیادہ تر محبوب اور پسند تھا، یہاں پر جماعت اور نماز کی پابندی تھی، ان
نصیحت کی جاتی تھی، دل وجان سے قبول کر لیتے تھے اور شریعت کی پابندی
ں کرتے تھے اس خواہش میں رہتے تھے کہ ہم کو کوئی خدا اور رسول کا حکم
معلوم ہو جائے کہ ایمان تازہ ہو پھر اس کیمپ میں اگرچہ نیچے کے درجہ والوں
ہوتا تھا، مگر کوئی غیر مسلم نہ تھا۔ کیمپ بھی ایک طرف کو علیحدہ واقع تھا ہر
ایت آزادی سے اسلامی طریقہ پر علانیہ کر سکتے تھے۔

ولانا نے اپنے تشریف لانے کے بعد ہم خدام سے بیان فرمایا اور حکم کیا
یزوں کی حاجت ہو اور مناسب معلوم ہو اس کو لکھو اس لیے ہم نے اگلے
مفصل عرضی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم گرم ملک کے رہنے والے ہیں مالٹا
سرد جگہ ہے جس طرح اہل یورپ کو وسط افریقہ کی گرمی ستاتی اور امراض
ی ہے اسی طرح ہم لوگوں کو ان سرد ملکوں کی آب و ہوا مناسب نہیں ہوتی
مولانا) چونکہ ضعیف العمر ہوں اور مختلف امراض مزمنہ میں مبتلا بھی ہوں
طن میں باوجود گرم ملک ہونے کے سردی سے مجھ کو بہت زیادہ ضرر پہنچتا
ے میں مالٹا کی تکلیف کا متحمل نہیں ہو سکتا ہمیشہ مجھ کو اپنی اور اپنے رفقاء کی
ے بھی خوف رہتا ہے کہ یہاں کی نہایت سرد ہوا سے کسی سخت بیماری کا
ہ ہو جائے اس لیے ضروری ہے کہ جبکہ میں کسی قسم کا واقع میں مجرم نہیں
تو جلد آزاد کر دیا جاؤں اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو کم از کم اتنا تو ضرور ہو
ے کہ مجھ کو اسارت ہی میں رکھا جائے مگر اپنے وطن ملک ہندوستان میں منتقل
جاؤں اور اگر یہ بھی نہیں کیا جاتا تو اتنا تو ضرور کر دیا جائے کہ مصر کے ان شہروں
مجھ کو رکھا جائے جہاں پر سردی زیادہ نہیں ہوتی تا کہ اسلامی شہر اور گرم ملک

Marfat.com

ہونے کی بنا پر مجھ کو مختلف تکالیف کا سامنا نہ ہو مجھ کو اور میرے رفقا
کی سخت تکلیف ہے ہم گوشت کھانے کے عادی ہیں جس پر طبی حیثیت
بھی مدار زندگانی شمار کیا جاتا ہے، مگر موجودہ گوشت ہمارے مذہب کے
خلاف ہے، مالٹا سے اگرچہ زندہ حیوان منگانے کی ہم کو اجازت دے
مگر وہ اس قدر گراں ہے کہ ہمارا موجودہ سرمایہ بہت احتیاط سے صرف
میں بھی اکثر خرچ ہو گیا علاوہ اس کے دیگر اشیاء بھی ہماری طبیعت اور
کے موافق جس پر ہمارا نشو و نما ہوا ہے یہاں پر میسر نہیں ہوتیں، لباس
کو ملتا ہے اس سے بھی ہم نفع نہیں اٹھا سکتے کیونکہ وہ ہماری وضع کے بالکل
ہے ہم نے ایک سال سے زیادہ ہو چکا ہے فقط دو تین چیزیں ضروری
تک ہم اپنا لباس جو ہمارے ساتھ تھا استعمال کرتے رہے، مگر وہ اب
ہے اس لیے اس کا انتظام ہونا چاہیے ہم کو اس مکان سے بدل کر دوسرے
میں جانے کی ہرگز خواہش نہیں مگر البتہ ہم کو جو تکالیف ہیں ان کا دفعیہ کر دیا
یعنی پیشاب وغیرہ کے لیے کوئی قریب جگہ ہم کو بالفعل بنوا دی جائے اور
آزادی یا انتقال مکانی کے لیے بہت جلد کوئی صورت پیدا کر دی جائے۔ اس
کو عربی اور انگریزی میں لکھوا کر کمانڈر کے پاس بھجوا دیا گیا اس سے دو ہی
پہلے یہ بھی واقعہ ہوا تھا کہ ڈاکٹر نے بلا کر مولانا سے ان کی صحت وغیرہ کی نسبت
تھا اور کہا تھا کہ گورنمنٹ ہند سے حکم آیا ہے کہ آپ کی صحت کی تحقیقات کر کے
اس کو اطلاع دوں اس سے بھی یہی امور کہہ دیے گئے تھے۔

اس عرضی کے بعد فقط اتنا معاملہ ضرور ہوا کہ ایک لوہے کا پلنگ اور
گدا مولانا کے لیے آیا اور ایک کوٹھڑی میں جس کا میں نشان پہلے دے چکا

کے لیے بالٹی اور چوکی رکھوا دی گئی جس میں شب کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور
ہمسایہ پیشاب کرتے تھے باقی امور کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہ کی گئی۔

ن کی آمد

ں واقعہ کے دو تین ماہ کے بعد اواخر جنوری یا ابتداء فروری ۱۹۱۸ء میں
ہم سب صبح کو آفس میں بلائے گئے ہم کو کوئی خبر پہلے سے نہ تھی ہم دفتر
طرف کرسیوں پر بٹھا دیے گئے کچھ عرصہ کے بعد کمانڈر اور اس کے ساتھ
ا انگریز دونوں آئے اور مولانا اور ہم سبھوں سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گئے اس
نے اردو میں باتیں کرنی اور مزاج پرسی وغیرہ شروع کر دی، مولوی عزیر گل
نے خیال کیا کہ یہ سنسر ہے اس دفتر میں ملازم ہو کر آیا ہے اس نے
وط اور پارسلوں وغیرہ کی نسبت سوال کیا تو انہوں نے نہایت بے رخی
اپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں اپنے دفتر میں دیکھ لیجئے اور اسی طرح اور بھی کچھ اکھڑی
یں کیں اس نے کہا کہ آپ عزیر گل ہیں ان کو اس واقفیت پر تعجب بھی
ر غالباً ان کے مسکن شہر وغیرہ کا بھی ذکر کیا اس وقت ان کا تعجب کچھ زیادہ
نے اپنا ہندوستان سے آنا اور انگلستان کا قصد کرنا بیان کیا اور تھوڑی دیر
کے رخصت کر دیا، مگر حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو روک لیا اور
کمرہ میں لے جا کر ان سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا اور کچھ بیان قلمبند
کا بھنوئی ضلع فتح پور ہسوہ میں کلکٹر تھا اس لیے حکیم صاحب موصوف اس
ائی سے بوجہ زمینداری واقفیت بھی رکھتے تھے اس کو بھی تقریب کا موقع
سے ملا اس نے انہی باتوں کے متعلق پوچھا جن کا ذکر مصر کے اظہار میں
ر اختصار کے ساتھ البتہ حکیم صاحب سے ان کے ضلع اور زمینداری

اور ہندوستان کے احوال کے متعلق بہت کچھ باتیں کیں اور اپنے عہدو
بیان کیا اور یہ کہ وہ بالفعل گورنر یوپی سر مشٹن کا سکرٹری ہے۔ کچھ عرص
لے کر انگلستان کو جا رہا ہے، جب حکیم صاحب وہاں سے واپس ہو
کی اطلاع ہوئی، شام کو دو بجے کے بعد مولانا مرحوم کو بلایا گیا اور انہی معمو
نسبت پوچھا جن کا ذکر مصر میں مولانا سے ہو چکا تھا مولانا نے اسی قس
دیئے، البتہ نئی بات اس نے ہندوستان کی نسبت دریافت کی ا
ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ف
اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے اس نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے
فرمایا کہ میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں اس نے تعجب سے کہا کہ یہ کی
مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقۃ
اس کے درجات ہیں جن کے احکام جُدا جُدا ہیں ایک معنیٰ کی حیثیت سے
کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے اس نے اس
مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب اس ملک کو کہتے ہیں جس میں کافروں کی حک
وہ اس قدر با اقتدار ہوں کہ جو حکم چاہیں جاری کریں اس نے کہا کہ یہ با
میں موجود ہے مولانا نے فرمایا کہ ہاں اس لیے ہندوستان ضرور دارالحرب
کہا کہ دوسرے معنیٰ کیا ہیں مولانا نے فرمایا کہ جس ملک میں اعلانیہ طور
اور احکام اسلامیہ کے ادا کرنے کی ممانعت کی جاتی ہو۔ یہ وہ دارالحر
جہاں سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے (اگر استطاعتِ اصلاح
کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہاں جس نے د
سے احتراز کیا غالباً اس نے اسی کا خیال کیا ہے وہ چکا ہو گیا اور لکھ

Marfat.com

کے اس نے وہاں (مالٹا) کی کیفیت وغیرہ دریافت کی مولانا نے وہاں کی سردی وغیرہ کا ذکر فرمایا، اس نے مزاجی حالت دریافت کی اور یہ کہ یہاں کی ہوا سے آپ کی صحت پر کیسا اثر ہے اس کی نسبت بھی مولانا نے مختصر کیفیت مخالف ہوا اور موسم اور اپنی سن رسیدگی اور ضعیف العمری کی ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مجھ کو قید رکھنا ہے یا نظر بند رکھنا ہے تو ہندوستان میں پہنچا کر یا دیوبند میں رکھ کر جس قدر چاہو مجھ پر چوکی پہرے مقرر کر دو یا وہاں ہی کسی دوسرے مقام پر نظر بند کر دو، مگر یہاں کی موجودہ حالت تو طبی اور میری صحت کی حیثیت سے کسی طرح موزوں نہیں اس نے ان سب باتوں کو لکھ لیا۔

اسی طرح روزانہ صبح و شام اور دوسروں کے بیانات لیے ہیں (کاتب الحروف) نے حسب عادت اس بیان میں بھی زمین آسمان کے قلابے ملاتے اور پھر مالٹا کی غذاؤں اور سامان رسد اور آب و ہوا و موسم اور کپڑوں کی نسبت تو بہت ہی شکایتیں کیں اور پھر یہ بھی کہا کہ ہم کو تقریباً ڈیڑھ ہزار یا سوا ہزار روپیہ فقط اپنی جیب سے خرچ کرنا پڑا ہے، ہمارا نقد بالکل ختم ہونے پر آ گیا ہے۔ ہر چند ہم کفایت شعاری کرتے ہیں مگر اخراجات کی کثرت اور عدم موافقت غذا وغیرہ سے ہم کو یہاں سخت تکلیف ہے اور نہایت افسوس ظاہر کیا کہ گورنمنٹ نے ہمارے ساتھ یہاں بھیج کر اس قدر تو ظالمانہ سلوک کر ہی رکھا ہے اور پھر بھی ہماری ضروریات اور صحت طبعی کی طرف ادنیٰ درجہ کی بھی خبر گیری نہیں کرتی ہمارے ساتھ مصری قید ہیں گورنمنٹ مصر ان کے اہل و عیال کے لیے دس دس بارہ بارہ پونڈ اور بعضوں کے لیے اس سے زیادہ ماہوار خرچ دیتی ہے ان میں سے بہتوں کے لیے یہاں پر بھی خرچ آتا ہے میرے بھائی ٹرکی کے یہاں اڈریانوپل میں نظر بند ہیں مگر ان کو چھ چھ پونڈ ماہوار ٹرکی

حکومت دے رہی ہے ان کو قلعہ میں رکھ رکھا ہے دن بھر تمام شہر اور ملحقات شہر میں پھرنے کی اجازت ہے، فقط شہر سے دوسری جگہ سفر کرنے کی اجازت نہیں، اہل و عیال کی بھی اجازت ہے اور جب سے اہل وعیال ان کے پاس آگئے ہیں جب سے ہر ایک عورت اور بچے کی بھی اسی حساب سے تنخواہ مقرر ہو گئی ہے اس نے اس کی تصدیق سے انکار کیا۔ میں بھائی صاحب کے خط کو (جو کہ اڈریانوپل سے کچھ ہی عرصہ پہلے آیا تھا) لے گیا تھا، اس کو جیب سے نکال کر دکھلانا چاہا اور کہا کہ دیکھئے اس خط میں عربی میں یہ صاف لکھا ہوا ہے اس نے عربی جاننے سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ انھوں نے اپنے افیسر کے اثر سے یہ لکھ دیا ہو گا حقیقت یہ ہے کہ بقول شاعر اِذَا سَاءَ فعل المرء ساءت ظنونہ (جب آدمی کے اعمال بد ہوتے ہیں تو اس کے خیالات دوسروں کے ساتھ بھی ویسے ہی برے ہوتے ہیں) برٹش گورنمنٹ اپنے ہی جیسا سبھوں کو سمجھتی ہے کہنے لگا کہ وہ تو کھانے کو نہیں دے سکتے ہمارے اسیروں کے ساتھ ایسا اور ایسا برتاؤ انھوں نے کر رکھا ہے اور اس قدر آدمی وہاں مر گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ خبر غیر واقعی آپ کو پہنچی ہے۔ یہاں پر خطوط وہاں سے لوگوں کے آرہے ہیں۔ ٹائمز میں لندن سے انگریزی اسراء کے احوال خطوط وغیرہ سے چھپ کر آچکے ہیں وہ نہایت شکریہ کے الفاظ لکھتے ہیں وہاں پر سیاسی اسراء تو درکنار جنگی اسراء بھی کانسنٹے وارتاروں میں قید کر کے نہیں رکھے گئے۔

ٹرکی میں اسراء کی حالت

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ٹرکی میں جو اسراء کی رعایت اور آزادی تھی انگریزی حکومت نے اس کا آدھا تہائی بھی نہیں کیا بلکہ ابتداء جنگ میں تو برطانیہ نے ٹرکی اسیروں کے ساتھ جو کہ عراق وغیرہ میں پکڑے گئے تھے نہایت برا سلوک کیا افسوں

اور بڑے رتبہ والوں کے ساتھ مجرمانہ اور معمولی قیدیوں کا سا برتاؤ کیا مگر جب درۂ دانیال وغیرہ میں شکستیں ہوئیں اور ان کے بھی اسیر پکڑے گئے اس وقت سے کچھ ہوش آیا اور حقوقِ اسارت کا خیال ہوا پہلے تو جب اسیر افیسروں نے اپنے حقوق حسب قوانین دول مطالبہ کیا تھا تو یہ کہتے تھے کہ تمہاری حکومت مفلس اور دو چار دن کی ہے ہم اگر تم پر خرچ کریں گے تو کس سے وصول کریں گے جو اسرا عراق ہندوستان سے مالٹا آئے تھے ان سے جملہ احوال تفصیلی معلوم ہوئے تھے میری خود ان لوگوں سے ملاقات ہوئی جو کرٹ کی کے یہاں اسیر تھے پھر ان افیسروں سے ملاقات ہوئی جن کے زیر تحویل اسراء انگریزی تھے اور پھر جملہ احوال کی تفصیلی کیفیت سننے میں آئی بعض انگریز اسراء جو کہ انگلستان کے رہنے والے تھے اور ان کی ملاقات پہلے سے اشرف بیگ اور بعضے دیگر افسروں سے تھی وہ چھوٹنے کے بعد مالٹا ہوتے ہوئے انگلستان گئے تھے اور ملنے کے واسطے اسارت گاہ میں آتے تھے انہوں نے اپنے دیگر اسراء کے معاملات نہایت شکریہ اور استحسان کے الفاظ میں بیان کیے تھے یہ انگریز استنبول میں تجارت کرتا تھا ایام جنگ میں اسیر ہو گیا تھا اس نے مالٹا کے اسراء کی حالت دیکھ کر ٹرکی کے اسرا کی حالت کو بدرجہا ترجیح دی اور گورنمنٹ ترکی کی انسانیت اور ہمدردی کی بہت تعریف کی۔

برٹش گورنمنٹ نے اپنی قوت کے گھمنڈ اور اپنی سیاست کے خوف کی وجہ سے اسراء سے وہ معاملات بھی نہ کیے جو بین الدول ہمیشہ سے مقرر چلے آتے تھے۔

یورپ کی عادت ہے کہ کمزور کو قانون کی پابندی کراتا ہے بلکہ قانون کے مجمل الفاظ کو نئے نئے معنیٰ پہناتا ہوا حسب خواہش عمل کراتا ہے۔ بسا اوقات انسانیت اور حقوق و عدالت کی ایسی کارروائیاں تراشتا ہے جن کا کبھی وہم و خیال

Marfat.com

بھی نہ ہوتا تھا ان کو فوق القانون قرار دے کر کمزور حکومت سے عمل درآمد کراتا ہے اور جب اپنے عمل کی باری آتی ہے اور خود میں قوت دیکھتا ہے تو سارے قانون دھرے رہ جاتے ہیں اور بے وجہ اور کبھی باوجہ تراشیدہ غیر واقعیہ انواع واقسام کے مظالم اور بے قاعدگی برتتا ہے۔

یورپ کا واقعی تمدن، اصلی تہذیب، حقیقی قانون، نفس الامری عدل فقط قوت ہے اس کا اصلی مذہب جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہے جو قوم غیر یوروپین اور غیر مسیحی ہو وہ اگر کمزور ہے تو ہر طرح وحشی اور غیر متمدن ہے، اس کے ساتھ ہر طرح کے مظالم جائز ہیں پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ نئی نئی منطقیں گھڑ کر جملہ اعمالِ بد کو قاعدۂ عدل وانصاف میں داخل کر دیتا ہے اس کے یہاں خلفِ وعدہ اور نقضِ عہود کوئی عیب نہیں بلکہ کمال ہے اس کی نظروں میں جو شخص زیادہ مکار زیادہ فریبی زیادہ دھوکہ دینے والا زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے وہی زیادہ پالٹیکس اعلیٰ درجہ کا سیاسی نہایت عقلمند ہے اس کا اصل اصول ہے کہ دوسری اقوام کی مبادی زندگی، لوازمات، حیوٰۃ، اسبابِ خوشحالی وجوہ ترقی کو اپنی قوم اپنے ملک پر قربان کرا دینا اور اس مقصود کے لیے ہر ممکن صورت کو عمل میں لانا اہم ترین فرائض اور سب سے بڑی انسانیت ہے دوسری اقوام خواہ اپنی زندگانی سے محروم ہو جائیں مگر اپنا الو سیدھا ہونا ضروری ہے اگر دیگر اقوام پر کسی درجہ میں رحم کھاتا ہے تو اسی درجہ پر ان کو باقی رکھنا چاہتا ہے کہ ذلیل وخوار ہو کر کتے کی زندگی بسر کرتے ہوئے غلامی میں سرگرم رہیں، اس کی چھین کھسوٹ غربا اور کمزور طبقہ پر اغنیاء اور ذی ثروت طبقہ سے زیادہ ہے اس کی بھینٹوں پر چڑھنے والے دو چار نہیں ہوتے بلکہ تمام قوم اور جملہ افراد ملک کو اس کے ہر مقصد پر نثار ہونا

Marfat.com

ضروری ہے وہ اپنی ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنانا لازم سمجھتا ہوا اس کو فخر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ضرورت کے پورے ہوجانے کے بعد طوطا چشمی کرنا اعلیٰ درجہ کی انسانیت اور کمال خیال کرتا ہے۔

اعلیٰ اور ادنیٰ اہل سیاست اور اعلیٰ درجہ کے فوجیوں کو کانٹے دار تاروں میں بند رکھنا ان پر شب و روز سنگینی پہرے قائم کرنا ان کی جسمانی اور روحانی آزادی بالکل سلب کر دینا ان کے احوال اور مرتبہ اور عادت کے موافق سامان راحتِ ایام اسارت بہم نہ پہنچانا وغیرہ وغیرہ قانون دول کے مطابق کسی طرح جائز نہ تھا، ٹرکی نے حسب قوانین دول و لوازمات انسانیت بہت زیادہ حقوق دیے مگر بدنصیب ٹرکی ایشیائی تھا یورپین نہ تھا، مسلم تھا مسیحی نہ تھا کمزور تھا، قوی نہ تھا اس کی بھلائیاں بھی برائیاں ہوگئیں اس کی مراعاتیں بھی مظالم ہوگئیں اس نے دوسری دول کے اسراء کے ساتھ وہ معاملات کیے جو کہ اپنے قومی بچوں اور شاہی فوجیوں اور افسروں کے ساتھ نہ کیے تھے مگر وہ خطاوار نکلا برٹش نے سب کچھ کیا مگر وہ سب بھلا کا بھلا ہی رہا، مصر میں ترکی فوجیوں کے ساتھ جو کارروائیاں کی گئیں ہیں جن کو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے ان کو معلوم کر کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں پھر بالخصوص ارمنی ڈاکٹر ان پر رکھے جاتے تھے جن کو ایک تو پہلے سے ترکوں سے سخت دشمنی تھی ہی اور پھر بھڑکائے جاتے تھے ان کی ہر طرح امداد کی جاتی تھی پھر کچھ نہ پوچھیے کہ انھوں نے ترکی بے زبان سیدھے سادھے مسلمان سپاہیوں پر کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں میں جب خیال بھی کرتا ہوں تو خداوند جل و علا کے حلم اور استغنا پر تعجب ہوتا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں زمین نہیں پھٹ جاتی آسمان نہیں ٹوٹ پڑتا۔ یہ قطعہ یورپ کا کس طرح زمین پر قائم ہے یہ ظالم درندے کب تک خداوندی ڈھیل میں سرچڑھتے

Marfat.com

رہیں گے اور کب تک مخلوقات خداوندی کا خون ان کی تیز و سخت کچلیوں کا شکار بنتا رہے گا۔ اے اللہ اپنے کمزور بندوں کا حامی اور مددگار بن اے پروردگار اپنے سچے دین اور حقیقی مذہب کی خبر گیری کر۔ اے خدا ہماری اصلاح فرما اور ہمارے دشمنوں کا نام و نشان روئے زمین سے اسی طرح مٹا دے جس طرح تو نے فرعون ہامان قارون نمرود شداد کا نام و نشان گم کر دیا آمین یارب العالمین۔

میں نے مسٹر برن سے ہندوستان کے سیاسی اسراء کا حال بھی ذکر کیا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ ان کی دو دو سو اور تین تین سو ماہوار سے خبر گیری کرتی ہے اس نے اقرار کیا مگر بڑی مقداروں کا انکار کیا اس نے مولانا مرحوم سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ اپنے اہل و عیال کی طرف سے فکر نہ فرمائیں حکیم عبدالرزاق صاحب ان کو پچاس روپے ماہوار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت شرم کی بات انگریزی گورنمنٹ کے لیے تھی قانوناً یہ فریضہ گورنمنٹ کا تھا، چنانچہ حکومت مصریہ ترکیہ وغیرہ نے اس قاعدہ کی مراعات رکھی تھی۔ ہمارے بیانات اس نے لکھے اور کہا کہ میں ان کاغذات کو پارلمنٹ میں پیش کروں گا میں کچھ صورت آپ لوگوں کے لیے نہیں کر سکتا، پھر مولوی عزیر گل صاحب کا بھی بیان لیا اور ان سے سرحدی اخبار وغیرہ پوچھیں، مگر انھوں نے حسب عادت سختی ہی سے جواب دیا اس نے جہاد کی نسبت بھی ان سے پوچھا انھوں نے جواب دیا کہ آپ مجھ کو مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں اس نے کہا کہ ہاں، کہا کہ پھر آپ کا کیا خیال ہے کہ کوئی شخص بغیر قرآن کی تصدیق کیے ہوئے اور اس کے تمام حصوں کو مانے ہوئے مسلمان ہو سکتا ہے اس نے کہا کہ نہیں انھوں نے کہا کہ پھر اس کے کیا معنی کہ آپ مجھ سے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جس کو آپ خود جانتے ہیں کہ قرآن میں مذکور ہے اسی طرح کی بہت سی باتیں ہوئیں۔

Marfat.com

حکیم نصرت حسین صاحب کی استقامت

سبھوں کے بیانات لکھنے کے بعد اس نے حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو بلایا اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد یہ کہا کہ میں تم پر کوئی الزام نہیں پاتا اور تم کو چھوڑ سکتا ہوں ہندوستان آپ ابھی جا سکتے ہیں اسی کے قریب ان سے بہاؤالدین انسپکٹر سی آئی ڈی نے جدہ میں بھی کہا تھا مگر انھوں نے اس وقت بھی اکیلے چھوٹ جانے کی مخالفت کی تھی اور اب بھی کی، یہ کہا کہ آپ کو سبھوں کو چھوڑنا چاہیے اس نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں مگر تمہارا امر میرے اختیار میں ہے، انھوں نے کہا کہ میں مولانا کو چھوڑ کر اگر ہندوستان چلا گیا تو تمام ہندوستان والے مجھ کو کھا جائیں گے اور کہیں گے کہ تم مولانا کو پھنسوا کر اکیلے چلے آئے میں اکیلا ہرگز نہیں جانا چاہتا وہاں سے لوٹ کر جب آئے اور واقعہ بیان کیا تو مولانا نے اور ہم سبھوں نے بہت ان کو سمجھایا اور زور دیا کہ آپ ہندوستان اکیلے جانے پر راضی ہو جائیے اور چلے جائیے مگر انھوں نے ایک بھی نہ مانی۔ مولانا مرحوم نے یہ بھی فرمایا کہ آپ وہاں جا کر ہماری خلاصی کی کوشش کر سکتے ہیں مگر یہاں تو ہماری طرح سے ہاتھ پیر بندھے ہوئے پڑے ہیں مگر ان کی سمجھ میں یہ بھی نہ آیا اور پھر تیسری مرتبہ جب وہ سخت بیمار ہوئے تب بھی مولانا مرحوم نے ان کو کہا اور زور دیا کہ تم اپنی تبدیلی آب و ہوا کی درخواست دے دو۔ انھوں نے جواب دیا کہ موت اور حیات خدا کے ہاتھ میں ہے میں آپ سے جدا نہیں ہو سکتا خداوند کریم ان کی مغفرت فرمائے۔ نہایت مستقیم اور ایماندار شخص تھے۔

نقد کا بجائے رسد مقرر ہونا

مسٹر برن نے کوشش کی کہ ان لوگوں کو روزانہ ۱½ شلنگ اور مولانا مرحوم

Marfat.com

کو تین شلنگ دیا جایا کرے اور علاوہ اس کے روٹی (ہمارے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم روٹی نہیں پکا سکتے گورنمنٹ کی روٹی لیں گے) کوئلہ، شمع، صابن حسب عادتِ سابقہ ملنے کا حکم جاری کر دیا اور یہ کہا کر ہوا ران سے قبض الوصول پر دستخط کرا کر ہندوستان بھیج دیا کرو وہاں سے آتا رہے گا، کپڑوں کے واسطے بھی اس نے کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد ہمارے پاس کچھ نمونے کپڑوں کے بھیجے گئے کہ جن کپڑوں کو تم چاہو پسند کر لو مگر چونکہ وہ بہت ہی گھٹیا تھے مولوی عزیر گل صاحب نے ان کو واپس کر دیا اس کے کچھ عرصہ کے بعد اول سے کچھ بڑھیا نمونے آئے اس میں سے ایک نمونہ پسند کیا گیا اور اس سے ہر ایک کے لیے ایک پائجامہ ایک صدری ایک اچکن یا لانبا کوٹ بنوایا گیا، مگر آخر میں مولانا مرحوم کے لیے کپڑا کافی نہ ہوا کیونکہ درزی نے جو تخمینہ کر کے بتایا تھا وہ قطع کرنے کے بعد ناکافی معلوم ہوا۔ جب آفس سے طلب کیا گیا تو آفس نے امروز و فردا میں بالکل ٹال دیا اس کے بعد آخر دم تک پھر نہ گرمیوں کا نہ جاڑوں کا کپڑا بنوایا گیا البتہ جو کپڑے معمولی ملتے تھے ان میں سے تولیہ، پیروں کے بنیائن، کرتا، رومال، سلیپر ہم لیتے رہے مگر کوٹ پتلون وغیرہ مثل سابق ہم رد کرتے رہے۔ مسٹر برن نے سردی کی شکایت کی بنا پر جاڑوں کے لیے کوئلہ کی زیادہ مقدار مقرر کرا دی جس سے ہم اپنے کمرہ کو روزانہ گرم کر سکتے تھے اخیر میں وہ ہماری قیام گاہ کو دیکھنے کے لیے خود آیا اور کمرہ کو اندر باہر سے دیکھا اور مولانا سے نہایت ادب اور تپاک سے پیش آکر مصافحہ کیا اس وقت مولانا ترجمہ قرآن لکھ رہے تھے اس کو دیکھا پھر میز پر جتنی کتابیں رکھی ہوئی تھیں ان کو دیکھا ان کے نام پوچھتا رہا، ان کے فنون سے واقفیت حاصل کی اس کے بعد کہا کہ میں اب انگلستان چلا جاؤں گا میں نے آپ

سب لوگوں کے لیے ایسا اور ایسا انتظام کرا دیا ہے اور پھر مصافحہ کر کے چلا گیا فارسی اچھی جانتا تھا کانوں میں اس کے ثقل تھا باتیں نلکی لگا کر یا زور سے سنتا تھا۔ اگلے روز کمانڈار نے مولانا مرحوم کو مع رفقا کے بلایا اور کہا کہ مسٹر برن نے آپ کے حق میں خاص طور سے ہم کو فہمائشیں کی ہیں اس لیے ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ آپ کے لیے اب سے نقد مقرر ہو گا اور آپ کی خاص خاص رعایتیں کی جائیں گی جب کبھی کوئی ضرورت ہو آپ ہم کو اطلاع دیتے رہیں۔

اس وقت سے ہماری رسد بالکل بند ہو گئی اور تقریباً پندرہ سولہ دن کے بعد ۲۰ فروری ۱۹۱۸ء روز چہار شنبہ سے نقد ملنے لگا اس روز سے ہم کو اپنے مصاریف میں آسانی ہو گئی۔ یہ مقدار اگرچہ باعتبار مالٹا کی گرانی کے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی، مگر پہلی سختیوں کے حساب سے بہت ہی غنیمت معلوم ہوئی، اس وقت ہمارے پاس تقریباً (۲۷) پونڈ باقی تھے مولانا مرحوم نے حکم فرمایا کہ ہم نہیں چاہتے کہ مقدار معینہ ماہانہ میں سے کچھ بچے اس کو صرف کرو اور بہ نسبت پہلے کے توسع برتو۔ تمہاری حسن انتظامی میں اس میں نہیں سمجھتا کہ اس میں سے بچاؤ ہاں یہ ضرور حسن انتظام میں شمار کروں گا کہ اصلی سرمایہ یعنی ۲۷ پونڈ تم محفوظ رکھو کہ آئندہ کسی ضرورت کے وقت میں کام آئے اس پر توسع کے متعلق رفقاء نے اس قدر پیر پھیلانا چاہا کہ اس مقدار میں بھی پورا پڑنا مشکل ہو گیا ادھر اس کی خبر ہندوستان لکھی گئی مگر اسی کے ساتھ غالباً وحید نے یا میں نے لکھ دیا کہ اگرچہ یہ مقدار بہت ہی زیادہ مشکلات سے رہائی کی سبب بن گئی ہے مگر مالٹا کی گرانی سخت درسخت ہے ایک انڈا ان دنوں ۴ر اور ایک مرغی چھ روپے کو اور اسی طرح دیگر اشیاء ہیں اس کی بنا پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ مرحومہ

نے غالباً گورنر یو پی کے پاس عرضی بھیجی کہ جو مقدار مولانا کے لیے مقرر کی گئی ہے وہ مالٹا کی گرانی کی وجہ سے کافی نہیں اس لیے یا تو تم خود ان کے لیے کافی مقدار پہنچاؤ یا ہم کو اجازت دو اور انتظام کر دو ہم یہاں سے نقد روانہ کر دیں۔ وہاں سے جواب آیا کہ تم فکر مت کرو ہم خود انتظام کریں گے وہاں سے حکم مالٹا میں زیادتی کا پہنچا آفس نے مولانا اور کاتب الحروف کو طلب کیا اور مصاریف کی قلت کی نسبت دریافت کیا ہم نے جواب دیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ انسان کا مدار زندگی گوشت پر ہے جس کو جملہ اہل یورپ تسلیم کرتے ہیں ہم یہاں کی گرانی کی وجہ سے بہت کفایت کرتے ہوئے ہفتہ میں فقط تین دن گوشت کھا سکتے ہیں گھی یہاں ملتا ہی نہیں بجائے اس کے زیتون کا تیل استعمال کیا جاتا ہے اس کی بھی ایک بوتل چھ شلنگ (للعہ) میں آتی ہے جو بمشکل تمام ہم کو دو دن کافی ہوتی ہے اور بعض کھانوں میں تو ایک بوتل ایک دن میں خرچ ہو جاتی ہے شکر ا ارپونڈ ہے اسی طرح جملہ اشیاء کی حالت ہے اس نے اس وقت سے فی کس دو شلنگ یومیہ اور مولانا کے لیے چار شلنگ یومیہ کر دیے (واضح ہو کہ شلنگ ۱۲ ر کا ہوتا ہے)

مسٹر برن کے لاتے ہوئے خطوط

مسٹر برن کے جانے کے تقریباً ایک ماہ یا کچھ زیادہ دنوں کے بعد لندن ہوتے ہوئے بہت سے خطوط آئے جن میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم، مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا حافظ محمد احمد صاحب، مولانا حکیم محمد حسین صاحب اور دیگر اعزہ اور احباب کے خطوط تھے سب نے بتاکید لکھا تھا کہ مسٹر برن چیف سیکرٹری مسٹن گورنر یو پی جاتے ہیں ہم آپ سے خواہش مند ہیں کہ آپ ان کی پیش کردہ شروط کو قبول فرما کر بہت

Marfat.com

جلد ہندوستان تشریف لائیں۔ ہرگز ان کے مطالیب کو رد نہ فرمائیں ہماری استدعا پر گورنمنٹ نے یہ صورت قبول کی ہے کہ اس قسم کی باتیں اور یہی مضمون سب میں تھا اس وقت حقیقت مسٹر موصوف کے آنے کی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حسبِ اشارہ احباب نے ایک وفد علماء کا گورنمنٹ کے پاس مولانا کی رہائی کے لیے پیش کیا تھا جس کی وجہ سے مسٹر موصوف مالٹا میں اترے ہیں اور ان خطوط کو بھی لائے ہیں مگر غالباً کسی سیاسی غرض سے ان خطوط کا یہاں دینا مستحسن نہ سمجھا گیا بلکہ وہاں پہنچنے پر بھیج دیا گیا۔

اس کے بعد بعض امور میں ہماری خاص خاص رعایتیں کی گئیں مثلاً ایک زمانہ میں شکر بازار میں نہیں تھی اس لیے تمام اسراء کو سخت تکلیف ہو گئی تھی ہم نے آفس سے مراجعت کی اس نے خاص طور سے انتظام کر دیا جس کی بنا پر بقیمتِ وقت ہم کو شکر مل جاتی تھی اسی طرح ظہر کے بعد سیر کے لیے دوسرے کمپوں میں جانے کی بھی ہفتہ میں تین دن کی اجازت ہو گئی جس کو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

مولوی عزیر گل صاحب کا اشتغال

مولوی عزیز گل صاحب مختلف اوقات میں اعمال سلوک تعلیم کردہ حضرت مولانا مرحوم میں مشغول رہتے تھے اور پھر کچھ وقت قرآن شریف کے یاد کرنے میں بھی صرف کرتے تھے انھوں نے زبان ترکی کے سیکھنے کی طرف بھی توجہ کی اور تھوڑے سے ہی دنوں میں بحمد للہ اچھی خاصی ترکی بولنے لگے اس کے بعد انگریزی زبان کی طرف متوجہ ہوئے مگر سوء بخت یا خوش نصیبی نے اس میں دستگیری نہ کی ان کو حسب خواہش کوئی استاد نہ ملا اور کچھ طبعی عدم استقلالی بھی اس فن کے

Marfat.com

کمال سے مانع ہوئی قرآن شریف کی طرف توجہ بہت کی مگر ضعفِ حافظہ اور عدم استقلال طبع سدراہ ہوتا رہا، موصوف کو اس کا شوق بہت ہے یاد بھی جلد کر لیتے ہیں مگر بھول بھی جلد جاتے ہیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت ان پر بہت زیادہ تھی اور بہت بے تکلفی سے ان سے رہتے تھے جو بے تکلفی ان سے برتتے رہے وہ کسی اور کے ساتھ عمل میں نہیں آئی۔

وحید کا اشتغال

اس نے ابتدا ہی سے اجنبی زبانوں کی طرف توجہ کی اور اولاً فرانسیسی پھر جرمنی زبان کو سیکھا پھر جب دیکھا کہ پانسہ جنگ پلٹ گیا تو انگریزی کی طرف متوجہ ہوا۔ مختلف فنون عربیہ خصوصاً حدیث اور تفسیر کی چند کتابیں اس سفر میں اس نے مولانا سے پڑھیں مگر بدقسمتی سے نہایت بے اعتنائی اور کم محنتی سے پڑھا گیا۔

کاتب الحروف کا اشتغال

مجھ کو طالب علمی کے زمانہ سے شوق تھا کہ قرآن شریف حفظ کروں، مگر بدقسمتی سے کبھی ایسا فارغ وقت نہ ملا تھا کہ اس مراد کے حصول کی کوئی صورت ہوتی مدینہ منورہ میں بڑی بڑی مشکلوں سے سورہ بقرہ اور آل عمران کئی دفعہ یاد کی مگر سنبھال نہ سکا بھول بھول گیا جب طائف پہنچا پھر اس کو دہرایا اور سورہ نسأ مائدہ، انعام یاد کرلیں مگر جب مکہ معظمہ آنا ہوا پھر بھول گیا کثرت اشتغال نے مہلت نہ دی کہ آگے بڑھتا یا انہی کی حفاظت کرتا مالٹا پہنچ کر پھر از سر تو شروع کیا چند دن تو وہاں کے انتظامات وغیرہ میں خرچ ہو گئے اس کے بعد تقریباً نصف جمادی الاول سے اواخر شعبان تک پندرہ پارے یاد ہو گئے چونکہ فارغ وقت فقط ظہر کے بعد دو ڈھائی گھنٹہ یا اس سے بھی کم ملتا تھا اس لیے

Marfat.com

زیادہ یاد نہ ہو سکا اس رمضان میں مولانا نے فرمایا کہ نوافل میں سنانا چاہیے چنانچہ ہر شب میں تراویح کے بعد (جو کہ الم ترکیف سے ہوا کرتی تھی کیونکہ ہمارے پڑوسی عرب زیادہ دیر تک سب کے سب نہیں کھڑے ہو سکتے تھے) نوافل میں سنا کرتے تھے رمضان شریف کے بعد پھر آگے یاد کرنا شروع کیا مگر اس مدت میں مدینہ منورہ کے واقعات والد مرحوم کی خبر وحشت اثر اور جملہ کنبہ والوں کے رنجیدہ واقعات نے تشویش بہت پیدا کی تاہم فضل و کرم خداوندی سے ماہ صفر تک پورا قرآن ختم ہو گیا اور پھر روزانہ دور کر کے محفوظ رکھا اور رمضان شریف میں مولانا مرحوم نے سن لیا، قرآن شریف یاد کر لینے کے بعد مجھ کو بھی ترکی زبان کی طرف توجہ ہوئی کیونکہ یہ بھی ایک دیرینہ آرزو تھی آہستہ آہستہ کچھ اس میں شد بد ہو گئی الٹا میں داخل ہونے کے وقت بلکہ اسیر ہونے کے زمانہ ہی سے میری تین آرزوئیں تھیں، ترکی زبان سیکھنا، قرآن شریف حفظ کرنا، باطنی اشتغال میں ترقی کرنا خدا کے فضل و کرم سے دو اول کی تو ایک درجہ تک حاصل ہو گئیں، اور تیسرا مقصد باوجود صحبتِ شیخ کامل اور فراغ وقت اپنی بدنصیبی سے ناکام رہا ؎

تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

مگر تاہم مجھ کو افضال خداوندی اور بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل سے اس باب میں بہت کچھ امیدیں ہیں کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ارشاد قرآنی ہے۔ اہل اللہ کی عنایت و توجہ کبھی نہ کبھی تو ضرور دستگیری فرمائے گی۔

اولئک قوم لا یشقی جلیسھم۔ وللہ الحمد والمنۃ

مولوی حکیم نصرت حسین صاحب کا انتقال: حکیم صاحب موصوف

سلیم الطبع ذکی القریحہ مستقیم الاوقات تھے انھوں نے علم حدیث وغیرہ دیوبند میں پڑھا تھا باقی کتابیں لاہور کانپور، دہلی وغیرہ میں پڑھی تھیں دیوبند سے تکمیل کی۔ جلسہ دستار بندی دیوبند میں ان کی دستار بندی ہوئی۔ مولانا شبیر احمد صاحب کے ساتھ دورہ میں شریک تھے اسی زمانہ جلسہ میں مولانا مرحوم سے بیعت بھی ہوئے تھے اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے گھر پر جاگیر زمینداری کے انتظامات اور مطلب میں مشغول رہے اسی زمانہ میں انگریزی بھی کچھ پڑھ لی مگر مشق پوری نہ تھی اس سفر میں بولتے بولتے اچھی طرح کام نکالنے لگے تھے تقویٰ طبیعت میں ابتدا ہی سے تھا اس لیے نمازوں کو ہمیشہ اول وقت پر پڑھتے تھے۔ تہجد کا بہت ہی زیادہ خیال تھا۔ فضولیات کی طرف طبیعت کو رغبت نہ تھی اسلام کا درد اور وطن اور قوم کی محبت نہایت زیادہ تھی سیاسی امور میں پوری دلچسپی رکھتے تھے۔ ہندوستان کی آزادی کی ہمیشہ دھن لگی رہتی تھی نہایت معزز خاندان کے نونہال تھے۔ کوڑا جہاں آباد (ضلع فتح پور ہسوہ) ان کا آبائی وطن ہے ان کے بعض احوال پہلے گزر چکے ہیں جب یہ نظر بند ہو گئے تو ان کو جدہ ہی سے خیال ہوا کہ اس وقت کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیے بلکہ سلوک طریقت کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے چنانچہ انھوں نے مولانا مرحوم سے اس کی درخواست کی مولانا نے کوئی ذکر مناسب تعلیم فرمایا، چنانچہ انھوں نے نہایت پابندی سے جملہ امور تعلیم کردہ مولانا مرحوم پر عمل کرنا شروع کیا عموماً ہر وقت ذکر اسم ذات جاری رہتا تھا اور کچھ اوقات معینہ میں مراقبہ وغیرہ بھی کیا کرتے تھے وہ اسی طرح ہمیشہ اپنے کام میں مشغول رہتے اور اپنی جملہ کیفیات مولانا مرحوم سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ بعد مولانا مرحوم کے ہماری جماعت میں کوئی بھی بااوقات شب خیز تہجد گزار ان سے زیادہ نہ تھا بلکہ تمام

Marfat.com

کیمپ اسراء مالٹا میں بھی کوئی ایسا نہ تھا مولانا کی نظر عنایت بھی ان پر بہت تھی ان کو ضعف معدہ کی شکایت بھی تھی اور ہمیشہ گھر پر بھی بخار وغیرہ میں مبتلا رہتے تھے یہ اپنے اوقات قرآن شریف، دلائل الخیرات ذکر، مراقبہ وغیرہ میں صرف کرتے تھے ڈاکٹر غلام محمد کے چلے جانے کے بعد ایک مدت تک شام کا کھانا بھی پکاتے تھے اور خود اپنی خواہش اور اصرار سے اس کا ذمہ لیا تھا میں نے کوئی زور ان پر نہ ڈالا تھا اور نہ ڈاکٹر غلام محمد پر۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد میں نے ان سے یہ کام لے لیا تھا ان کی طبیعت کچھ عرصہ کے بعد مالٹا میں خوب سنبھل گئی تھی اور جو شکایتیں ان کو ضعف معدہ اور بخار وغیرہ کی تھیں جاتی رہی تھیں مگر ماہ رجب ۱۳۳۶ھ سے ان کو پھر تپ ولرزہ کے دورے شروع ہوئے خیال کیا گیا کہ معمولی جیسے ہمیشہ ان کو اس قسم کے دورے ہوا کرتے تھے ویسے ہی ہیں نہ انھوں نے کوئی فکر کی اور نہ دوسرے لوگوں نے یہی حال تمام شعبان رہا۔ رمضان آنے پر انھوں نے روزے بھی رکھے اور اخیر شعبان میں بعضے مسہلات بھی استعمال کیے کونین بھی استعمال کی مگر فائدہ نہ ہوا۔ اواخر رمضان میں بمجبوری ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا گیا۔ ڈاکٹر نے مختلف دوائیں استعمال کرائیں جن کو حکیم صاحب بوجہ رمضان شریف دن کو استعمال نہ فرماتے تھے بلکہ شب کو استعمال کرتے تھے، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا عید کے بعد پھر ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا کہ ان کو ہسپتال جانا چاہیے ہم نے زور دیا کہ ان کی دوا یہیں کی جائے مگر اس نے کہا کہ یہاں باقاعدہ علاج نہیں ہو سکتا اب تک کیا گیا مگر کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوا وہاں چلنا ضروری ہے ہم نے جب دیکھا کہ یہ صورت نافع نہیں ہے تو درخواست کی کہ اچھا ہم میں سے ایک آدمی ان کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اور یہ ضروری امر ہے اس کی اجازت ہونا چاہیے

Marfat.com

اس نے کہا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا خلاف قاعدہ ہے اور پھر ایک کے ساتھ دوسرا بھی مریض ہوگا ـــــ الغرض ان کو وہاں پہنچا دیا ہم نے آفس میں اس کے متعلق درخواست کی کہ یا تو ہم میں سے ایک آدمی کو وہاں رہنے کی اجازت دی جائے ورنہ کم از کم روزانہ ہم کو ان سے ملنے اور ان کی خبر گیری کرنے کی اجازت دی جائے انھوں نے اول بات کی تو اجازت نہ دی مگر یہ کہا کہ ہر تیسرے دن تم جا کر دو بجے کے بعد مل سکتے ہو، چنانچہ اس حکم کے بعد جس کو ان کی روانگی سے پانچ چھ دن کے بعد ہم حاصل کر سکتے تھے ہم وہاں گئے مگر ان کی حالت بہت گری ہوئی اور کمزور پائی معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں کی ایک بڑی جماعت جس میں بڑے بڑے افسر ہیں ان کی مداوات میں مشغول ہے اور بہت توجہ سے کام کر رہے ہیں جو میم کمپوڈری اور دوسری ضرورتوں کو انجام دیتی تھی وہ ان پر خاص طور سے مہربان ہے جس کی وجہ ان کا انگریزی جاننا اور برٹش رعیت ہونا ہے کیونکہ اس تمام ہال میں سب غیر برٹش رعایا بلکہ دشمنان برطانیہ تھے اس نے یہ بھی کہا کہ میں تمہارے لیے یخنی اور دوسری مقوی دوائیں جن میں شراب کا جوہر پڑتا ہے دونگی جس سے تمہاری صحت بہت جلد کامل ہو جائے گی مگر انھوں نے یخنی اور ایسی مقوی دواؤں سے انکار کر دیا کہ ہمارے مذہب میں یہ چیزیں حلال نہیں اس نے نہایت افسوس کیا پھر ہم کو وہاں سے حکم آیا کہ تم خود مرغی ذبح کر کے اس کی یخنی بھیجا کرو، چنانچہ ہم نے اس کا انتظام کر دیا اور روزانہ بھیجتے رہے جو لوگ ہال میں بیمار تھے ان میں بعض مسلمان بھی تھے اور بعض عیسائی تھے، مگر اکثر حصہ عیسائیوں کا تھا جن میں سے بعض سے قدرے واقفیت بھی تھی اور ان میں مادہ انسانیت کا بہت زیادہ تھا ان کی صحت بھی تقریباً کمال کو پہنچ چکی تھی ان لوگوں نے بہت اچھی طرح حکیم صاحب کی خبر گیری کی حکیم صاحب

Marfat.com

نے کچھ نقد بھی لیا کہ خدام کو برابر دیتے رہیں گے تاکہ خبر گیری اور خدمت پوری طرح سے ہو ہم کو کبھی امید ان کی صحت کی بندھ جاتی تھی اور کبھی خوف بھی ہوتا تھا مگر اواخر شوال میں ان کی حالت زیادہ گرنے لگی اس وقت ہم نے آفس سے درخواست کی کہ ہم کو وہاں رہنے کی اجازت دی جائے اور حکیم صاحب سے بھی طلب کرایا مگر اس کے جواب آنے میں وہاں سے بہت تاخیر ہوئی غالباً ، ذی قعدہ کو اجازت ملی مگر فقط تحریری اجازت تھی جب ہم نے چاہا تو ایک دو دن کی تاخیر افسروں کے موجود نہ ہونے یا کسی اور عذر سے کرا دی گئی، نویں تاریخ کو جب ہم اجازت لینے گئے تو ہم کو خبر دی گئی کہ ان کا شب کو صبح کے قریب انتقال ہو گیا

اس سے تقریباً دو روز پہلے بھی حسب عادت ہم گئے تھے ان ایام میں ان کو سانس بہت زور سے اور جلدی جلدی آیا کرتا تھا۔ ہوا کے لیے برقی پنکھا ان کے آگے رکھا رہتا تھا وہ اکثر تکیوں کے سہارے پر کمر لگائے ہوئے بیٹھے رہتے تھے وفات سے ایک دن پہلے جب ہم گئے تھے تو آواز بہت پست پائی تھی مگر وہ خود اطمینان سے تھے کسی قسم کی گھبراہٹ ان کو نہ تھی ان کا رخ قبلہ کی طرف ایک عرصہ سے اس وجہ سے کر دیا گیا تھا کہ ان کو اٹھنے اور چلنے کی اجازت ڈاکٹروں کی طرف سے نہ تھی اس لیے ان کو نماز پڑھنا چارپائی ہی پر اشاروں پڑتا تھا جس کی وجہ سے ہمیشہ چارپائی رو بقبلہ رہتی تھی مگر یہ معلوم ہوا کہ وہ رات کو چارپائی سے اتر کر خفیہ نماز پڑھا کرتے تھے (واللہ اعلم) انہوں نے جب جب جانا ہوا تو کہا کہ ذکر میرا جاری ہے اور تعلق خداوند ذوالجلال سے بندھا ہوا ہے

چونکہ مرحوم کا مرض نمونیہ تجویز کیا گیا تھا اور وہ امراض متعدیہ میں سے ہے اس لیے کمانڈار اسراء نے مولانا مرحوم کو اور ہم کو بلا کر کہا کہ حکیم صاحب مرحوم کی نعش

Marfat.com

تم کو قبرستان میں ملے گی لیکن تم فقط دور سے نماز پڑھ لینا تابوت کے پاس بھی مت
جانا ہم نے اصرار کیا کہ ہم کو غسل دینا کفن پہنانا ضروری ہے اس نے کہا کہ ڈاکٹر کا
حکم ہے کہ ان کے پاس بھی کوئی نہ جائے ہم نے کہا کہ ہم کو شریعت کا حکم ہے غرضکہ
اس بارہ میں مولانا مرحوم سے اور کمانڈر سے بہت زیادہ رد و قدح ہوتی رہی،
جب اس نے زیادہ رد و قدح کی اور تقریباً آدھا گھنٹہ رد و قدح پر بھی راضی نہ
ہوا تو ہم نے کہا اچھا ہم نہ نہلائیں گے مگر کفن تو پہنادیں بڑی بڑی مشکلوں سے وہ
اس پر بھی جب راضی ہوا جب مولانا خفا ہو کر کہنے لگے کہ جب آپ کو ہماری مذہبی
ضروریات پر ادنیٰ توجہ نہیں تو پھر ہم کو کیوں بلایا خود ہی جو چاہتے تھے کر دیا ہوتا یہ کہا
اور لوٹ جانے کے لیے آمادہ ہو گئے اس وقت اس نے اجازت دی مولانا مرحوم
نے فرمایا کہ اس بہانہ سے ہم ان کو تیمم کرادیں گے اور کفنا بھی دیں گے اور یہ بھی معلوم
ہوا تھا کہ شفا خانہ میں ان کو اپنے طریقہ پر دوا کے پانی سے ڈاکٹروں نے خوب نہلا
تھا مولانا نے فرمایا کہ وہ کافی تھا مگر ہم چاہتے تھے کہ طریق مسنون پر ان کو نہلائیں
خلاصہ یہ کہ ان کے مقبرہ میں جانے کے واسطے ہم نے تقریباً پچاس یا ساٹھ
آدمیوں کی اجازت طلب کی۔ کمانڈر نے اجازت دے دی یہ سب وہاں گئے
ایسا اجتماع کسی شخص کے جنازہ میں وہاں نہیں ہو سکا تھا ان کو تیمم کرا کے کفنایا گیا
اور پھر مولانا مرحوم نے بادل غمگین نماز پڑھائی اور دروازہ کے قریب ہی ان کی قبر
کھودی ہوئی تیار تھی اس میں دفن کر دیئے گئے ان کے مصاریف جو کچھ وہاں
واقع ہوئے تھے وہ تو ہم نے اپنے پاس سے دیے تھے مگر گاڑیوں کا کرایہ کرنیل
اشرف بیگ نے جو کہ کئی پونڈ کی مقدار میں ہوتا تھا بغیر ہماری اطلاع دے دیا
ان کی قبر پر جو کہ مثل دیگر قبور کے خام ہے ایک پتھر حسب رائے مولانا مرحوم لگا

دیا گیا ہے جس پر ذیل کی عبارت کندہ ہے۔

هذا قبر الحكيم السيد نصرت حسين من اهل كوڑا جهان آباد الهند۔ اسر بمكة المكرمة مع حضرة العلامة مولانا الشيخ محمود حسن صدر المدرسين بكلية ديوبند في الحرب العمومي و توفي اسيرا في تاسع ذي القعدہ سنہ ۱۳۳۲ هجرة النبي سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم رحمه الله رحمة واسعة ولہ الفاتحة

اس پتھر کو کرنیل اشرف بیگ ہی نے کندہ بھی کرایا تھا اور لگوایا بھی تھا کیونکہ اس نے ایک بڑی مقدار نقود کی خرچ کر کے بطور یادگار جملہ اسراء مدفون کے لیے پتھر کندہ کرائے تھے اور ایک مربع ستون پتھر کا جس میں سنگ مرمر پر جملہ ان ترکی اسراء کا نام کندہ تھا جو کہ ایام اسارت جنگ عمومی میں وہاں مدفون ہوئے کرنیل مذکور کی کیفیت اور تفصیل اس وقت چونکہ ممکن نہیں اس لیے اگر زندگی باقی رہی تو پھر لکھوں گا، مرحوم اپنے مرض وفات میں اپنے گھر کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے، چونکہ ضعیف العمر والدہ جوان بیوی، دو نوعمر بچے اور دیگر رشتہ دار تھے اس لیے طبعی رغبت ضرور تھی اور پھر وہاں اسارت اور سفر میں کما حقہ خدمت نہیں ہو سکتی تھی۔ مالٹا میں جو اسراء وفات پا جاتے تھے خصوصاً غیر ممالک کے ان کے سینہ کو چاک کر کے اندرونی اعضاء کو دوا میں رکھا جاتا تھا جس سے غالباً یہ مقصود تھا کہ اگر حکومت مخالفانہ دعویٰ یا شبہ کرے کہ میت کو کوئی زہر وغیرہ دیا گیا ہے تو دل اور جگر وغیرہ کی کیفیت سے معلوم ہو سکے (واللہ اعلم) اس لیے ہم نے اولاً یہ کوشش کی کہ حکیم صاحب کے شکم کو چاک نہ کیا جائے اور اس پر مولوی عزیز گل صاحب نے بہت زور دیا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اسراء کا چھوڑا جانا: حکیم صاحب مرحوم کی وفات سے دو تین مہینے کے بعد

Marfat.com

سے اسراء کا چھوڑا جانا شروع ہو گیا، اوّل اوّل جرمنی لوگ چھوڑے گئے پھر اسٹرین بلغاری وغیرہ مگر بہت تھوڑی مقدار میں لوگ چھوڑے جاتے تھے تقریباً تین ماہ میں اکثر حصہ اسراء کا روانہ کر دیا گیا، اس وقت سب اسیروں کو مختلف جگہوں اور کیمپوں سے نقل کر کے ورداله میں رکھا گیا۔ ترکی اور شامی اسراء اس وقت تک نہیں چھوڑے گئے تھے جو لوگ روگیٹ کمپ یا وال فرسٹہ یا سینٹ کلیمت براکس وغیرہ میں تھے سب کے سب وہاں جمع کر دیے گئے۔ جو لوگ زمانہ التواء جنگ کے بعد استنبول سے پکڑے گئے تھے ان کو اس اسارت گاہ سے بہت دور رکھا تھا اور ان قدیمی اسیروں سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا انہی میں شیخ الاسلام خیر آفندی اور احمد پاشا انور پاشا کے والد ماجد اور دوسرے ترکی کے معزز اور اکابر عہدہ دار تھے اس وقت میں ان کو بھی یہیں جمع کر دیا گیا، شیخ الاسلام خیری آفندی کا کمرہ ہمارے کمرہ کے قریب تھا اس مرتبہ ہم کو وردالہ میں دو کمرے دوسرے طبقہ پر نہایت مکلف ملے جس میں سے ایک حضرت مولانا مرحوم کے لیے خاص کر دیا گیا اور اس میں ایک طرف مولوی عزیر گل صاحب کی چارپائی تھی اور اس میں پردے کے باہر مہمانوں کے لیے میز و کرسیاں بچھا دی گئی تھیں اور دوسرے کمرہ میں کھانے پکانے کا جملہ سامان تھا اور اس میں مَیں اور وحید تھے کھانا بھی وہیں کھایا جاتا تھا ہمارے رفقاء اہل صیدا ہم سے ذرا کچھ دور ہو گئے تھے، مگر اسی کمپ میں تھے کچھ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ان کی روانگی کا بھی وقت آ گیا اور وہ بھی اپنے اپنے وطن کو روانہ ہو گئے اس وقت سے ہم کو اپنے کاروبار میں ذرا دقت کا سامنا ہو گیا کیونکہ کوئی شخص کاروبارِ ضروریہ انجام دینے والا نہ رہ گیا تھا مگر مسبب الاسباب ہر قسم کی آسانی پہنچاتا تھا اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد باقی ماندہ ترک اور دوسری اقوام

Marfat.com

بھی اپنے اپنے ممالک کو سفر کر گئے جو لوگ کہ التواء جنگ کے بعد پکڑے گئے تھے، وہ اور کچھ دوسرے لوگ باقی رہ گئے، دردالہ کا اکثر حصہ فارغ ہو گیا تو ہم کو تقریباً ڈیڑھ ماہ رہنے کے بعد دردالہ سے بھی وال فرسٹہ میں منتقل کر دیا گیا۔ وال فرسٹہ کے کمرے نہایت ہی آرام کے تھے ہر کمرہ میں چار حصے تھے چوتھے حصہ میں نل اور غسل وغیرہ کا سب سامان تھا ایک کمرہ ہم سبھوں کے لیے کافی تھا وہاں بھی لوگ آہستہ آہستہ سفر کرتے رہے یہ سب کچھ ہوتا رہا اور تقریباً پانچ چھ ماہ اسیروں کو سفر کرتے گزر گئے مگر ہماری نسبت کوئی خبر نہ آئی یہاں تک کہ پرانے اسراء میں سے فقط دس بارہ آدمی باقی رہ گئے تھے جن میں سے پانچ یا چھ اسٹرین جرمنی تھے جو کہ مصر کو جانا چاہتے تھے کیونکہ ان کے متعلقین مصر میں تھے حکومت برطانیہ ان کو وہاں بھیجنا اپنی مصلحت کے خلاف سمجھتی تھی اور اسی طرح پانچ چھ ترکی افیسر تھے جو کہ اپنی قوم اور وطن کے خائن تھے ایام جنگ میں انگریزوں سے مل گئے تھے وہ اپنے ملک میں واپس ہونا نہیں چاہتے تھے وہ بھی مصر جانا چاہتے تھے، اسی وال فرسٹہ میں سعید حلیم پاشا سابق صدر اعظم ٹرکی اور ان کے بھائی عباس حلیم پاشا سابق گورنر بورصہ کرنیل جلال بیگ جرنیل علی احسان پاشا جرنیل فخری پاشا شیخ الاسلام خیری آفندی، جرنیل محمود پاشا وغیرہ وغیرہ اکابر ٹرکی تھے جن سے اکثر ملاقات ہوتی تھی اور مولانا سے ملنے کے لیے یہ حضرات آیا کرتے تھے آخر کار انتظار کرتے کرتے ہمارے لیے بھی وقت آپہنچا۔

مالٹا سے روانگی

قاعدہ تھا کہ جب کسی اسیر کی نسبت روانگی قرار پاتی تھی تو اس کو آٹھ دس دن پہلے خبر دی جاتی تھی کہ وہ تیار رہے اور جس دن جانا ہوتا تھا یکبارگی اس کو حکم روانگی

Marfat.com

کا دے دیا جاتا تھا جبکہ ایک مرتبہ حکم دے دیا گیا ہم تیار ہوئے مگر آٹھویں دن خبر ملی کہ اس آگبوٹ میں بیماری ہے دوسرے آگبوٹ میں جانا ہوگا تقریباً دس پندرہ دن کے بعد ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء جمعہ کے دن تقریباً دس بجے دن کے ہم وہاں سے روانہ ہوکر آگبوٹ پر سوار کرادیے گئے ہم کو سیکنڈ کلاس کے کمرے دیے گئے اور چونکہ وہ جہاز جنگ کی مہمات کی خدمت کے لیے تھا اس لیے اس میں جملہ کاروبار کرنے والے عموماً افغانی لوگ تھے جو صوبۂ فرنٹیر کے تھے ہمارے کھانے کا انتظام انہی کے سپرد کر دیا گیا چونکہ مولوی عزیر گل صاحب اس صوبہ کے ہیں ان سے ان لوگوں کی پشتو میں بات چیت ہوئی تو وہ ان کے شیدائی ہو گئے انھوں نے نہایت اخلاص سے کھانے پینے کا انتظام کیا مگر ان پر افسروں کی سخت تاکید تھی کہ کوئی ان میں سے نہ ہمارے پاس بیٹھے نہ بات چیت کرے، فقط کھانا وقت پر پیش کر دیا کرے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ یہ سیاسی ہیں ان لوگوں کو خراب نہ کر دیں ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۲۰ء کو صبح کے قریب آگبوٹ اسکندریہ پہنچا، وہاں عرصہ تک انتظار ہوتا رہا مگر قریب شام کے کچھ سپاہی اور افسر آئے ان کے ساتھ روانہ ہوئے وہ لوگ ہم کو نہایت بے ترتیبی کے ساتھ لے گئے اسباب قلیوں کے سپرد کر دیا اور ہم کو ٹرپوے میں سوار کر کے گوروں کے فوجی کیمپ میں لے گئے اور وہاں پر مجرم سپاہیوں کی قید کا جو کیمپ تھا اس میں ہم کو داخل کر دیا اور ہم پر اسی طرح سخت پہرہ کر دیا جیسا کہ ان لوگوں پر تھا۔ شام کا وقت ہو گیا تھا کچھ کھانا انھوں نے ہم کو دیا اور ایک خیمہ میں جس میں نہ گدا تھا نہ بچھونا تھا نہ چارپائی تھی نہ روشنی فقط کمبل دے کر پڑ رہنے کو کہہ دیا، اسباب قریب عشاء کے پہنچا اس کو بھی انھوں نے اندر داخل نہ ہونے دیا، دروازہ

Marfat.com

پر باہر ہی رہا۔ اس شب کو ہم کو سخت تکلیف اٹھانی پڑی صبح کو افسر آیا اور ہم نے جو کچھ معاملہ گزرا تھا بیان کیا اس نے بہت عذر معذرت کی اور اپنی لاعلمی ظاہر کرکے کہا کہ میں معافی کا خواستگار ہوں مجھ کو بالکل اطلاع نہ تھی۔ الحاصل اس نے اسی وقت اپنے بڑے آفس میں جاکر گفت وشنید کرکے سیدی بشر میں جو کہ مصر میں قرارگاہ اسراء تھا بھجوا دیا، ہمارا اسباب تو گاڑی پر بھجوایا مگر ہم کو پیدل بھیجا، جگہ نہایت دور تھی چلتے چلتے ہم نہایت پریشان ہو گئے چونکہ عرصۂ دراز سے قید میں تھے اس لیے چلنے کی عادت چھوٹ گئی تھی اور پھر مولانا کو بھی مشکل تھی، سپاہی بندوق لیے ہوئے ہمارے ساتھ تھے آخر کار ہم ۲۶ جمادی الثانی کو تقریباً ایک بجے وہاں پہنچے ہم کو اسی وقت قرارگاہ کے اس کمپ میں داخل کر دیا گیا جس میں قرنطینہ سے نئے اسیروں کا ہوا کرتا تھا اس میں تین خیمے نصب کر دیے گئے اور چارپائیاں گدے وغیرہ جملہ ضروریات مہیا کر دی گئیں۔ داخل ہوتے وقت سب کی تلاشی لی گئی مولوی عزیر گل صاحب غفلت کی حالت میں آئے تھے ان کے پاس ۲۷ پونڈ تھے ان کو لے لیا گیا اور رسید دے دی گئی۔

سیدی بشر میں اس وقت ترکی اسراء کی بہت بڑی مقدار موجود تھی غالباً آٹھ نو کمپ میں اسراء وہاں موجود تھے یہ سب کمپ افیسروں کے لیے تھے اور ہر کمپ میں خدمت کے لیے ترکی سپاہی تھے۔ ہمارے کھانے کا انتظام باہر سپاہیوں کے متعلق کیا گیا جو کہ ہندوستانی یا ولایتی تھے کیونکہ وہاں پر پہرہ وغیرہ ہندوستانیوں کے ذمہ تھا وہ لوگ جیسا کہ خود کھاتے تھے دال روٹی لاتے تھے گوشت بہت کم ہوتا تھا جو ترکی افیسر اردگرد کے کمپوں میں موجود تھے وہ ہم پر نہایت شفقت کرتے تھے اور بہت زیادہ محبت اور لطف سے پیش آتے تھے ہم نے خیال

Marfat.com

کیا کہ گنتی کے بعد حسب عادت جیسے کہ دوسرے کمپ ہیں اور لوگ آپس میں ملتے ہیں ہمارے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا مگر ہمارے لیے بالکل اجازت کسی سے ملنے اور آنے جانے کی نہ تھی بلکہ دوسرے اسراء سے دور سے باتوں کی بھی اجازت نہ تھی پھر یہ خیال کیا کہ شاید دو تین دن کے بعد جبکہ ایام قرنطینہ ختم ہو جائیں اجازت ہو مگر جب بھی نہ ہوئی جو انگریز افسر اور کمانڈار تھا اس سے کہا گیا بلکہ ترکی افسروں نے خود درخواست کی تو اس نے کہا کہ یہ لوگ سیاسی ہیں اور تم جنگی ہو تمہارا آپس میں اجتماع خلاف قانون ہے۔ اخیر تک ہم آپس میں نہ مل سکے مگر چونکہ راستہ بعض بعض کمپوں میں سے تھا اس لیے چلتے چلتے بعض اشخاص سے مصافحہ وغیرہ ہو جاتا تھا وہ لوگ ہمارے پاس اکثر ہدایا وغیرہ بھیجتے تھے ہم اصرار بھی کرتے تھے مگر وہ نہ مانتے تھے۔ کھانے کی حالت پر انھوں نے کہا کہ تم کمانڈار سے کہہ دو کہ خشک رسد ہمارے باورچی خانہ میں دے دیا کرے ہمارے یہاں سے کھانا پکا ہوا تمہارے واسطے آیا کرے گا، چنانچہ یہی انتظام کیا گیا۔

سیدی بشر سے سوئز کو روانگی

تقریباً اٹھارہ روز وہاں اسی طرح قیام ہوا۔ ۱۳ ر رجب ۱۳۳۸ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۲۰ء کو وہاں سے روانگی ہوئی اور اسی طرح سنگینوں کے بیچ میں ہم اسٹیشن پر پہنچا دیئے گئے۔ فرسٹ کلاس میں سفر کر کے شام کے قریب سویس پہنچے ہم کو خیال تھا کہ آگبوٹ وہاں تیار ملے گا مگر بدقسمتی سے پھر کمپ اسراء میں قید کیے گئے وہاں پر آبادی سے دور اسارت گاہ تھی جس میں بہت سے ترکی افیسر اور سپاہی تھے۔ پہرہ ہندوستانی سپاہیوں کا تھا۔ ہم کو مغرب کے بعد وہاں داخل کر دیا گیا اور دو خیمے دیے گئے جن میں رہنا شروع کیا یہاں پہ ہم کو سبھوں کے ساتھ رکھا گیا وہ بیچارے عراق سے

Marfat.com

پکڑے گئے تھے اور استنبول بھیجنے کے وعدہ پر سوئز لائے گئے تھے جو کہ دو دو تین تین ماہ سے وہاں پڑے ہوئے تھے ان لوگوں سے مل کر نہایت دلچسپی ہوتی تھی نہایت توجہ اور کرم سے پیش آتے تھے مگر عموماً افسر نہایت تنگدستی کی حالت میں تھے کیونکہ ان کی نہ تو تنخواہیں ملتی تھیں نہ ان کو آگے روانہ کیا جاتا تھا فقط کھانے کا انتظام تھا ہم کو بھی یہی دقت پیش آئی چونکہ وہاں بھی چیزیں نہایت گراں آتی تھیں، ادھر ہم سے جو پونڈ اسکندریہ میں لے لیے گئے تھے ان کے بدلے ہم کو نوٹ دیے گئے سا ورن نہیں دی ہم نے اصرار بھی کیا مگر ایک نہ سنی گئی۔ ساورن وہاں پندرہ روپے سے زائد کو تھی مگر نوٹ ایک ساورن کا ۱۰ کو چلتا تھا۔ سیدی بشر میں اور یہاں سویس میں یہی مقدار کام آئی۔ یہاں آگبوٹ کے انتظار میں ہم کو بہت زمانہ گزارنا پڑا۔ تقریباً پونے دو مہینے گزر جانے کے بعد آگبوٹ کی آمد ہوئی۔

سویس سے روانگی

پانچویں رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۲۰ء اتوار کے دن دس بجے صبح کو کیمپ سے روانہ ہو کر آگبوٹ پر پہنچے فرسٹ کلاس کمرہ ہم کو دیا گیا اور کمروں میں اسباب وغیرہ جما دیا گیا اسی روز شام کو آگبوٹ روانہ ہو گیا ۱۲ رمضان المبارک کو اتوار ہی کے دن آگبوٹ عدن پہنچا اور پھر ۲۰ رمضان المبارک کو پیر کے دن بمبئی پہنچنا ہوا۔ میں (کاتب الحروف) اور مولوی عزیز گل صاحب اکثر اسباب لے کر کنارے پہنچے اور بوڑھی کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور وحید کے لینے کے لیے روانہ کیا اتنی ہی دیر میں بارش ہو گئی دریا میں طوفان آ گیا جس کی وجہ سے اس روز حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور وحید نہ آ سکے۔ اگلے دن بمشکل تمام مولانا کو اتارا گیا بمبئی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہم بالکل آزاد ہیں کسی قسم کی روک ٹوک ہم کو نہیں۔ بمبئی آگبوٹ پہنچنے پر سب سے اول سی آئی ڈی

Marfat.com

کا افسر انگریز مع دو تین ہندوستانی افسروں کے جن میں بہاؤالدین صاحب بھی تھے آئے۔ اس انگریز نے مولانا سے کہا کہ میں کچھ آپ سے علیحدہ باتیں کرنا چاہتا ہوں مولانا کمرہ میں چلے گئے اس نے کہا کہ مولوی رحیم بخش صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں آپ بغیر ان سے ملے ہوئے ہرگز جہاز سے نہ اتریں یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ ہم نے عرصہ تک انتظار کیا آخر کار ہم اسباب لے کر اتر آئے اس کے بعد مولوی رحیم بخش صاحب وہاں پہنچے مولانا سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ موصوف گورنمنٹ کی طرف سے مولانا پر اثر ڈالنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے جس سے مقصد یہ تھا کہ مولانا یہاں پہنچنے کے بعد سیاسات میں دلچسپی نہ لیں مگر ایک تو مولانا کچھ اپنے ارادوں میں کمزور نہ تھے ان کی پختگی گورنمنٹ اور خلقت پر ظاہر ہو چکی تھی ادھر مولوی صاحب موصوف مہذب تعلیم یافتہ بزرگوں کے دیکھنے والے۔ مولانا کی شدت عزم و استقلال سے واقف تھے۔ اس لیے وہ کوئی قوی اثر نہ ڈال سکے انھوں نے دھیمے الفاظ استعمال کیے اور جلسوں کی شرکت وغیرہ سے نفرت ضرور دلائی، جلسوں میں جو بے عنوانیاں ہوتی تھیں ان کا بھی تذکرہ فرمایا اور اس پر زور دیا کہ مولانا اترنے کے ساتھ ہی ریل پر سوار ہو کر دیوبند کو روانہ ہو جاویں، بمبئی میں خلافت والوں کے ہاتھ میں نہ پڑیں انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں آپ کے قلبی ارادوں اور مذہبی عزائم سے روکنا نہیں چاہتا مگر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ مبادا آپ پر اس ضعیف العمری میں کوئی اور بدظنی گورنمنٹ کو پیدا نہ ہو جائے، مگر وہاں بقول شخصے ع

یہ وہ نشہ نہیں جنھیں ترشی اتار دے

ان کا قلبی مذاق یہی تھا (مرض وفات کے زمانہ میں کئی مرتبہ فرمایا کہ میں اس مرض سے اچھا ہو کر قصد کرتا ہوں کہ تمام ہندوستان میں اسی تحریک و اشاعت کے لیے

دورہ کروں گا آخر کار ایک بھی نہ سنی خلافت کمیٹی نے استقبال کیا انھی کے مکان میں قیام فرمایا انھی کے یہاں دعوتیں ہوئیں ایڈریس پیش کیا گیا ۲۲ر اور ۲۳ر رمضان کو قیام فرما کر جمعرات کی شام کو ۲۴ر رمضان کی شب میں اکسپریس پر روانہ ہو کر ۲۵ر رمضان کی صبح کو ہفتہ کے دن دہلی پہنچے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی پر قیام فرمایا اور اتوار کی شب کو وہاں سے روانہ ہوکر ۲۶ر رمضان المبارک کو تقریباً ۹ بجے صبح کو دیوبند پہنچے راستہ میں اہل میرٹھ نے ایڈریس پیش کیا، میرٹھ شہر، میرٹھ چھاؤنی مظفر نگر وغیرہ پر بہت ہی زیادہ مجمع تھا اور دیوبند میں بھی استقبال کرنے والوں کا جم غفیر تھا۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وامدنا بامدادہ ولایحرمنا من برکاتہ فی الدنیا والآخرۃ۔ آمین یارب العلمین۔

عرض حال

چونکہ میں اس وقت تک جیل کراچی میں حوالات میں تھا اور غالباً کل کو یعنی غرہ ربیع الاول کو مقدمہ سیشن سے فیصل ہو جائے گا اور ہم کو سزاء قید کا حکم قلم دوات کاغذ وغیرہ سے محروم کر دے گا اس لیے آخری واقعات میں میں نے تفصیل سے کام نہیں لیا بعض بعض باتیں چھوڑ دیں میں ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں اور امیدوار ہوں کہ جو کچھ مجھ سے غلطیاں واقع ہوئی ہوں ان سے چشم پوشی فرماتے ہوئے میری مغفرت اور حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف الخلق سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

العبد العاجز العاصی حسین احمد غفرلہ الفیض آبادی ثم المدنی

فی لیلۃ الجمعۃ اول ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

Marfat.com

تتمہ

کرنیل اشرف بیگ کے مفصل حالات

کرنیل اشرف بیگ

کرنیل اشرف بیگ ترکی حکومت کے نہایت سربرآوردہ لوگوں میں سے اور سمجھدار صاحب مروّت وانسانیت شخص تھا۔ ہمارے مالٹا میں پہنچنے کے تقریباً دو ماہ بعد وہ مالٹا پہنچا اور اتفاق سے جس کمرہ میں (بیگ باشی) میجر حسن عزت بیگ رہتا تھا اسی میں قیام پذیر ہوا ہماری اور موصوف کی ملاقات پہلے پہل کپتان (یوزباشی) علی بیگ مرحوم سے ملنے کے لیے جاتے وقت ہوئی تھی، کیونکہ ایک ہی موٹر میں جانا ہوا تھا، اس میں وہ اور ایک اس کا رفیق نوری آفندی مصری اور حضرت مولانا مرحوم اور کاتب الحروف گئے تھے جس وقت روانگی کے وقت آفس میں مجتمع ہوئے اس وقت نوری آفندی نے جو کہ پہلے سے ہم سے واقفیت رکھتا تھا اور اشرف بیگ موصوف سے بھی واقف تھا تعارف کرایا تھا پھر علی بیگ مرحوم کے پاس قیدخانہ میں پہنچ کر اور بھی زیادہ تعارف ہوا۔ اس روز سے مولانا مرحوم کو اس سے اور اس

کو مولانا مرحوم سے بہت زیادہ تعلق ہوگیا اور اخیر تک نہایت گہرا تعلق رہا۔ کرنیل موصوف کے والد ماجد سرکیشیہ کے رہنے والے ایک بڑے قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے نہایت دیندار شخص تھے اس کے اس ملک پر تسلط کر لینے کے بعد بہت سے خاندانوں نے وہاں سے ہجرت کر کے مختلف ترکی ممالک میں سکونت اختیار کر لی تھی ان کے والد ماجد وہاں سے آئے اور استنبول میں پہنچے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم نے ان کے حال پر نظر عنایت کی اور خاص توجہ سے ان کو اور ان کے جملہ متعلقین کو بار یاب کیا اور اپنے خاص عجائب خانہ پرند کا ان کو داروغہ بنا دیا جس کو ترکی میں قوش باشی اور عربی میں باشیۃ الطیور کے لفظ سے اس زمانہ میں یاد کیا جاتا تھا۔ اشرف بیگ موصوف پر لڑکپن ہی کے زمانہ سے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی نظر عنایت بہت زیادہ تھی اپنے بچوں کے ساتھ محل سرا میں ان کی تربیت فرماتی۔ قرآن شریف حفظ کرایا اور جب قرآن شریف تمام ہوا تو اس روز خاص جشن کیا عمائد اور اکابر وغیرہ کی دعوت کی اور استاد کو خلعتیں دیں لکھنا پڑھنا سکھلایا اور بڑے ہونے کے بعد مکاتب حربیہ وغیرہ میں داخل کیا۔

اشرف بیگ کی اخلاقی حالت

چونکہ سرکش لوگ نہایت تندرست، قوی، جنگجو، بہادر عموماً ہوتے ہیں اور ان میں سے یہ خاندان نہایت سربرآوردہ تھا اس لیے فطرتی طور پر اشرف بیگ نہایت مستقل مزاج، نہایت صابر، جفاکش ابتداء عمر سے واقع ہوا تھا اس کی ابتدائی عمر کی جفاکشی اور مستقل مزاجی کے نہایت دلچسپ واقعات ہیں جن کو اس نے خود اپنی سوانح عمری میں دکھلایا ہے ہم ان کی طرف ناظرین کو طول کی وجہ سے

Marfat.com

توجہ دلانا نہیں چاہتے وہ اگرچہ سلطان عبدالحمید مرحوم کا پروردہ تھا مگر وہ اپنے سینہ میں دردو والا دل رکھتا تھا، اپنے سر میں حقیقت شناس دماغ رکھتا تھا اس کی نظر قومی مفاد اور اسلامی قوت پر زیادہ رہتی تھی اس نے لڑکپن کے زمانہ سے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کے اندرونی اور بیرونی احوال پر بخوبی اطلاع حاصل کر لی تھی وہ خود بارہا مجالس میں اقرار کرتا تھا کہ لوگ سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی دیانت اور تقویٰ میں گفتگو کرتے ہیں مجھ سے زیادہ کوئی اس کے احوال سے واقف نہیں میری طبعی شرارت کی وجہ سے بارہا مجھ کو سلطان مرحوم نے محل سرائے میں اپنے ہاتھ سے مارا بھی ہے۔ سلطان مرحوم اعلیٰ درجہ کا متدین عابد ۔ زاہد تھا، عبادات اور شرعی منہیات کی رعایت میں نہایت اعلیٰ پیمانہ رکھتا تھا فقط اس کے اردگرد ایسے خودغرض لوگ جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اس کو عام قوم کی طرف سے بدظن کر دیا تھا اس کے دل میں اپنی جان کا خوف بٹھا دیا تھا وہ لوگ اپنے شخصی منافع پر قوم کو اور قومی اسلامی مفاد کو قربان کر رہتے تھے۔ مدت تک ہم نے اصلاح کی ہر قسم کی کوششیں کیں مگر کامیاب نہ ہو سکے وہ نہایت زیرک اور عقلمند تھا اس کو تجربے بھی حکومت کرتے کرتے بہت حاصل ہو گئے تھے، خود اشرف بیگ کو جلاوطن کر کے اڈریانوپل میں تقریباً دو برس رکھا اس کے بعد معافی ہوئی پھر حجاز میں مدینہ منورہ میں نظربند کیا۔

اشرف بیگ نے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے حربی کالج میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ مدینہ منورہ کی نظربندی کے زمانہ میں معافی ایک مرتبہ ہو جانے کے بعد جب پھر عثمان پاشا والی مدینہ منورہ نے اس کو پکڑنا چاہا تو وہ بھاگ گیا اور بدوؤں سے مل کر انہی میں بود و باش اختیار کر لی چونکہ فنونِ جنگ سے پورا واقف تھا طبیعت

نہایت جری واقع ہوئی تھی اس لیے اس نے ان کے ساتھ مل کر لوٹ مار شروع کردی خصوصاً جب کوئی قافلہ گورنمنٹ کے مال واسباب کا سن لیتا تھا اس کو ضرور لوٹتا تھا اور جو کچھ لوٹ مار میں حاصل کرتا تھا وہ سب بدوؤں کو کھلا دیتا اس لیے اس نے اپنی حسن تدبیر اور واقفیت سے تھوڑی سی مدت میں حجاز، یمن، تہامہ، نجد، عراق، عیر وغیرہ کے قبائل اور مشائخ سے واقفیت پیدا کرلی اور ان کو اپنا حلیف بنالیا جو لوگ مخالفت کرتے ان پر غارت ڈالتا اور فنونِ حرب اور جنگی حسن تدبیر کی بنا پر سب پر غالب آتا اس لیے بہت جلد اس کا سکہ تمام سرزمینِ عرب پر جم گیا۔ عثمان پاشا وغیرہ نے بہت کوششیں کیں شرفاء اور مشائخ قبائل کے واسطہ سے پکڑنا چاہا مگر ممکن نہ ہوا۔ کچھ عرصہ جس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ دو برس ہوتی ہے حجاز میں قبائل عربان میں مقیم رہا۔ نجد میں ابن رشید کے یہاں بھی اس کا پورا رسوخ ہوا۔ فنونِ سپہ گری، قوت جسمی، قلبی بہادری کی بنا پر امیر نے اس کی بہت زیادہ خاطرداری کی اور شادی کرنے کی خواہش کی، مگر یہ راضی نہ ہوا۔ امیر سے اس کے وکلاء کے نام پروانہ راہ داری لے کر بصورت تاجر نجدی ہندوستان آیا اس وقت اس کی صورت وشکل بالکل نجدی عربوں کی تھی ہندوستان میں عرصہ تک پھرتا رہا، چنانچہ بنارس وغیرہ میں اپنے وقائع کو اس نے اب تک محفوظ کر رکھا ہے اس کے بعد یہاں سے چین گیا اور چین سے بخارا، روس وغیرہ ہوتا ہوا ٹرکی ممالک میں پہنچا۔ اسی طرح ایک مرتبہ اس کو افریقہ کے ملکوں میں چکر کھانا پڑا اور اپنے ملکوں یعنی البانیہ، مقدونیہ، تراکیہ (تھریس)، بلغاریہ، سردیہ، اناطولیہ، سمرنا، سوریہ، مصر، وغیرہ میں تو بارہا پیدل پہاڑوں، جنگلوں میں عمر گزارنی پڑی ہے جس میں وہ اکثر روپوش رہ کر پھرتا تھا اس کو عربی ترکی، فرانسیسی زبانیں

اچھی آتی ہیں، زمانہ انقلاب ٹرکی میں انور پاشا اور اس کی جماعت البانیہ اور مقدونیہ میں زور شور کیے ہوئے تھی اور اناطولیہ کی سرزمین میں زور شور کرنے والی جماعت اشرف بیگ کی تھی۔ یہ کئی مرتبہ قید بھی ہوا ہے، مگر اپنے عزم پر نہایت قائم اور استوار رہنے والا شخص ہے۔ انور پاشا کا واقع میں نہایت قوی بازو ہے، عموماً مخفی حرکات فوجی اس کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھیں اس نے زمانۂ انقلاب میں اور اس کے بعد جنگ طرابلس، جنگ بلقان، جنگ عمومی میں نہایت بڑے اور پرزور کارنامے کیے ہیں جس جگہ سرفروشی کا موقع پیش آتا تھا پہنچ جاتا تھا انقلاب ہونے کے بعد ہی اس نے فوجی نوکری چھوڑ دی اور قصبہ صالحلی ضلع ازمیر (سمرنا) میں ایک قطعہ زمین خرید کر کے زراعت میں مشغول ہو گیا مگر باطنی تعلقات رؤسا جمعیت اتحاد و ترقی سے رہا اس نے بارہا کہا کہ میں پارٹی بندی کو ہرگز دوست نہیں رکھتا ہوں اور نہ میں کسی خاص حزب اور جماعت سے ہونا چاہتا ہوں میں نے جماعت ائتلاف والحریۃ اور جماعت اتحاد والترقی دونوں میں شامل ہو کر تحقیقات کی اور ہر فریق کے اعتراضات اور خیالات کا اندازہ کیا مجھ کو تحقیق ہو گیا کہ جماعت ائتلافیہ کے مقاصد محض شخصی منافع اور حسد پر مبنی ہیں

ان دونوں پارٹیوں کی مختصر کیفیت

جب تک ٹرکی ممالک میں شخصی حکومت سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی تھی، اس وقت تک جمہوریت کے چاہنے والے دستوری قوانین کی پیروی کرنے والے سب ایک ہی پروگرام پر حرکت کر رہے تھے آپس میں اتفاق تھا اور ایک دوسرے پر جان نثاری کرتا ہوا نیم جمہوریت کا خواہش مند تھا نیم جمہوریت سے مراد یہ ہے کہ خاندان شاہی کو بالکل لغو نہ کیا جائے بلکہ اس کو برسرِ اقتدار

قائم رکھا جائے، مگر استقلال محض اور اس کی شخصیت مطلقہ سلب کر لی جائے، اس کے احکام بمشورہ جماعت خاصہ جس کو ٹرکی میں مجلس اعیان کہتے ہیں جاری ہوں۔ یہ مجلس اعیان بمنزلہ دارالخواص (لارڈ کا منشن انگلستان) کے ہے۔ جمہوریت قائم ہونے کے بعد ان لوگوں میں آپس میں تفرقہ پڑ گیا اور دو جماعتیں قائم ہو گئیں ایک جماعت ائتلاف والحریۃ اور دوسری جماعت اتحاد والترقی۔ دونوں نے اپنی تحریکات کے پروگرام علیحدہ علیحدہ بنائے۔ جماعت اتحاد و الترقی کا مقصد اعلیٰ تمام مسلمانان عالم میں اتحاد قائم کر کے ترقی کرنا اور مغربی غیر مسلم قوموں کا مقابلہ کرتے ہوئے ان کو شکست دینا مشرق کو ان کے پنجہ ہائے ستم سے بچانا ہے وہ عدالت کو قائم کرنا چاہتے ہیں مگر حسب حیثیت وہ حریت کی کوشش کرتے ہیں مگر حسب نظام وہ مساوات کے خواستگار ہیں مگر حکومت کو اسلامی مانتے ہوئے اس میں شک نہیں کہ دونوں جماعتوں کے سربرآوردہ اکثر ممبر یورپ کی نہرپلی بد دینی کی روشنی سے پورے متاثر ہیں اپنے آپ کو متنور کہتے ہیں مگر حقیقت میں وہ مظلوم ہو گئے ہیں، یورپ نے اپنی سالہا سال کی کوششوں سے ان کے عقائد کی زندگی، عملی لائف پر نہایت بدنما تاریک تر اثر ڈالا ہے تاہم جمعیۃ اتحاد و ترقی میں مذہب کے پابند اور اس کا خیال رکھنے والے لوگ بہت ہیں اور مع اس کے ان کا اولین پروگرام مسلمانان عالم کو متحیر کر لینا اور پھر مشرقی اقوام کو ایک رشتہ میں جوڑ لینا ہے بخلاف جمعیۃ ائتلاف والحریۃ کے۔ ان لوگوں میں دیانت کا شائبہ تو کم ہے ہی مگر اسلامی درد بھی نہیں ان کا پروگرام یہ ہے کہ یہ بادشاہت خالص اسلامی نہیں بلکہ عیسائی، یہودی مسلم ارمنی وغیرہ وغیرہ سے مرکب ایک حکومت ہے اس میں عیسائی اور ارمنی کے وہی حقوق ہیں جو کہ ایک مسلمان کے ہیں۔ بڑے سے چھوٹے عہدوں تک بلا تمیز

Marfat.com

ہر شخص اور ہر ملّت کو ملنے چاہئیں ان کو بیرون احاطہ ممالک عثمانیہ سے کوئی علاقہ نہیں ان کو یورپ سے بہت زیادہ تعلق ہے ان کی پالیسی فرانس اور انگلستان کی سیاست سے بہت زیادہ وابستہ ہے ان میں ویسی جرأت اور بہادری بھی نہیں۔ راحت طلبی شخصی وجاہت اور منافع کے بہت زیادہ گرویدہ ہیں ابتدائی جنگ طرابلس و بلقان میں کامل پاشا اور اس کا تمام کابینہ جمعیت ائتلاف والحریۃ کا تھا۔ دوسری جمعیت والے گرے ہوئے تھے ائتلافی جماعت کی سوء انتظامی سے طرابلس میں جنگ ہوئی اور اٹلی نے قزاقانہ حملہ کر کے اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا جب ائتلافیوں کے بنائے کچھ نہ ہو سکا تو اتحادی جماعت کے سربرآوردہ لوگ شہید نیازی بیگ مرحوم، انور بیگ اور دیگر بڑے بڑے سردار چھپ چھپ کر کوئی خشکی سے اور کوئی آگبوٹوں میں خلاصی بن کر کوئی بادبانی کشتیوں وغیرہ میں میدان میں پہنچا اور عربوں کو جمع اور شیخ سنوسی سے اتحاد کر کے وہ سخت جنگ کی کہ اٹالیہ کے چھکے چھوٹ گئے طویل زمانہ تک کوشش کرنے پر بھی سوائے ان مقامات کے جن کی حفاظت بحری ڈریڈ ناٹ کرتے تھے دوسرے دور کے مقامات پر قبضہ کرنے کی طاقت نہ ہو سکی نہایت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور مقصد اصلی حاصل نہ ہوا۔ اس مدت میں اس تمام سرزمین کے عرب قواعد جنگ سے بخوبی واقف ہو گئے۔ انور پاشا نے ان میں مدارس اور زراعت وغیرہ کی مختلف تعلیم گاہیں قائم کر دیں جن کی بنا پر ان میں اچھے اور مستعد لوگ ایسے پیدا ہو گئے جن کو اپنے جنگی اور ملکی کاروبار میں بہت زیادہ ضرورت دوسرے کمانداروں کی نہیں رہ گئی مگر بدقسمتی سے اسی زمانہ میں جنگ بلقان چھڑ گئی اور اس میں بجائے فتح یابی کے کامل پاشا اور اس کی کابینہ کی سوء انتظامی نے مغلوبیت نمودار کی جس کی وجہ سے خود دار الخلافت زد میں آ گئی اور بہت زیادہ نقصان نمودار ہوا ان اتحادی سرفروشوں کو خیال تھا کہ ترکی فوجیں اور سامان کافی موجود ہے۔ اس لیے یہ چھوٹی حکومتیں

یونان، سرویہ، بلغاریہ، مانٹی نگرو پسپا ہوں گی کچھ فکر کی بات نہیں مگر بات الٹی ہوئی، ناظم پاشا کمانڈار جنگ کی آرام طلبی اور فوجوں کی بدنظمی نے وہ دن دکھایا جو ترکی کو تمام ایام حکومت میں نہ دیکھنا پڑا تھا۔ آخر کار یہ سب سربرآوردہ افسر وہاں سے کچھ کچا پکا انتظام کر کے بھاگ گئے مگر ادھر مصر میں ان پر پوری نگرانی تھی آخر کار انور پاشا جرمنی لباس میں جرمنی بولتا ہوا آگبوٹ میں اسکندریہ سے سوار ہو کر قسطنطنیہ پہنچا، برٹش کو اس کی خبر وہاں اترنے کے بعد ہوئی۔ اشرف بیگ خشکی کے راستہ سے صحرا تیہ قطع کر کے وہاں پہنچا غرضکہ اسی طرح سب آہستہ آہستہ پہنچ گئے۔

اشرف بیگ کی فوج اور اڈریانوپل

اشرف بیگ نے چونکہ استعداد اور شخصیت کے زمانہ میں عرصہ تک کام کیا تھا اس لیے اس نے ہر شہر میں اپنی ایک خفیہ پارٹی قائم کر لی تھی اس کی بہادری اور انسانیت مروت، دریا دلی نے ہر جگہ تسخیر کا کام کر رکھا تھا اس نے اپنی پارٹی میں ایسے ہی لوگوں کو ہمیشہ رکھا جو کہ پورے جان نثار اور جفاکش ہوں۔ علاوہ اس کے جو مہاجرین سرکش ممالکِ عثمانیہ میں موجود تھے ان کا بہت بڑا حصہ اس سے تعلق رکھتا تھا اس نے اپنے ایسے لوگوں کو بہت جلد جمع کیا اور نہایت سرعت کے ساتھ استنبول پہنچا۔ ادھر انور پاشا نے ائتلافیوں کی وزارت ساقط کر کے اتحادی وزارت قائم کر دی تھی اور صلح کے کاغذات کو دستخط ہونے سے روک دیا تھا اس نے اشرف بیگ اور دوسرے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ نہایت زور شور سے حملے کریں، بلغاری جو کہ چتالجہ پر پہنچ چکے تھے ان سرفروشوں نے ان پر ایسی زور شور کی مار دی کہ ان کو پسپا ہونا پڑا اور نہایت سرعت کے ساتھ ان کا تعاقب شروع ہوا خود اشرف بیگ اگلی فوجوں کا کمانڈار تھا۔ انور پاشا جملہ فوجوں کی خبر گیری کر رہا تھا۔ اشرف بیگ نے کئی دن

Marfat.com

کی لڑائی کی وجہ سے درمیان میں راحت لینا چاہا مگر انور پاشا نے راحت نہ لینے دی۔ انور پاشا بخار کی حالت میں تھا مگر اسی حالت میں گھوڑے پر سوار برابر چلتا رہا خلاصہ یہ کہ اشرف بیگ مع اپنی فوجوں کے آگے بڑھتا رہا جس زمانہ میں اشرف بیگ اڈریانوپل میں نظر بند تھا اس زمانہ میں اس کو وہاں کے اطراف و جوانب میں پھرنے کا اتفاق ہوا تھا وہ وہاں کے خفیہ اور ظاہر راستوں اور گھاٹیوں سے پوری طرح واقف ہو گیا تھا اور چونکہ فوجی آدمی تھا ادھر اس کو ہمیشہ خفیہ حرکات کا سامنا رہتا تھا اس لیے وہ جہاں جاتا تھا اپنے مرض کی دوا کی فکر کرتا تھا ہر مقام کو فوجی نقطۂ نظر سے دیکھا کرتا تھا اوڈریانوپل میں بلغاری قوت موجود تھی اور اگر کچھ دیر وہاں پہنچنے میں ہو جاتی تو اور بھی قوت بڑھ جاتی اور وہ شہر کی حفاظت کا پورا اور کامل انتظام کر لیتے مگر چونکہ برابر تعاقب ہو رہا تھا اس لیے پورا اجتماع نہ ہو سکا اور معمولی استحکام سے زیادہ وہاں مورچہ بندی بھی نہ ہو سکی فقط ان راستوں پر جو کہ عام تھے انھوں نے انتظام کیا تھا اشرف بیگ نہایت سرعت سے مخفی اور غیر مشہور گھاٹیوں سے داخل ہو گیا جس کی وجہ سے بہت جلد شہر پر قبضہ ہو گیا اور زیادہ تلفیات کی بھی نوبت نہ آئی۔

اشرف بیگ اور اس کے بھائی سامی بیگ اور دیگر کمانداروں نے اپنی اپنی فوجیں بلغاریہ وغیرہ پر چڑھائیں اور پے در پے شکستیں دیں مگر زار روس، فرانس برٹش ملکہ ٹرکی کے سامنے آگئیں۔ زار نے صاف طور سے کہہ دیا کہ اگر حدود اوڈریانوپل سے تم آگے بڑھے تو میں اعلان جنگ دے دوں گا۔ ٹرکی کی حکومت کو اس وقت اتنی طاقت نہ تھی کہ روس سے لڑنے پر تیار ہو جاتا لاچار ہو کر اس کو رکنا پڑا مگر اشرف بیگ نے اعلان نافرمانی کر دیا وہ اور اس کے بھائی وغیرہ تے ریاستہائے متحدہ بلقان سے برابر جنگ جاری رکھی اور فتح یاب ہوتا رہا ٹرکی نے اپنی نظامی فوج ہٹالی۔ اشرف بیگ

نے اس مدت میں تقریباً چار ہزار گھرانوں کو جو کہ بلغاریوں کے مظالم اور شدائد کی وجہ سے مرتد بنا لیے گئے تھے پھر مسلمان کیا، مفتوحہ زمین میں امن قائم کیا سکہ اور ٹکٹ بھی اس کا علیحدہ جاری کیا اور تقریباً چھ مہینے یا اس سے کچھ زائد تک ایک علیحدہ ریاست وہاں جمی رہی اس کے پاس ہر طرف سے غیرت مند افسر اور سپاہی خفیہ طور پر پہنچتے رہے مگر پھر دول یورپ نے ٹرکی کو مجبور کیا کہ اشرف بیگ جس طرح ہو وہاں سے ہٹایا جاوے چنانچہ بہت زیادہ مجبور کرنے پر بعض بعض مفید اسلام شرائط بلغاریہ سے کر کے جملہ غنائم جو کہ بارہ ریلوے گاڑیوں میں آتے تھے جن کو بلغاریوں سے اس نے چھینا تھا اور نقود وغیرہ ساتھ لے کر واپس آگیا ان غنائم میں سے اکثر کو ان مہاجرین پر تقسیم کر دیا جو کہ بلقانی زمینوں سے ہجرت کر کے ٹرکی ممالک میں آگئے تھے۔

اشرف بیگ ٹرکی میں غیر منتظم فوج اور مجاہدین کا کمانڈر تھا اور جس جگہ حکومت کو ضرورت پڑتی تھی پہنچتا تھا اس کی خفیہ کام کرنے والی پارٹی ہر جگہ موجود رہتی تھی ضروری کاموں کو بطور رجال الغیب پورا کرتی رہتی تھی جس پر حکومت ٹرکی قانوناً کوئی مقدمہ نہیں چلا سکتی تھی قبل اعلان ٹرکی ابتدائی جنگ عمومی میں وہ اور اس کا بھائی سامی بیگ کاشغر کو ہندوستان کے راستہ سے بھیجے گئے تھے ان کے ساتھ اور بھی چند افسر تھے مگر جب جہاز بمبئی میں تاجرانہ طریق پر پہنچا تو انگریزوں نے آگبوٹ کو گرفتار کر لیا اشرف بیگ تخفیہ طور سے بھاگ کر مسقط اور وہاں سے جدہ وغیرہ پہنچا اس کا بھائی سامی بیگ گرفتار ہو گیا اور بمبئی سے کہیں دوسری جگہ ریل میں بھیجا گیا وہاں سے راستہ میں بھاگ گیا اور پھر بمبئی واپس آیا اور وہاں سے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے سے نقود ضروریہ حاصل کر کے پشاور اور وہاں سے کاشغر پہنچا بعض دوسرے افسر بھی روپوش ہو کر پھرتے پھرتے اس طرف پہنچ گئے۔ سامی بیگ نے کاشغر

میں حکومت چینی کا انقلاب کر دیا اور اسلامی حکومت وہاں قائم کرا دی۔ چنانچہ بالفعل وہاں اسلامی حکومت ہے سامی بیگ کی خبریں مالٹا میں آیا کرتی تھیں سامی بیگ اشرف بیگ سے چھوٹا ہے اس قدر توانا اور قوی نہیں مگر استقلال اور صبر و تحمل بے حد رکھتا ہے۔ غیرت اسلامی اور ہمدردی مذہب انسانیت مروت بے حد رکھتا ہے اشرف بیگ میں غصہ زیادہ ہے مگر وہ حلیم ہے جنگی جفاکشی میں اپنا آپ ہی نظیر ہے۔ ذہن نہایت تیز اور رائے بہت صائب رکھتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انور پاشا کی پارٹی میں بہت سے ایسے بلند ہمت جفاکش ہمدرد اسلام اشخاص تھے اور ہیں جن کی نظیر اس وقت دوسری قوموں میں موجود نہیں اگر جنگ بلقان کے بعد دس پندرہ برس بھی سلامتی اور امن کے ساتھ گزر جاتے تو یہ پارٹی جمعیت اتحاد و الترقی کی اس قدر قوت بہم پہنچا لیتی کہ بڑی سے بڑی قوت مغربی اس کا سامنا نہ کر سکتی تھی مگر بدقسمتی سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اس جنگ عمومی کا سامنا پڑ گیا پھر بھی وہ جفاکشیاں اور انتظامات کیے جن کی نظیریں گزشتہ ایام میں ٹرکی کے لیے نہیں پائی جاتیں۔ ابتداء جنگ میں اپنے حسن انتظام سے پندرہ لاکھ فوج میدان جنگ کے لیے زیر ہتھیار نکالی اس قدر فوج کبھی ٹرکی میدانِ جنگ میں نہیں لایا پھر ان کے لیے ہر میدان میں جملہ اقسام کی ضروریات کو مہیا کیا میں نے خود سپاہیوں اور افسروں سے سنا ہے کہ میدان جنگ میں سپاہیوں کے لیے علاوہ عمدہ خوراک کے سنگترے انگور سیب وغیرہ تازے میوے بکثرت پہنچائے جاتے تھے پھر فقط ایک دو میدان پر لڑائی نہ تھی تقریباً بارہ یا تیرہ میدان پر ترکی فوجیں برابر جنگ کرتی رہیں۔ میدانِ[۱] عراق۔ میدان[۲] عدن، میدان[۳] حجاز، میدان[۴] سویز، درہ[۵] دانیال، سالونیکا[۶] ارض

روم[7]، طرابزون[8]، گالیشیا[9] (ممالک اسٹریا میں) رومانیہ[10]، حدود اٹالیہ[11]، حدود روس[12] بجانب وارشور، حدود ایران[13] بجانب وان و کرکوک، ان سب میدانوں میں بڑے طویل عریض خط میں جنگ قائم رہی حالانکہ آلات رسد رسانی کی نہایت دقت تھی ریلوے لائنیں تمام ملک میں زار روس اور دیگر یورپین قوموں کے تشددات اور مظالم کی بنا پر نہ بنا سکے تھے جب کبھی بنانے کا قصد کیا ان مہذب مردودوں نے سخت مخالفت کر کے جنگ کی دھمکی دی کسی ایک قوت سے مقابلہ نہ تھا بلکہ بہت سی قوتوں سے پیکار تھی پھر یہی نہیں کہ خارجی دشمنوں ہی سے مقابلہ ہوا اندرونی دشمن بھی کھڑے ہو کر سخت پریشانیوں میں ڈالتے رہے آرمینیوں نے جو نقصان ایام جنگ میں پہنچایا ہے اور جو جو مظالم انھوں نے کیے ہیں وہی فقط ایک بڑی سلطنت کے برباد کرنے کے لیے کافی تھے انھوں نے ہزاروں سپاہیوں اور باشندوں کو تہ تیغ کر دیا تھا، گھروں کو جلادیا، ہر قسم کے سامان جنگ ڈائنامنٹ کے گولے بندوقیں ہوائی تار وغیرہ وغیرہ سامان بہت بڑی مقدار میں روس فرانس امریکہ برٹش وغیرہ مختلف مقامات سے خفیہ خفیہ جمع کر کے بہم پہنچاتے چنانچہ تفتیش پر تہ خانے کے تہ خانے بھرے ہوئے ان چیزوں سے پائے گئے اور جن کا انھوں نے استعمال کر لیا تھا وہ علیحدہ رہے۔

انھوں نے روسی افواج کو حدود وان میں داخل کر ہی لیا تھا۔ دار روم کی طرف سے ان کو اعانت پہنچا ہی رہے تھے پھر اس پر بھی اگر ان کے ساتھ کوئی معاملہ ٹرکی نے کیا ہے تو تمام یورپ ٹرکی کو خطاوار اور سفاک ظالم ٹھیراتا ہے اگر ان کے مظالم کی میں تفصیل لکھوں بڑے دفتر کی ضرورت پڑے نہ میرے پاس اس کی کافی وسعت ہے اور نہ ہی میں اس کو بخوف ضبط کتاب، لکھ سکتا ہوں، مگر دو

ایک باتیں ضروری طور سے جس کو میں نے خود متعدد لوگوں سے سنا ہے عرض کرتا ہوں ابتداء اعلان جنگ میں جبکہ ترکی نے لشکر جمع کرنے شروع کیے تو جو لوگ لشکر میں بھرتی ہونے کی صلاحیت آرمینیوں میں سے رکھتے تھے یا تو پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے یا روس کے ممالک میں بھاگ گئے عورتیں بچے اور پینتالیس برس سے زائد عمر والے ظاہری طور پر باقی رہ گئے، مگر انھوں نے سردی اور برفباری کے زمانوں میں رستہ والے گاؤں وغیرہ میں مسلمان لشکریوں کو اپنے اپنے گھروں میں شب کو آرام کے واسطے دعوت دی۔ بیچارے عساکر یا پولیس کے جوان یا منتظمہ فوجی جماعت جو کہ رسد، لکڑی اور دیگر ضروریات کے واسطے گاؤں گاؤں جاتے تھے وہ جب مکان میں پہنچے اور سو گئے یا کم عدد پر ہوتے تو ان کو قتل کر ڈالا، کبھی مکان میں آگ لگا دی کبھی ڈائنامیٹ سے اڑا دیا۔ اسی طرح قبل از ظہور بغاوت ہزاروں آدمیوں کو انھوں نے قتل کر ڈالا جس کا پتہ کچھ عرصہ کے بعد پوری طرح سے چلا۔ ارمنی عیسائی مسلمانوں کو قتل کر کے تین تین چار چار سر جمع کرتا تھا اور اس کو پانی میں جوش دے کر اس پانی سے نہاتا تھا اور اس کو باعث نجات آخرت سمجھتا تھا۔ وان میں ارمنی لوگوں نے روسی فوجوں کو داخل کر کے سخت قتل عام مسلمانوں کا کیا ان کی عورتوں کی عصمت دری اور مال وغیرہ کی غارت گری نہایت بیدردی کے ساتھ کی کیونکہ وان کی حدود پر فوج نہ تھی اور نہ یہ محاذ جنگ اول سے تھا، ارمنوں نے راستہ بتا کر روسی فوجوں کو داخل کر دیا تھا۔ مفتی وان کی دوشیزہ لڑکی کو ساٹھ ستر ارمنی اٹھا کر پہاڑوں میں لے گئے اور اس کو زنا کرتے کرتے مار ڈالا اس قسم کی سیکڑوں بے حرمتیاں اور شدائد واقع ہوتی تھیں جن کی بنا پر ترکوں نے ان کی صفائی کی طرف توجہ کی جن باتوں کو دیکھ کر خود جرمنی افسروں اور غیر جانب دار اسپینی، سویڈی

Marfat.com

سفیروں وغیرہ نے حق ترکوں ہی کو دیا تھا اور ہر طرح ارمنوں کو ظالم قرار دیا تھا افسوس تو یہ ہے کہ ایام جنگ میں جبکہ ٹرکی حکومت بیرونی حکومت کے ساتھ مشغول تھی اس قدر مظالم کی ابتدا کرنے والی قوم باوجود ہتھیار وغیرہ پائے جانے کے اگر زیر قوانین مارشل لا لائی جاوے تو وہ ظلم ہو مگر اگر ہندوستان کے نہتے خیر ایام جنگ میں ستیہ گرہ اور اس کے جلسے کریں تو ان پر قوانین مارشل لا جاری کرنا اور ان کو مشین گنوں، رائفلوں سے برباد کرنا، جنرل ڈائر اور ڈوائر کا خالص عدل شمار کیا جاوے ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

ٹرکی کو ادھر تو ارمنیوں سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس سے کچھ فارغ ہی ہوا تھا کہ یورپ نے عربوں کو سامنے لا کھڑا کیا اور شریف حسین، اہل سوریہ، اہل عراق سے نہایت ناجائز اور شنیع افعال کرائے جن کی بنا پر نہایت بُرا اور زہریلا اثر ترکی قوت پر پڑا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر عربوں کی خیانت نہ ہوتی تو ٹرکی کسی طرح بھی میدان جنگ میں شکست نہیں کھا سکتی تھی مگر اس کا مزا آج عرب چاروں طرف چکھ رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اتحادیوں ہی کے حسن انتظام نے ٹرکی کو ایسی حالت میں چار برس برابر لڑائی پر قائم رکھا جس کی نسبت کسی کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ایام جنگ میں بعض مقامات میں ماتحت حکام سے بہت سی فروگذاشتیں اور بہت سی بے عنوانیاں بھی ہوئیں۔ بہت سے بدنیت اور اغراض نفسانی والے لوگوں نے ایسے تنگ اور خراب اوقات میں نقصان بھی پہنچایا مگر بڑوں کے اخلاص اور حسن انتظام میں شک بھی نہیں۔

اشرف بیگ کی گرفتاری: اشرف بیگ چونکہ حجاز، یمن، نجد وغیرہ کے قبائل

Marfat.com

اور تمام زمینوں گھاٹیوں سے واقف تھا عربی زبان بھی خوب سمجھتا تھا، فنون جنگ کا ماہر تھا اس لیے امام یحیٰی نے صنعاء یمن سے اپنا آدمی استنبول انور پاشا کے پاس بھیجا کہ تم اشرف بیگ کو میرے پاس بھیج دو تو میں اپنی اور موجودہ ترکی فوج کو لے کر شریف حسین پر چڑھائی کروں اور جو کچھ اس نے ایسے وقت میں اسلام کو ضرر پہنچا کر کافروں کی مدد کی ہے اس کا دفعیہ کر دوں۔ چنانچہ وہاں سے اشرف بیگ کو روانگی کا حکم ملا اور بیس ہزار پونڈ فوج کے مصاریف وغیرہ کے لیے اور کچھ ہدایا امام یحیٰی کے لیے اس کے ساتھ روانہ کیے گئے تقریباً پانچ ہزار پونڈ اس کے علاوہ خود اشرف بیگ کے تھے اور چالیس بہادر جانباز افسر بھی ساتھ کیے گئے اشرف بیگ اولاً مدینہ منورہ آیا وہاں پر سواری وغیرہ کا انتظام کیا اور اس لیے کہ کہیں شریف کے لوگوں پر جواسیس کے ذریعہ سے یمن کا جانا معلوم نہ ہو جائے سیدھا راستہ یمن کا مدینہ منورہ سے اختیار نہ کیا بلکہ مدینہ منورہ سے اولاً خیبر کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے قصد یمن کی روانگی کا کیا کل مجموعہ تقریباً ستر آدمیوں کا تھا چالیس آدمی جنگی تھے باقی خدمت گار یا شتربان وغیرہ تھے۔ خیبر کے قریب ان کو پانی کی غرض سے ایک کنوئیں پر اترنا پڑا، وہاں تھوڑی دیر گزری تھی کہ عبداللہ بیگ شریف کا منجھلا یا سنجھلا بیٹا جو کہ طائف کی مہم پر تھا طائف فتح ہونے کے بعد بارہ ہزار سپاہی لے کر مدینہ منورہ کی محاصرہ کی غرض سے شام اور مدینہ منورہ کی ریلوے لائن کاٹنے کو جاتا تھا اسی کنوئیں پر آیا نہ اس کو پہلے سے اشرف بیگ کی خبر تھی نہ اشرف کو اس کی جب اس کے آدمی پانی لینے کو کنوئیں پر پہنچے تو اشرف بیگ کے لوگوں سے مقابلہ ہوا اور آخر کار جنگ شروع ہو گئی اشرف بیگ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارا مقابل بارہ ہزار فوج رکھتا ہے اور ہم ہتھیار بند فوجی قوانین سے واقف فقط چالیس آدمی ہیں،

اس لیے حسب قوانین عسکریہ میں تم کو تکلیف مقابلہ کی نہیں دے سکتا تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ انہوں نے اس سے کہا کہ آپ کیا کریں گے اس نے جواب دیا کہ میں تو اسلام اور ملت پر قربان ہوں گا بھاگنا نہیں چاہتا انھوں نے بھی یہی جواب دیا اور آخر کار باقاعدہ نہایت جلد مورچہ بنا کر مقابلہ کیا، پانچ گھنٹے تک سخت مقابلہ ہوا اور عبداللہ بیگ کے لوگوں کو ہزیمت فاش ہوئی مگر اس کے بعد ایک جماعت بدوؤں کی پیچھے کی پہاڑی پر چڑھ گئی اور وہاں سے انھوں نے اوپر سے گولیاں برسا کر اکثر لوگوں کو شہید اور باقی ماندہ کو سخت زخمی کر دیا، اشرف بیگ کی ٹانگ میں بھی گولی لگی جس کی وجہ سے وہ نقل و حرکت سے بالکل معذور ہو گیا تمام آدمیوں میں شام تک فقط تین چار زندہ باقی رہ گئے اور سب کے سب شہید ہو گئے جب مغرب ہو گئی تو گولی برسانی انھوں نے چھوڑ دی رات بھر زخمی وہیں پڑے رہے، صبح کو آکر تمام اسباب وغیرہ لوٹا اور زخمیوں کو لے گئے اشرف بیگ اپنے آپ کو تسلیم نہیں کرتا تھا مگر اس کو قسمیں دلائیں اور اطمینان دلایا کہ تیرے ساتھ معاملہ انسانیت کا کیا جائے گا۔ آخر کار اس کو اٹھا کر شریف عبداللہ کے خیمے میں لائے اس نے نہایت انسانیت سے معاملہ کیا اسی وقت زخموں کو دھلوایا اور کمپوڈر وغیرہ کے ساتھ ینبع البحر بھجوایا وہاں سے جدہ بھیجا گیا اور پھر مکہ معظمہ بھیج دیا گیا۔

اشرف بیگ کے اسیر ہونے پر شریف حسین نے بہت خوشیاں منائیں پھر اس کو مصر بھیج دیا گیا۔ مصر میں زیر اسارت اس کا ڈاکٹری علاج کیا گیا مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا پھر بدوی جراح بلایا گیا اس کے علاج سے نفع ہوا اور چلنے پھرنے کی قوت آگئی اس کو مصر میں خلاف قاعدہ بہت تنگ کیا گیا اور پھر اس کو ترغیب دی گئی کہ وہ اپنی قوم کے خلاف فوج لے کر جس کو برٹش گورنمنٹ دینے کی اُمید

Marfat.com

کے میدان میں اترے اور وہاں جنگ کرے جس شخص کے ذریعہ سے یہ ترغیب دی گئی تھی اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو تمام صوبہ ازمیر (سمرنا) کا اس کو دے دیا جائے گا اور ایام جنگ میں ہر قسم کی مدد بھی اس کو دی جائے گی۔ اشرف بیگ نے اس کو مار اور بہت گالیاں دیں جب عرصہ تک آزمائش کر لی گئی نہ سختی نے اس کو ڈرایا نہ لالچ نے اس کو رجھایا نہ وحدت اور تنہائی نے اس کو گھبرایا تو اس سے مایوس ہو گئے مصر کی اسارت گاہوں میں جہاں پر اور اسراء تھے اس کو نہ بھیجا گیا بلکہ سیدھے مالٹا بھیجا گیا یہاں اس سے آدمیت کا برتاؤ کیا گیا۔

اشرف بیگ کا حسن انتظام

یہاں آکر اس نے اولاً تمام عثمانی اسراء کو بھاپا۔ لوگوں سے میل جول کیا ہر ایک کے احوال کی تحقیق کی بہت سے ایسے کمزور اور نادار آدمی پائے جن کی مالی حالت خراب اور اخلاقی کیفیت نہایت ضعیف تھی اس لیے اس نے اولاً افسروں کو چندہ ماہوار دینے پر آمادہ کیا اور ایک خاص انجمن عثمانی اسراء کی خبر گیری کے لیے بنائی ان کے لیے تعلیم کا انتظام قائم کیا تاکہ نو عمر قابل لوگ کچھ تعلیم حاصل کریں استنبول سے ان کے لیے کتابیں بذریعہ ہلال احمر منگائیں۔ نیز ہلال احمر سے ان نادار لوگوں کے لیے نقد منگایا جس کو وہ بذریعہ انجمن جس کے ہاتھ میں ہر شخص کے لیے تعین مقدار حسب مرتبہ تھی ایک نظام پر تقسیم ماہواری کرتا رہا۔ روگیٹ کمپ کے اسراء کے کھانے میں ایک بڑی مقدار خرچ کرتا رہا تاکہ عمدہ اور لذیذ کھانا ان کو ملا کرے اس نے مختلف قہوہ خانے کھولے اور اس میں مسلمانوں کو رکھا کہ وہ طریق تجارت سیکھیں ان سے کہا کہ کماؤ اور جو کچھ میں نے خرچ کیا ہے مجھ کو نفع میں سے ادا

Marfat.com

کر دو۔ چنانچہ منتظم لوگوں نے اس کے مصارف کو بھی ادا کر دیا اور خود بھی اچھی مقدار جمع کر لی اس کی فکر ہمیشہ مسلمانوں کی ترقی اور نفع کی تھی یہ ہمیشہ اتحاد اسلامی کا حامی رہتا تھا اس کو خصوصیت فرقہ یعنی ترکی اتحاد، عربی اتحاد، ایرانی اتحاد وغیرہ سے نفرت تھی وہ جملہ کلمہ گویوں کے اتحاد کا حامی تھا خواہ مشرقی ہو یا مغربی کالا ہو یا گورا۔ اس کی ہمت نہایت بلند تھی۔ اس کی جسمانی قوت بہت زیادہ تھی۔ مالٹا کے موجود لوگوں میں خواہ ترکی ہوں یا جرمنی آسٹرین کوئی اس سے زیادہ قوی نہ تھا اس کے جسم کی ہڈیاں نہایت موٹی اور بڑی تھیں اس کے اخلاق اور اعمال میں نہایت سادگی اور سپاہیانہ پن تھا ترک عموماً سادی وضع رکھتے ہیں۔ ہندوستانی امراء کی طرح تکلفات اور بناوٹ جملہ حرکات سکنات لباس وطعام وغیرہ میں نہیں رکھتے اگرچہ اختلاط یورپ کا بڑا اثر پڑ چکا ہے مگر اپنی جبلی عادت سادگی کی ابھی تک بہت باقی ہے اس کو ہندستان اور افغانستان سے بھی خاص ہمدردی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت اخلاص اور محبت سے ملتا تھا اور حضرت مولانا جس قدر اس سے دل کھول کر ملتے تھے کسی سے نہ ملتے تھے اس کی سادگی عادات و اطوار کو پسند کرتے تھے اور اس کو بھی ایک درجہ تک مولانا سے شغف تھا ہفتہ میں ایک دفعہ اس کے پاس ضرور جاتے تھے اور اس کو بھی جب کبھی اجازت ہوتی تو یہاں آتا تھا۔

ترکوں کا تدین

عام طور سے لوگوں کا خیال ترکوں کی طرف عدم تدین کا ہے مگر واقعیت اس کے خلاف ہے ترکوں کے تدین کو اگر ہندوستان یا دوسرے مقامات کے مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تو ان کو ہی فوقیت دینا پڑتا ہے۔ ترکوں کا عام اور متوسط طبقہ نہایت متدین ہے یعنی فیصدی شاید اسی اور نوے تک نمازی اور عقائد صحیحہ والے لوگ

ملیں گے اور مع اس کے جہاد کے شائق اسلام پر جان دینا ان کے نزدیک نہایت مبارک
فعل ہے۔ طبقہ علیا کے لوگ البتہ بددین ہیں ان میں اکثر جو لوگ یورپ میں رہ چکے ہیں وہ اکثر
اپنے عقائد اور اعمال میں خراب ہیں ان میں غالباً فیصدی بیس اچھے خیال اور اعمال کے
ہوں گے اور فیصدی اسی آزاد خیال آزاد افعال ہیں جو لوگ یورپ نہیں گئے ہیں وہ فیصدی
ساٹھ یا ستر متدین ہیں اور باقی ماندہ آزاد خیال ہیں غرض کہ عام ملت ترکیہ ایسے نہیں ہے
جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں عام طبقہ عموماً غیر متدین ہے
فیصدی بیس بھی اس فرقہ میں سے متدین نکالنا مشکل ہوگا بلکہ بعض ملکوں میں تو فیصدی
بیس یا پندرہ بھی نکالنا دشوار ہے۔ ترکوں کے عقائد عموماً بہت اچھے ہیں یورپ کے فرب
اور ان کے اختلاط نے بہت بڑا اثر ڈالا ہے جس سے عموماً متاثر ہونے والے بھی اوپر
اوپر کے لوگ ہیں یورپ نے قصداً ان کے تدین کے احساس کو مختلف طریقوں سے کم
ترکوں کے علماء نہایت ہی متدین ہیں اتباع سلف میں بہت زیادہ کوشاں اور حق گو
میں بے نظیر ہوتے ہیں۔

اشرف بیگ کے عقائد بہت اچھے تھے البتہ عملی حالت امور دینیہ میں کمی پر تھی
مگر منہیات سے سخت متنفر تھا جبکہ تمام ترکی لوگ مالٹہ سے چھوٹے تو اشرف بیگ کے
بھی چھوٹنے کا حکم آیا اس نے اول اول دوسروں کو تین چار دفعہ میں روانہ کیا اپنے
آپ سب سے اخیر میں روانہ ہوا اور پھر استنبول پہنچ کر اس نے پوری قومی ہمدردی
کی داد دی اور پھر جاکر مصطفےٰ کمال سے مل گیا جس پر مصطفےٰ کمال نے اخبار وں میں
مضمون دیا تھا اشرف بیگ کے آنے سے میری دونوں آنکھیں مجھ کو مل گئیں۔

علاوہ اشرف بیگ کے مولانا کا تعلق کپتان (یوزباشی) سید حسن آفندی بغدادی
جو کہ بحری فوج کا افسر تھا اور کپتان (یوزباشی) نیازی آفندی، میجر (بیگباشی) بہاء بیگ کے

Marfat.com

پورٹ سعید میں فوجی انتظامات وغیرہ میں متعین تھا اور بہت سے دوسرے افسروں سے بھی تھا۔ یہ سب لوگ نہایت اخلاص اور عقیدت مندی سے مولانا سے پیش آیا کرتے تھے اور بہت عظمت کی نگاہوں سے مولانا کو دیکھتے تھے۔ جب اخیر میں وردالہ اور روال فرسٹہ میں آنا ہوا تو وہاں پر خصوصیت سے النواہ جنگ کے بعد اسرا میں سے چند آدمیوں کے ساتھ تعارف اور تعلقات پیدا ہوئے یہ لوگ پہلے سے یہاں نہ تھے جناب شیخ الاسلام خیر الدین آفندی ان کے رفیق جلیب بیگ، احمد پاشا انور پاشا کے والد ماجد، کرنیل (امیرالای) جلال بیگ، کرنیل جواد بیگ، فائق بیگ مفتی حسن فہمی آفندی وغیرہ، شیخ الاسلام نے بیعت کی بھی درخواست کی تھی مگر مولانا نے انکار فرمایا پھر انہوں نے کتابوں اور اوراد کی اجازت مانگی اس کو مولانا نے قبول کیا اور اپنے دست مبارک سے لکھ کر ان کو عنایت فرمایا انہوں نے اپنی یادگار کے طور پر مولانا کو اپنی دلائل الخیرات جو کہ خط ثلث میں نہایت خوش قلم تھی مولانا کی خدمت میں پیش کی جس پر اخیر میں چند سطر اپنے ہاتھ سے لکھ کر بطور طلب دعا اور درخواست یادگاری دستخط بھی کر دیا تھا۔

کرنیل جلال بیگ نے بھی ایک حمائل نہایت عمدہ اور خوب صورت چھاپہ کی مولانا کی نذر کی تھی، مولانا مرحوم اس میں اس کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ انور پاشا کے والد احمد پاشا معمر اور نہایت سادہ آدمی ہیں ان کو بزرگوں سے نہایت خلوص و اعتقاد ہے، وہ اکثر مولانا کے پاس آیا کرتے تھے۔ علاوہ ان کے صدر اعظم سابق سعید حلیم پاشا اور ان کے بھائی عباس حلیم پاشا بھی کبھی کبھی آتے اور ملتے تھے جرنیل محمود پاشا، جرنیل فخری پاشا بھی کبھی کبھی خاص طور سے ملتے رہتے تھے جب خلافت کمیٹی قائم ہوئی اور ہندوستانیوں نے دربارہ خلافت مطالبات شروع

Marfat.com

کیے ان لوگوں کی محبت ہندوستانی مسلمانوں سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی چونکہ
لندن ٹائمز اور ریوٹر برابر آتا رہتا تھا اور اس میں تمام خبریں درج ہوتی تھیں او
بہت سے افیسران میں کے انگریزی زبان سے خوب واقف تھے اس لیے وہ لوگ
عموماً اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کا شکریہ نہایت محبت بھرے الفاظ میں کیا
کرتے تھے بلکہ چلتے وقت ان بڑے عمائدنے شکریہ کا ایک محضر بھی بنا کر دیا تھا جو
مولانا مرحوم کی بیماری اور مشغولیت کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔

اور بہت سے معزز عہدہ والے لوگ تھے جن کو مولانا سے خاص عقیدت اور تعلق
تھا اس میں سے میجر (بیگباشی) احمد حمید ربیگ نے بہت زیادہ اصرار کر کے بیعت
بھی کی تھی، عموماً پنج وقتہ ہمارے ساتھ وہ اور قائم مقام (لفٹنٹ کرنیل) محمد توفیق
نماز بھی باجماعت پڑھا کرتے تھے جب مالٹہ سے روانگی ہونے لگی تو تمام افیسر صد
اعظم سے لے کر نیچے کے درجہ تک سب جمع ہو گئے اور بہت ہی زیادہ محبت
اظہار کیا شیخ الاسلام نے خاص طور سے دعا مانگی سب آمین کہتے رہے اور بہت تپا
اور محبت سے آبدیدہ ہو کر سبھوں نے رخصت کیا وہ مجمع اور وہ سماں بھی عجیب
کیونکہ بہت سے ذی وجاہت دنیاوی لوگ وہاں سے روانہ ہوئے مگر ایسا بڑا مجمع ان
کی رخصتی کے وقت اور ایسے ایسے بڑے رتبہ والوں کا اجتماع اس ہئیت دعا و آمین
وغیرہ کے ساتھ کسی کے لیے نہیں ہوا تھا انگریزی افیسر وہاں موجود تھے اس حالت کو
دیکھ کر نہایت تعجب کرتے تھے۔

این سعادت بزور بازو نیست　گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ ہیبت اور دبدبہ حقانی تھا نفسانی نہ تھا وہ شخص جس کی کبھی صورت بھی عالم
زندگانی کا جامہ نہ پہنتی تھی وہ ہستی کہ جس نے کبھی اپنے آپ کو مسند علم کی صدر نشی

پرپیش نہ کیا ہو اس کی لباسی اور عملی کارروائی ظاہر میں ایک معمولی درجہ سے کبھی متجاوز نہ ہوتی تھی اس کو لوگوں کے اختلاط اور مناصب کے حاصل کرنے سے وحشت ہو اس کی یہ عزت و تمکنت عام خلق خداوندی میں یہ قبولیت اگر اس کے تقویٰ اور للّٰہیت کا اثر نہ تھا تو کس کا تھا، ہندوستان میں جو قبولیت مولانا مرحوم کو خداوند کریم نے عطا فرمائی اور جس وقعت سے لوگوں کے دل میں مولانا مرحوم نے جگہ پائی وہ آفتاب سے زیادہ ظاہر و باہر ہے فرحمہ اللہ وارضاہ۔ آمین۔

اب میں اپنی اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کو ختم کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ خداوند کریم اس ناکارہ کو بھی مولانا مرحوم اور ان کے اسلاف کرام کے طفیل اور اپنے فضل و کرم سے استقامت اور ایمان عطا فرما کر اپنی خاص معرفت سے نوازے اور اسلام اور مسلمانوں پر اور تمام امت محمدیہ پر دنیا اور آخرت میں اپنا خاص لطف و فضل بخشش فرما دے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

حسین احمد غفرلہٗ

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے

سفرنامہ شیخ الہند

[illegible]

Marfat.com